ندوة العلماء کا فقہی مزاج

اور

ابناء ندوہ کی فقہی خدمات

منور سلطان ندوی



ناشر: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

ندوۃ العلماء کا فقہی مزاج

اور

ابناء ندوہ کی فقہی خدمات

''جس میں تحریکِ ندوہ کے پس منظر، اس کے علمی و اصلاحی خدمات، فقہ و فتاویٰ میں اکابر ندوہ کا فکری اعتدال، فقہ اسلامی کی نسبت سے قائم ندوہ کے ذیلی اداروں اور ابناء ندوہ میں فقہ کی نسبت سے ممتاز شخصیتوں کے تذکرہ کے علاوہ علماء ندوہ کی فقہی تالیفات کا جامع اور بھرپور تعارف کرایا گیا ہے جس سے تاریخی تعلیمی تحریک کا ایک نیا پہلو سامنے آتا ہے۔''

منوّر سلطان ندوی

باھتمام

المعهد العالي الاسلامی۔ حیدرآباد

ناشر

علامہ سید سلیمان ندوی اکیڈمی

لکھنؤ

طبع دوم

جمادی الثانی ۱۴۲۶ھ ——— جولائی ۲۰۰۵ء

کتاب: .... ندوۃ العلماء کا فقہی مزاج اور ابناء ندوہ کی فقہی خدمات

مؤلف: .... منور سلطان ندوی

کمپیوٹر کتابت: .... مولانا محمد نصیر عالم سہیلی

صفحات: ۴۶۸

تعداد اشاعت: .... ایک ہزار

قیمت: ....

باہتمام: .... المعہد العالی الاسلامی - حیدرآباد

تعلیم آباد، قبا کالونی، پہاڑی شریف روڈ، حیدرآباد - ۵۰۰۰۰۵ Ph:04024440294

ڈسٹری بیوٹر: .... شارپ پرنٹنگ ایجنسی - لکھنؤ

ناشر

علامہ سید سلیمان ندوی اکیڈمی - لکھنؤ

ملنے کے پتے

- مجلس تحقیقات ونشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ ندوۃ العلماء لکھنؤ
- مکتبہ ندویہ پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ
- ہدی بک ڈسٹری بیوٹرس، پرانی حویلی، حیدرآباد
- مکتبہ حسنی - اے - این - ایس پلازا، ملے پلی، حیدرآباد
- فرید بک ڈپو، دریا گنج، نئی دہلی
- کتب خانہ نعیمیہ دیوبند ضلع سہارنپور (یو - پی)
- مکتبہ امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ (بہار)

فہرست مضامین

باب دوم: ندوۃ العلماء کے چند اہم کارنامے

باب سوم: ندوۃ العلماء کا فقہی مزاج و مذاق

باب چہارم: ندوۃ العلماء کی فقہی خدمات

باب پنجم: چند اہم شخصیات (حیات و فقہی خدمات)

باب ششم: فقہ کے میدان میں چند اُبھرتے فضلاء

باب ہفتم: علمی سرمایہ

مقدمہ

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدالمرسلين وخاتم النبيين محمد وعلى آله وصحبه أجمعين أمابعد!

حیدرآباد میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے زیر سرکردگی علوم اسلامیہ اور خاص طور پر فقہ اور علوم تشریع پر تحقیق و تدریب کا ادارہ ''المعهد العالي الاسلامي'' کئی سال سے اچھی خدمت انجام دے رہا ہے، فارغین مدارس اسلامیہ میں سے ایک تعداد جس کو تحقیق و تدریب کی ضرورت یا طلب ہوتی ہے، وہ اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں، مولانا موصوف کو اللہ تعالیٰ نے فقہ میں خاص طور پر اور علوم شرعیہ میں عام طور پر تحقیق و مطالعہ میں امتیازی خصوصیت عطا فرمائی ہے، جس کے تحت انھیں علوم اسلامیہ کے منتہی طلباء کو علمی مزاج سے آشنا کرانے اور انھیں تحقیقی عمل کی مشق کرانے کا تجربہ اور سلیقہ بھی حاصل ہے، چنانچہ ان کی توجہ اور سرپرستی کے تحت متعدد نوجوان تحقیقی و علمی کام کی صلاحیت حاصل کر کے ان کے ادارہ سے نکلے ہیں۔

پیش نظر کتاب ''ندوۃ العلماء کا تعلیمی منہج اور ابنائے ندوہ کی فقہی خدمات'' کے موضوع پر اسی ادارہ کے تحت ندوۃ العلماء کے ایک ہونہار فرزند مولوی منور سلطان (وفقه الله لما يحب ويرضى وبارك فيه) نے مولانا کی زیر سرپرستی ایک تحقیقی وسیع مقالہ تیار کیا، جو ندوۃ العلماء کے منہج تعلیمی اور خاص طور پر فقہ کے باب میں اس کا جو حصہ رہا ہے، اس کے تحت جو کام انجام دیا گیا ہے، اس کا جائزہ پیش کیا ہے اور خاص پہلوؤں کی وضاحت اور تفصیل بھی دی ہے، اس سے ندوۃ العلماء کی خصوصیات کے بعض پہلوؤں کا اچھا جائزہ سامنے آتا ہے۔

میں نے جستہ جستہ اس مقالہ کو دیکھا اور مجھے قابل قدر اور وقیع محسوس ہوا، اس پر میں ان

کواوران کے مشرف مولانا خالد سیف اللہ صاحب کوتہنیت پیش کرتا ہوں اوراس کی قبولیت و نافعیت کی اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتا ہوں۔

محمد رابع حسنی ندوی

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۴۲۴/۸/۴ھ

۲۰۰۳/۱۹/۱ء

❖❖❖❖

تقریظ

الحمدلله کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد!

اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے بندوں کے ہر شکر وتعریف سے بے نیاز ہے، زندگی کی نعمتوں اور خاص طور سے نعمتِ اسلام کی سعادت حاصل ہونے پر جس قدر بھی شکرادا کریں وہ بہت کم ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی قیمت نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے کمزور اور ناتواں بندوں پر احسان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ: **''ومن یشکر فانما یشکر لنفسہ''** جو اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرے گا وہ گویا خود اپنا بھلا کرے گا۔

برصغیر میں آج سے ایک سو پندرہ سال قبل ندوۃ العلماء کا قیام اس خلیج کو پر کرنے کے لئے ہوا تھا، جو عصری علوم کے نمائندے اور اسلامی علوم کے حاملین کے درمیان قائم ہوگئی تھی، اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اب طرفین کا اجتماع ناممکن ہے، اس قابل فکر مسئلہ کو ندوۃ العلماء نے اپنی اسلامی فکر اور نظام تعلیم کے ذریعہ حل کردیا اور اس دوئی کو کتاب وسنت اور اسلامی تاریخ کی روشنی میں ہمیشہ کے لئے مٹادیا، اور تمام علوم کو اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ نعمت قرار دے کر ان کے حصول کو ضروری قرار دیا تا کہ خیر اُمت انسانوں کی رہنمائی کرنے اور اپنی ذمہ داری کو صحیح اور متوازن طریقہ سے انجام دینے میں اپنا عظیم کردار ادا کرسکے۔

ندوۃ العلماء کے معتدل اور جامع نظام تعلیم وتربیت کا نتیجہ تھا کہ ابتداء ہی سے اس نے اُمت کے باشعور طبقہ میں اس ضرورت کا احساس اور زیادہ تیز کردیا کہ مسلمانوں کو اپنا تشخص اور ملی وجود اور دینی شعائر کی بقاء کے لئے علماءِ دین کی ایک ایسی جماعت تیار کرنی ہے جو بیک وقت عالم وداعی اور فقیہ ومجاہد دونوں ہوں، وہ ایک طرف دلوں کو قرآن وحدیث کی تعلیمات اور پیغام سے گرماسکتے ہیں تو دوسری طرف وہ اُمت کے افراد کو خودداری، خودشناسی کا درس بھی دے

سکتے ہوں، تاکہ وہ ایک زندہ قوم کی حیثیت سے دُنیا کے سامنے آئیں اور اپنے وجود کو، اپنی برتری و بالادستی کو تسلیم کراسکیں اور قیادت کے خلاء کو پر کرنے میں وہ ایک عظیم اور نہایت ہی اہم رول ادا کرسکیں۔

یہ کام اس وقت انجام پاسکتا ہے، جب ہمارے مدارس اور ہماری تربیت گاہیں تعلیم و تربیت کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کریں، وہ قوم کے لئے ایسے بلند نگاہ علماء اور سرفروش قائد مہیا کرسکیں جو وقت کی ضرورت سے پوری طرح واقف ہوں اور ان کے اندر ایسا جوہر اور قابلیت موجود ہو کہ وہ بڑے سے بڑے سیلاب کو روکنے کی پوری استطاعت رکھتے ہوں، دُنیا کے جملہ معاملات سے پوری طرح باخبر ہوں، بین الاقوامی حالات سے اچھی طرح واقف ہوتے ہوئے دین کی باتوں اور دینی تقاضوں اور اسلامی شعائر کا پورا پورا علم رکھتے ہوں۔

بانی ندوۃ العلماء حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کو اس ضرورت کا احساس اس شدت سے تھا کہ وہ اسلام کی نمائندگی کرنے اور اسلامی تشخص کو نمایاں کرنے کے لئے فقہ اسلامی میں عبور کے ساتھ عصری علوم اور زبان و ادب کے میدان میں مہارت تامہ حاصل کرنا اُمت کی ایک اہم ترین ضرورت سمجھتے تھے، چنانچہ فضلاء ندوہ نے ان تمام پہلوؤں کی بھرپور نمائندگی کی اور ماہرین ادب و زبان کے ساتھ فقہاء اسلام کی ایک مثالی جماعت نے بھی میدانِ عمل میں اُتر کر اپنی فقہی بصیرت کا ثبوت دیا۔

۱۹۵۲ء میں آخری بار سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ مشرقی بنگال کے سفر سے لوٹتے ہوئے ندوہ تشریف لائے تو استقبالیہ جلسہ میں آں جناب نے صرف اسلامی فقہ میں گہرائی اور مہارت حاصل کرنے کے لئے طلبہ کو متوجہ کیا، ان کی یہ فکر مستقبل کے حالات کا اندازہ کرکے بہت زیادہ سنجیدہ تھی، آج نصف صدی کے بعد ان کی اس روشن ضمیری کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، ٹھیک یہی فکر فقہ اسلامی میں گہری نظر اور حالات پر اسے منطبق کرنے کے سلسلہ میں سابق ناظم ندوۃ العلماء مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی بھی تھی، اس بارے میں حضرت والا کی تقریریں اور تحریریں ایک علمی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں۔

مقام مسرت ہے کہ ہمارے عزیز دوست مولانا منور سلطان ندوی نے ''ندوہ کا فقہی مزاج اور ابناءِ ندوہ کی فقہی خدمات'' کے موضوع پر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مؤسس المعہد العالی الاسلامی کی نگرانی میں تحقیقی مقالہ مرتب کیا ہے اور اس میں تاریخ ندوہ کے اس اہم ترین پہلو کو نہایت اچھے انداز میں نمایاں کیا ہے اور تاریخ ندوۃ العلماء کے روشن صفحات میں ایک درخشاں باب کا اضافہ کیا ہے اور فضلاء ندوہ میں ان اصحاب کا تفصیل سے ذکر کیا ہے، جنھوں نے فقہ اسلامی کے سلسلہ میں کوئی نمایاں خدمت انجام دی ہے اور اسی طرح ان تمام تصنیفات کا جائزہ لیا ہے جو اس موضوع پر ان کے قلم سے نکلی ہیں اور وہ ندوۃ العلماء کی فقہی خدمات کی ایک جھلک پیش کرنے کے لئے بہت کافی ہیں، خاص طور پر ایسے علمی حلقوں میں جہاں ندوہ کا یہ امتیاز عام طور سے لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہے اور وہ علوم اسلامیہ میں اس عظیم اور مثالی ادارہ کے کردار کو صحیح تناظر میں دیکھنے سے قاصر رہ گئے اور اس ''برعظیم'' کی اسلامی، علمی اور فکری تاریخ میں اس کے رول سے آگاہ نہ ہوسکے۔

میں دل کی گہرائیوں سے اس علمی خدمت پر مبارک باد دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے نہایت عاجزی کے ساتھ دُعا کرتا ہوں کہ وہ اس علمی کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرماویں اور مصنف کو اپنے شایان شان جزاء مرحمت فرما کر ہمیں شکر بجالانے کی کماحقہ توفیق سے سرفراز کریں۔ **الحمدللہ الذی تتم بنعمتہ الصالحات، وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد ﷺ وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین.**

راقم الحروف

سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

مدیر البعث الاسلامی ندوۃ العلماء

۴؍شعبان ۱۴۲۴ھ

یکم اکتوبر ۲۰۰۴ء

❖❖❖❖

پیش لفظ

ہندوستان ان خوش قسمت ملکوں میں ہے، جہاں پہلی ہی صدی ہجری میں حجاز کی بادِ نسیم آ پہنچی تھی اور ہندوستان کا ساحلی علاقہ ایمان کی دولت سے مشرف ہو چکا تھا، پھر یوں ہوا کہ ایک طرف ہندوستان کے جنوبی ساحلی علاقہ سے مسلمان داعیوں اور عرب تاجروں کا جوق در جوق ورود شروع ہوا، اور دوسری طرف مجاہدین اسلام نے مغربی علاقہ سے اس ملک پر دستک دی، اور آخر وہ وقت آیا کہ اس ملک پر مسلمانوں کے اقتدار کا سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ درخشاں ہوگیا، یوں تو کم و بیش آٹھ سو سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ مسلمانوں نے یہاں حکومت کی ہے، لیکن بعض مسلم حکمرانوں کو برصغیر کے جس وسیع رقبہ پر فرمانروائی کا اعزاز حاصل ہوا، اس کی مثال اس خطہ کی تاریخ میں کم ہی مل سکے گی۔

افسوس کہ اس طویل عرصہ میں مسلمانوں نے سیاسی اور فوجی مہم جوئی اور ملک و زمین کو فتح کرنے پر جو توجہ دی اس کا دسواں حصہ بھی اسلام کی دعوت و اشاعت اور مفتوحین کے دل و دماغ کو فتح کرنے پر نہیں کی گئی، اسی لئے دُنیا کی تاریخ میں اسپین کے سوا شاید ہی کوئی ایسی مثال مل سکے کہ مسلمانوں نے کسی خطہ پر اتنے طویل عرصہ حکومت کی ہو، اور پھر بھی وہ ایک قلیل التعداد اقلیت کی حیثیت سے باقی رہے ہوں اور اسلامی تعلیمات کی جاذبیت اور کشش نے زر و زمین کے ساتھ ساتھ دلوں کی دُنیا کو فتح نہ کیا ہو، اس کا سبب یہ تھا کہ ہندوستان میں مسلم حکومتیں عجمی نژاد نو مسلموں کے ذریعہ وجود میں آئیں، جو خود اسلامی مزاج و مذاق سے بڑی حد تک محروم تھیں، اور جن کا کعبۂ مقصود سیاسی فتح اور عسکری ظفر مندی تک محدود تھا۔

جس اقتدار کی جڑیں دل کی زمین میں پیوست نہ ہو، اس کی مثال ایسے درخت کی ہوتی ہے، جس کو زمین کے اُوپر لگا دیا گیا ہو، اور اس کی جڑیں زمین کے اندر پھیلی ہوئی نہ ہوں، اس

لئے اس سورج کو غروب ہونا ہی تھا، اور وہی ہوا، یوں تو مسلم حکومتوں کی شکست وریخت کا سلسلہ اٹھارہویں صدی کے وسط ہی سے شروع ہو چکا تھا، لیکن ۱۸۵۷ء میں وہ آخری شمع بھی بجھ گئی، جو مسلمانوں کے اقتدار کی علامت سمجھی جاتی تھی اور اس ملک کے تختِ اقتدار پر انگریز پورے جاہ وجلال اور شوکت وسطوت کے ساتھ متمکن ہو گئے۔

انگریزوں نے اس ملک میں صرف اپنے اقتدار کی کرسی کو مضبوط ہی کرنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ انھوں نے اس ملک میں عیسائیت کی تبلیغ پر بھی بھرپور توجہ کی اور اسلام کے خلاف ایک ایسی فکری اور تہذیبی یلغار شروع کر دی کہ اگر بروقت اس کی مدافعت کی فکر نہ کی جاتی تو خطرہ تھا کہ کہیں یہ اُمت سرمایۂ اقتدار سے محروم ہونے کے بعد متاعِ ایمان سے بھی ہاتھ نہ دھولے، ان حالات میں ملک میں دو گروہ وجود میں آئے، ایک طرف وہ لوگ تھے، جو پوری طرح انگریزی تہذیب کے سامنے سرخمیدہ ہو گئے، مفتوح قوم کی مرعوبیت کے حامل نفسیات کے تحت وہ مغرب کی علمی ترقی اور مغرب کی لادینی ثقافت کے درمیان فرق نہیں کر سکے، اور انھوں نے مغرب سے آنے والی ہر چیز کو ترقی کا ضامن سمجھ لیا، دوسری طرف وہ لوگ تھے، جو ان حالات میں مسلمانوں کے ایمان کے بقاء اور ان کو احساسِ کمتری سے بچانے کے لئے یہ بات ضروری سمجھتے تھے کہ اپنی قدیم روایات پر ان کا اٹوٹ یقین ہو، ان کے یہاں بھی اس سوچ میں ایک گونہ غلو کی کیفیت تھی، جس کے نتیجہ میں ہر قدیم کو "مقدس" سمجھا جانے لگا، اکبر الٰہ آبادی نے ان حالات کی بہت صحیح تصویر اپنے الفاظ میں اس طرح کھینچی ہے:

قدیم وضع پر قائم رہوں اگر اکبر
تو صاف کہتے ہیں سید، یہ رنگ ہے میلا
جدید طرز اگر اختیار کرتا ہوں
خود اپنی قوم مچاتی ہے شور و واویلا
اِدھر یہ ضد ہے کہ لیمن بھی چھو نہیں سکتے
اُدھر یہ دُھن ہے کہ ساقی صراحی مئے لا

ایک طرف قدیم وجدید کی یہ کشمکش تھی اور دوسری طرف مسلمانوں کے مختلف مکاتبِ فکر

کے درمیان اختلاف بلکہ اختلاف سے بڑھ کر جدال اپنے عروج پر پہنچا ہوا تھا اور ان کی باہمی آویزشیں اور ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق علماء کے وقار و اعتبار کو مجروح کر رہی تھیں، اسی پس منظر میں ندوۃ العلماء کی تحریک اُٹھی، جس کا مقصد قدیم صالح اور جدید نافع کو دوش بہ دوش رکھنا، اور مختلف مکاتبِ فکر کے اہل علم کو ساتھ لے کر ایک کارواں تشکیل دینا تھا، چنانچہ ندوہ کے پلیٹ فارم نے احناف اور اہل حدیث، علماءِ دیوبند اور علماءِ بدایوں، مدارس اور خانقاہوں سے نکلنے والے مشائخ اور عصری جامعات کے فضلاء کو ایک جگہ بٹھایا، یہاں تک کہ ابتدائی مرحلہ میں مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی مرحوم (جن کا اپنے آتشیں مزاج کی وجہ سے مخالف نقطۂ نظر کے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا ناقابل تصور تھا) بھی اس قافلہ میں شریک رہے اور اس تحریک نے علماء کی اجتماعیت کے ساتھ ساتھ ایک ایسے نظام تعلیم کا تصور پیش کیا، جس میں علوم اسلامی کو تو اساس بنایا جائے لیکن اس کے ساتھ قرآن وحدیث کی زبان ہونے کی حیثیت سے عربی زبان و ادب پر بھی پوری توجہ دی جائے اور ضروری حد تک عصری علوم کو بھی شامل رکھا جائے تاکہ علماء کا ایک ایسا گروہ وجود میں آسکے جو علوم اسلامی میں معلومات رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کے تقاضوں اور اپنے زمانہ کی ضرورتوں سے بھی آگاہ ہو۔

تحریک ندوۃ العلماء کا سب سے بڑا فائدہ اس عہد میں یہ ہوا کہ مختلف الفکر لوگوں کے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرنے کی وجہ سے فاصلے کم ہوئے، اختلافِ رائے کو برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی اور مخالف نقطۂ نظر کے احترام کا جذبہ بیدار ہوا، اور اس کی وجہ سے اہل علم کے ایک طبقہ میں وسیع الفکری اور وسیع المشربی کا مزاج پروان چڑھا، پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جہاں بھی فکر میں وسعت اور اختلافِ رائے میں تحمل کی صلاحیت پیدا ہوگی، وہاں اعتدال اور میانہ روی پیدا ہوگی اور افراط و تفریط سے بچنا ممکن ہوگا، اسی لئے فقہ کے میدان میں بھی ندوۃ العلماء کی پہچان اس کا اعتدال اور فروعی مسائل میں غلو سے اجتناب ہے، ندوہ کے اساطین حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ، علامہ شبلی نعمانیؒ، نواب حبیب الرحمٰن خاں شیروانیؒ، حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ، سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تحریروں میں اعتدال اور فروعی اختلاف کے بجائے اصل دین کی دعوت و

اشاعت اور اس کی حفاظت و دفاع پر توجہ کو نمایاں طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے، اور ندوہ نے دماغ کے ساتھ دل کو، فکر کے ساتھ عمل کو اور اپنے مسلک و مشرب کے ساتھ دوسرے نقطۂ نظر کے تحمل کو جمع کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

اس اعتدال کی جو ضرورت اس وقت تھی وہی آج بھی ہے اور ابناءِ ندوہ کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی اس امانت کو نئی نسل تک پہنچانے کی کوشش کریں، افسوس کہ ایک ایسے وقت میں جب کہ اسلام پر مغرب کی طرف سے چومکھا حملہ ہورہا ہے اور عالم اسلام پر فوجی وسیاسی غلبہ کے ساتھ ساتھ تہذیبی وتمدنی اور فکری وعملی تسلط حاصل کرنے کی کوشش بھی کی جارہی ہے، علماء اور ان کے متبعین کی ایک بڑی تعداد فروعی اختلافات پر مباحثہ، طعن وتنقید اور جواب اور جواب الجواب میں اُلجھی ہوئی ہے اور دین کی تبلیغ کے بجائے اپنے مسلک ومشرب کی تبلیغ کو مقصدِ زندگی بنالیا گیا ہے، یہ ایسی محرومی اور نامرادی کی بات ہے کہ اس پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے، اس لئے تحریکِ ندوہ کی جو بنیادی فکر تھی اس کی آج بھی اسی قدر ضرورت ہے جتنی پہلے تھی۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ندوہ کے علماء نے اپنی تصنیف وتالیف اور بحث وتحقیق کا اصل موضوع مستشرقین کا رد، سیرت نبویؐ اور اسلام کی شفاف تاریخ کی اُردو زبان میں اور عصری تقاضوں کو سامنے رکھ کر ترتیب وتدوین کو بنایا تھا، کیوں کہ اسلام اور مسلمانوں پر جو فکری یلغار ہورہی تھی، اس کے دفاع کے لئے اس پہلو پر توجہ ضروری تھی، اسی طرح زبان وادب بھی فضلاءِ ندوہ کا خاص مرکز توجہ رہا ہے، کیوں کہ زبان ہی انسانی دل و دماغ تک رسائی کا مؤثر ذریعہ ہے، اس لئے فقہ کی طرف بہ نسبت بعض دوسرے علمی حلقوں کے ندوہ کی توجہ کم رہی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اس میدان میں ابناءِ ندوہ کی خدمات ناقابل لحاظ ہیں۔

اسی پس منظر میں راقم الحروف نے عزیزی مولوی منور سلطان ندوی سلمہ سے خواہش کی کہ وہ معہد کے شعبہ تخصص فی الفقہ کی تکمیل کے لئے ''ندوۃ العلماء کی فقہی فکر اور ابنائے ندوہ کی فقہی خدمات'' پر اپنا مقالہ تحریر کریں کہ یہ ایک طرف لوگوں کے لئے اعتدالِ فکر کی دعوت ہوگی اور دوسری طرف مادرِ علمی کی خدمت بھی ہوگی، کیوں کہ اداروں کی تاریخ خشت وسنگ کی فصیلوں اور پر شکوہ عمارتوں سے نہیں بنتی، بلکہ افراد واشخاص کی تعمیر اور علمی کارناموں سے وجود

میں آتی ہے اور جیسے ایک ہونہار اور وفا شعار اولاد اپنے ماں باپ کی خوبیوں کو اُجاگر کرتی ہے، اسی طرح کسی تعلیمی ادارے کا لائق و وفا شعار، معنوی و روحانی فرزند وہ ہے جو اپنے مادرِ علمی کی مقاصد تکمیل میں سرگرم ہو، اور اس کے محاسن اور روشن پہلوؤں کو سامنے لائے، چنانچہ انھوں نے اپنے مادرِ عملی دار العلوم ندوۃ العلماء کے تئیں اسی فرض کو ادا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، اس طرح یہ ندوہ کی علمی تاریخ میں ایک اہم باب کا اضافہ اور قابل قدر کوشش ہے اور ایک ایسے مخفی پہلوؤں سے پردہ اُٹھاتی ہے، جس کی طرف بہت کم لوگوں کی توجہ جاتی ہے۔

اس کتاب میں تحریک ندوۃ العلماء کا پس منظر اور اس کی علمی و اصلاحی کوششوں پر روشنی ڈالنے کے علاوہ فقہیات میں ندوہ پر فکرِ ولی اللہی کے اثرات اور اس کی وجہ سے فروعی مسائل میں اعتدال اور مخالف نقطۂ نظر کے احترام نیز فقہی مسائل میں فضلاءِ ندوہ کے مزاج و اُسلوب پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، پھر ندوہ کی ان فقہی خدمات کو بیان کیا گیا ہے، جو مختلف ذیلی اداروں کے ذریعہ انجام پارہی ہیں، اس کے بعد ان اہم گزری ہوئی اور موجودہ شخصیات کا تذکرہ ہے، جنھوں نے فقہ کے موضوع پر نمایاں تصنیفی و تالیفی کام کیا ہے یا کر رہے ہیں، پھر ابناءِ ندوہ کے قلم سے نکلنے والے فقہی سرمایہ کو بھی عمدہ ترتیب اور خوش سلیقگی کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے اور شخصیتوں اور کتابوں کے تعارف میں بھی عدل و اعتدال کو ملحوظ رکھا گیا ہے، نہ بخل سے کام لیا گیا ہے اور نہ مبالغہ سے، اور قابل تنقید پہلو کی طرف بھی حسبِ ضرورت اشارہ کر دیا گیا ہے، اس طرح یہ اپنے موضوع پر ایک جامع کتاب کی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔

''المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد'' جس کی وساطت سے یہ خدمت انجام پا رہی ہے، کا بنیادی مقصد افرادِ کار کی تیاری، علم و تحقیق کے جو پہلو توجہ طلب ہیں ان پر کام کرانا اور دینی مدارس کے فضلاء میں اپنے عہد کے تقاضوں کا شعور پیدا کرنے کے ساتھ انھیں وسعتِ نظر اور اعتدال فکر کا حامل بنانا ہے، وسیع النظری کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ علوم اسلامی میں مختلف درسگاہوں، مسلکوں اور علاقوں کا جو حصہ رہا ہے اس کا کشادہ قلبی کے ساتھ اعتراف کیا جائے اور اسے نمایاں کیا جائے تاکہ اس طرح بعد میں آنے والوں کے سامنے اپنے بزرگوں کی خدمات کا ریکارڈ موجود رہے اور وہ ماضی کے آئینہ میں اپنے مستقبل کو سنوار سکیں۔

اسی لئے طلبہ تخصص کو جہاں اُصولی اور عملی مسائل پر بحث و تحقیق کی دعوت دی جاتی ہے، وہیں یہ بھی کوشش کی جاتی ہے کہ علوم اسلامی کے سلسلہ میں ماضی میں جو خدمات انجام پائی ہیں، ان کا بہتر طور پر تعارف کرایا جائے، اس سلسلہ میں ۱۴۲۱ھ میں مختلف شعبوں میں تخصص کرنے والے چھ طلبہ کا ایک گروپ بنایا گیا تھا کہ وہ اُردو زبان میں اس نوعمر زبان کی پیدائش سے ۲۰۰۰ء تک ''قرآنیات، حدیثیات، فقہیات، سیرت، تاریخ و تذکرہ، اصلاحیات اور مذاہب و فرق'' سے متعلق چھوٹی بڑی تمام کتابوں کا مختصر تعارف مرتب کریں، اس مقصد کے لئے ان طلبہ کو حیدرآباد کی لائبریریوں سے استفادہ کے علاوہ کلکتہ، پٹنہ، اعظم گڑھ، علی گڑھ، رام پور، دہلی اور دیوبند بھی بھیجا گیا، تاکہ ممکن حد تک موضوع کا احاطہ ہو سکے۔ بحمد اللہ ان طلبہ نے محنت کے ساتھ اس کام کو پورا کیا، جو تقریباً تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی کمپوزنگ کا کام جاری ہے۔

فقہ اسلامی کے میدان میں ہندوستان میں حلقہ دیوبند کی خدمات بہت ہی نمایاں اور ممتاز ہیں، اسی نسبت سے ایک فاضل نے ''علماءِ دیوبند کی فقہی خدمات'' پر کام کیا ہے، دکن کا خطہ ہمیشہ سے ایک علم پرور اور ادب نواز خطہ رہا ہے، اس نسبت سے ''دکن کی فقہی خدمات'' پر بھی ایک فاضل نے قلم اُٹھایا ہے، اسی طرح ایک فاضل نے ''حدیث میں علماءِ بہار کی خدمات'' پر اپنا مقالہ سپردِ قلم کیا ہے، کیوں کہ تحریکِ مدارس سے پہلے حدیث کے فروغ و اشاعت میں علماءِ بہار کی خدمات نمایاں رہی ہیں۔ علوم اسلامی کی خدمت کے اور بھی مختلف پہلو ہیں، جن پر کام کرنے کی ضرورت ہے اور انشاء اللہ معہد اس سمت میں اپنی کوشش جاری رکھے گا۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی پیش نظر کتاب ہے، جس کے مؤلف عزیزی مولوی منور سلطان ندوی سلمہ نے بہار کی ایک قدیم دینی درسگاہ ''مدرسہ چشمہ فیض ململ'' میں ابتدائی تعلیم حاصل کی ہے، جو اس وقت دار العلوم ندوۃ العلماء کی ایک فعال اور کامیاب شاخ ہے، پھر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے عالمیت اور اس کے بعد فقہ میں فضیلت کی تکمیل کی ہے، اس کے بعد اپنے اساتذہ کے مشورہ سے المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد آئے اور تخصص فی الفقہ سال دوم میں شریک ہوئے اور سند کے لئے یہ مقالہ سپرد قلم کیا، پھر ایک سال شعبہ تحقیق میں رہ کر ''خواتین سے متعلق شرعی احکام'' کے موضوع پر تفصیلی کام کیا، جو اندازاً سات آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے،

پھر جب معہد میں تخصص کرنے والے طلبہ کے لئے خالص انگریزی زبان کی تعلیم کا ایک سالہ کورس شروع ہوا تو عزیز موصوف نے اس میں بھی داخلہ لیا، جو قریب التکمیل ہے، معہد میں ہر سال کسی ایک طالبِ علم کو اس کی مجموعی صلاحیت اور صالحیت میں تفوق کو دیکھتے ہوئے ''الطالب المثالی'' کی سند دی جاتی ہے، چنانچہ ۱۴۲۴ھ میں اس سند کا عزیز موصوف کے حق میں فیصلہ ہوا۔

ماشاء اللہ عزیزی سلمہ کا ذہن اخاذ اور قلم روانی اور شستگی کی طرف مائل اور معہد کے مزاج کے مطابق اعتدال ومیانہ روی اور زبان وبیان آسان نویسی اور رعنائی کی طرف گامزن ہے اور مستقبل میں ان سے بڑی توقعات وابستہ ہیں، یہ ان کی پہلی تالیف ہے جو منظر عام پر آرہی ہے، دُعا ہے کہ یہ سحر ہمیشہ شب نا آشنار ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے دین اور علم دین کی خوب خوب خدمت لے، اس موقع سے عزیزی الاعز مولانا رحمت اللہ ندوی بارک اللہ فی علمہ وحیاتہ (مقیم قطر) اور بعض دیگر ندوی فضلاء کا شکریہ ادا کرنا بھی اپنا فریضہ سمجھتا ہوں، جن کی توجہات و عنایات اس کتاب کی اشاعت میں شامل حال ہیں۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم .

خالد سیف اللہ رحمانی

(خادم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ

۵/ جولائی ۲۰۰۴ء

❖❖❖❖

ابتدائیہ

انسانی فکر ومزاج بڑی حد تک زمانہ کے حالات، رسم ورواج اور قومی وملی فضاء سے تشکیل پاتی ہے اور اس عمومی فضاء میں اس کی نشو ونما ہوتی ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس فکر ومزاج کا انسانی زندگی میں بڑا گہرا رول ہوتا ہے اور زندگی کے مختلف مظاہر میں اس کے غیر معمولی اثرات مرتب ہوتے ہیں، کیوں کہ انسان کی جملہ حرکات وسکنات، دُنیائے رنگ و بو کے لئے دوڑ بھاگ ، جدید ایجادات وانکشافات کے لئے کوشاں ہونا اور زمین ، چاند و ستاروں پر کمندیں ڈالنے کی تدبیریں کرنا، ساری چیزیں اسی مرکزی فکر وخیال کے تابع ہوتی ہیں اور اسی مرکز کے گرد گردش کرتی ہیں، اب اگر اس مزاج میں جمود ہے یا وہ قنوطیت کا شکار ہے اور یاس وناامیدی کی چادر نے اس کو ڈھانپ رکھا ہے تو اس سے کسی نئے میدان میں پیش قدمی کی توقع نہیں کی جاسکتی، لیکن اگر مزاج میں پست خیالی کے بجائے بلندی ہے اور بلند پروازی اس کی فطرت ہے تو ان کے ذریعہ کسی غیر معمولی کام کا وجود کوئی انوکھی چیز نہیں سمجھی جاتی۔

اٹھارہویں صدی کے اواخر میں ۱۸۹۲ء میں جب ہندوستان کی عظیم تعلیمی وفکری تحریک ''ندوۃ العلماء'' کی بنیاد پڑ رہی تھی اس وقت پورا ہندوستان دو طبقوں میں بٹا ہوا تھا اور دونوں مکاتبِ فکر ایک دوسرے سے بالکل جدا، علاحدہ اور متضاد فکر وخیال کے حامل تھے، علماء کا ایک طبقہ قدیم طرزِ تعلیم اور مسلک ومشرب سے سرمو انحراف کو ایک قسم کی تحریف اور بدعت خیال کرتا تھا، تو دوسرا طبقہ مغرب سے آنے والی ہر نئی چیز کو عظمت وتقدس کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور اس کو ہر عیب ونقص سے پاک سمجھتا تھا، پھر پہلا طبقہ جنھیں اپنی قدامت پر شدید اصرار تھا ان میں مختلف فرقوں کی باہمی نزاع حد تہذیب کو عبور کر چکی تھی اور باہمی اختلافات ، تکفیر وتفسیق اور فروعی بحثوں کی وہ گرم بازاری تھی کہ الامان والحفیظ!

ایسے نازک و پرخطر حالات میں ندوۃ العلماء نے فکری توسع ، اعتدال پسندی ، ایک دوسرے کو قبول کرنے اور فروعی اختلافات کو برداشت کرنے کا انقلابی تصور پیش کیا اور اس کی پرزور صدا لگائی ، اور ندوۃ العلماء کے مخلص بانیوں اور ذمہ داروں نے اس فکر وخیال کو عملی جامہ پہنانے کی ہر ممکن کوشش کی۔

اعتدال وتوسع کا یہ حکیمانہ نسخہ اور بھولا ہوا سبق مسلمانانِ ہند کے لئے تیر بہدف تریاق ثابت ہوا ، اس فکر نے ہندوستانی معاشرہ میں تاریخی کردار ادا کیا اور پورے سماج پر اس کے غیر معمولی اثرات مرتب ہوئے ، اس حقیقت کا اعتراف سبھی منصف مزاج اہل علم و اہل دانش کرتے ہیں ، اسی فکر کی وجہ سے مسلمانوں کے ذہنوں پر جمود و تعطل کی جو چھاپ گہری ہو چکی تھی ، وہ کم ہوئی اور فکری جمود کے نتیجہ میں اُمت کی جو صلاحیتیں باہمی اختلافات اور ایک دوسرے کو فاسق و کافر ثابت کرنے میں صرف ہورہی تھیں ، اس نے جدت و ندرتِ فکر وخیال اور تحقیق جولان گاہ کی نئی راہیں کھولیں ، پھر مثبت انداز سے علمی و تحقیقی کام شروع ہوئے اور قدیم و جدید کے امتزاج نے اُمت کے افراد میں قربت پیدا کی اور جدید طبقہ نے بوریہ نشینوں سے اکتسابِ فیض کیا ، اور ان کی ہم نشینی کو باعثِ شرف گردانا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ صدا اُمت کے لئے ابر رحمت ثابت ہوئی اور اس کے دُوررس اثرات محسوس کئے گئے اور اسی کی وجہ سے مسلمانوں میں ایک دوسرے کو قبول کرنے اور ذہنی و فکری دُوری کے باوجود ایک اسٹیج پر جمع ہونے کی فضاء قائم ہوئی ، اور مسلکی و جماعتی اختلافات کے باوجود اُمت کے مسائل کے حل کے لئے سر جوڑ کر بیٹھنے کا دلکش منظر چشم فلک نے مدتوں بعد دیکھا ، پھر اسی فکر نے لوگوں کا ایک مزاج بنایا اور ایک نئی ذہنیت اور نئے مزاج کی تشکیل عمل میں آئی ، یہی دراصل ندوۃ العلماء کا امتیاز بلکہ اس کی سب سے بڑی کامیابی ہے ، راقم الحروف کے پیش نظر اس کاوش کا مرکزی خیال اسی انقلابی فکر کی تشریح وتوضیح ہے ، جسے ندوۃ العلماء کے فقہی مزاج و مذاق سے تعبیر کیا گیا ہے۔

شوال ۱۴۲۲ھ کی کوئی تاریخ تھی ، جب راقم دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فضیلت (اختصاص فقہ) کے بعد استاذِ محترم مولانا عتیق احمد بستوی مدظلہ کے مشورہ سے حیدرآباد پہنچا ،

ابھی صرف گنتی کے چند ہی گھنٹے اس نامانوس فضاء میں گذرے تھے کہ ظہر کی نماز کے بعد، مسجد سے نکلتے ہوئے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ سے ملاقات ہوئی، سلام ومصافحہ کے بعد فرمایا: آپ ندوۃ العلماء سے آئے ہیں؟ عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: ندوۃ العلماء کی فقہی خدمات سے متعلق ایک موضوع مدت سے ذہن میں گردش کررہا ہے، اگر آپ اس موضوع پر کام کرلیں تو ایک اہم کام ہوجاتا۔

بس یہ چند لمحوں کی ملاقات! لیکن اس مختصر ملاقات نے ذہن پر گہرا اثر ڈالا، پہلی گفتگو میں ہی ایسی انسیت اور اپنائیت محسوس ہوئی کہ گویا عرصہ سے رابطہ ہو اور وہ بھی عزیزانہ، شفقت و محبت کی چند پھوار اور سادگی وتواضع کے اس پیکر نے ایک ہی نظر میں اپنا اسیر بنالیا اور مجھے یقین ہوگیا کہ مجھے جس خضر طریق کی تلاش تھی وہ اسی انسانی پیکر میں جلوہ گر ہے۔

دوسرے دن پھر طلبی ہوئی اور فرمایا: خطۃ البحث تیار کیا ہے؟ میں نے اپنی جیب سے خطۃ البحث نکال کر پیش کردیا، مولانا اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اس خاکہ کے مطابق اپنا کام شروع کردیجئے!

میرے لئے اس موضوع کے انتخاب کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اولاً تو اس موضوع پر اب تک کوئی کام نہیں ہوا ہے اور ندوۃ العلماء کی عالمگیر شہرت اور جدید وقدیم دونوں حلقوں میں مقبولیت کے باوجود اس کا فقہی منہج فکر لوگوں کے سامنے پوری طرح واضح نہیں ہے، نیز فقہ کے میدان میں ندوۃ العلماء کی جو خدمات ہیں اور ابناءِ ندوہ نے اس فن کو اپنے اشہبِ قلم سے جس طرح گہر بار کیا ہے، اس کی کوئی منضبط تاریخ اور مبسوط تفصیل نہیں ملتی، جو ندوہ اور ابناءِ ندوہ کی خدمات کے تعلق سے مخفی گوشوں کو واضح کرسکے اور علم وتحقیق، فکر ومنہج اور طرزِ استدلال کے حوالے سے اس کے حقیقی خدوخال کو واضح کرسکے، اور دوسرے یہ کہ راقم کو پرے پرواز کی طاقت یہیں سے ملی ہے، ہوا کے دوش پر چلنا یہیں سیکھا ہے، بلکہ دراصل قلم پکڑنے اور زبان کھولنے کا سلیقہ ہمیں اسی بام ودَر نے عطا کیا ہے، اسی بزم عرفانی نے گرکر پھر سے اُٹھنے اور اٹھ کر چلنے کا سلیقہ سکھایا اور اسی میکدۂ شبلی وسلیمانی سے بادہ صہبائے حرم کے گھونٹ میسر آئے، ہاتھوں نے قلم پکڑنا سیکھا اور اپنے ظرف کے لحاظ سے ذہن ودماغ نے شعور کی دولت اور قلب ونظر نے پاکیزگی وطہارت

سے حصہ پایا، اس لئے اپنے اس محسن اور مادرِ علمی کے بارے میں کچھ لکھنا میرے لئے خدمت علم سے بڑھ کر سرمایہ سعادت اور متاعِ آخرت ہے۔

چنانچہ موضوع کے انتخاب کے بعد میں نے شہر حیدر آباد کے چند ندوی فضلاء سے اس موضوع سے متعلق مشورہ کیا، سبھوں نے چیونٹی کے منہ سے شکر جمع کر کے مٹھائی بنانے کا محاورہ سنایا، مگر حوصلہ افزائی بھی کی اور محنت کے ساتھ کرنے کا مشورہ دیا، اس کے بعد میں نے اپنا کام شروع کر دیا، معہد کی لائبریری میں تاریخ ندوۃ العلماء سے متعلق کئی کتابیں موجود تھیں، میں نے ان سبھوں کا مطالعہ شروع کیا اور چند دنوں میں درسیات کے ساتھ تاریخ ندوہ اور اس کے کارناموں سے متعلق اپنا مواد جمع کرلیا، مولانا دیکھتے رہے، رہنمائی کرتے رہے اور میرا حوصلہ بڑھاتے رہے۔

تمہیدی ابواب سے متعلق مواد جمع کرنے کے بعد اپنے سرپرست اور مشرف مقالہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے مشورہ سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ اور بطورِ خاص حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی اور مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری مدظلہم العالی کو اپنے موضوع سے متعلق تفصیلی خط لکھا اور ساتھ میں مقالہ کا خطہ بھی بھیجا اور اس سلسلہ میں علمی تعاون و رہنمائی کا طالب ہوا، الحمدللہ دارالعلوم سے بڑے حوصلہ افزاء جوابات موصول ہوئے، خصوصاً حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی (مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء) نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ اس کاوش کو سراہا، اور مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری دامت برکاتہ نے بہت سے مفید مشورے دیئے اور مراجع سے متعلق بہت سی کتابوں کی نشاندہی کی۔

پھر جب کام آگے بڑھا تو حیدر آباد کے کتب خانے اور لائبریریاں تنگ دامن نظر آئیں، تو ہمارے مشرف محترم نے معہد کی طرف سے ندوۃ العلماء جانے اور وہاں کی لائبریری سے استفادہ کرنے کا مشورہ دیا، چنانچہ بندہ نے علمی سفر کے لئے رختِ سفر باندھا اور ندوۃ العلماء کی لائبریری اور وہاں کے اساتذہ سے استفادہ کے بعد دارالمصنفین، جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ، جامعہ اسلامیہ مظفر پور قلندر پور اعظم گڑھ کی لائبریریوں سے علم وفن کے موتی چنتے ہوئے اور

گلشن ندوہ کے کھلے پھولوں سے خوشبو جمع کرتے ہوئے ایشیاء کی مشہور لائبریری خدا بخش پٹنہ پہنچا اور اپنے موضوع سے متعلق مواد جمع کیا، سفر سے واپسی کے بعد دوبارہ از سر نو پوری محنت و لگن کے ساتھ کام شروع کیا اور اس طرح سال ختم ہوتے ہوتے میں نے درسیات کے ساتھ تخصص فی الفقہ کا تحقیقی مقالہ بھی مرتب کرلیا۔ یہ محض اللہ کا فضل، استاذِ محترم حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ کی شفقت و محبت، خصوصی عنایت و رہنمائی اور اساتذہ معہد و دیگر محسنین کی ہمت افزائی و خورد نوازی ہے کہ آج یہ مقالہ زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر اہل علم و دانش کے ہاتھوں تک پہنچ رہا ہے، اس کامیابی کو اپنی کوششوں سے زیادہ والدین کی دُعاؤں، اساتذہ کی نیک تمناؤں اور محسنین و مخلصین کی نیک خواہشات کا نتیجہ اور ثمرہ سمجھتا ہوں۔

خطۃ البحث کے مطابق یہ موضوع سات ابواب پر مشتمل ہے، ابتداء میں دو تمہیدی ابواب ہیں، پہلے میں تحریک ندوۃ العلماء کا تعارف کراتے ہوئے اس کے مقاصد اور جن حالات میں اس کی بنیاد پڑی اس پس منظر کی جھلکیاں دکھائی گئی ہیں اور دوسرے باب میں ندوۃ العلماء کے چند اہم کارناموں کا تذکرہ اور فضلاء ندوہ کے اصل میدان کار کی وضاحت اور اس میدان میں ان کی کامیابیوں کی تفصیلات ہیں۔

تیسرا باب ندوۃ العلماء کے فقہی مزاج و مذاق سے متعلق ہے، یہاں سے اصل موضوع شروع ہوتا ہے، اس میں ندوۃ العلماء کی فکری اساس حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فقہی افکار و نظریات اور ان کی کتابوں کے اقتباسات کی روشنی میں ندوۃ العلماء کے فقہی منہج و مسلک کی وضاحت کی گئی ہے اور چمنستانِ ندوہ کے چند معروف خوشہ چینوں کی تحریروں کی روشنی میں ندوۃ العلماء کی اعتدال پسندی اور اجتہاد و تقلید میں ندوۃ العلماء کا مسلک نیز ابناءِ ندوۃ العلماء کے طرزِ تحقیق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

چوتھے باب میں ندوۃ العلماء کے تحت شرعی مسائل کے حل اور جدید مسائل کی تحقیق و تدوین سے متعلق جو اجتماعی کوشش ہوئی ہیں یا اب ہو رہی ہیں ان خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے دارالافتاء، مجلس تحقیقات شرعیہ، دارالقضاء اور المعہد العالی للقضاء والافتاء کا تفصیلی تعارف کرایا گیا ہے اور یہ کوشش کی گئی ہے کہ ان اجتماعی کاوشوں کی پوری تاریخ اور جملہ تفصیلات سامنے

آجائیں اور اس سلسلہ میں اربابِ ندوۃ العلماء کے منہج بحث و تحقیق کی بھی وضاحت ہو جائے۔

پانچواں اور چھٹا باب شخصیات سے متعلق ہے، اس میں جن حضرات کا اشتغال فقہ و شرعی مسائل سے زیادہ رہا ہے، یا جنھوں نے اس موضوع پر زیادہ کام کئے ہیں اور جن کی تحقیقات اہم سمجھی جاتی ہیں ان حضرات کا تعارف کراتے ہوئے ان کی فقہی خدمات اور فقہی افکار و نظریات اور تحقیقات کو سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے اور بطورِ نمونہ چند اہم شخصیات کو پیش کیا گیا ہے، ورنہ اس طرح کی شخصیات اور بھی ہیں اور تلاش و جستجو سے مزید مل سکتے ہیں، پھر اسی فہرست میں مرحومین کے ساتھ زندوں کو بھی شامل کیا گیا ہے، اور خصوصاً اس فن سے اشتغال رکھنے والے نوجوان اہل قلم کا بھی تعارف کرایا ہے اور ان کے کاموں کی تفصیل شامل کی ہے، تاکہ فقہ کے موضوع پر جو حضرات اس وقت تصنیفی و تالیفی خدمت انجام دے رہے ہیں ان کا خاکہ بھی سامنے آجائے۔

ساتواں باب فقہ سے متعلق مختلف موضوعات پر ندوی فضلاء کی کتابوں کے تعارف پر مشتمل ہے، اس سلسلہ میں کوشش کی گئی ہے کہ فقہ و متعلقاتِ فقہ سے متعلق ابناءِ ندوہ کی جتنی تصنیفات مل سکیں ہر ایک کا مختصر تعارف اس میں آجائے، اس لئے آسانی کی خاطر ان کتابوں کو موضوعاتی اعتبار سے تقسیم کر دیا گیا اور حتی الامکان بذاتِ خود دیکھنے کے بعد ہی اس کا تعارف کرایا ہے، اس لئے بعض کتابوں پر تبصرہ کے چند تلخ یا شیریں جملے بھی آگئے ہیں۔

یہاں اس حقیقت کے اعتراف میں کوئی حرج نہیں کہ ندوۃ العلماء کا قیام قدیم و جدید مکاتبِ فکر کے درمیان امتزاج پیدا کرنے اور زمانہ کی ضروریات اور نئے دور کے جدید تقاضوں کے مطابق افراد اور رجالِ کار تیار کرنے کے لئے ہوا تھا۔ اس لئے اس وقت جن علمی موضوعات پر کام ہو رہا تھا، ان کو اپنی توجہ کا مرکز نہیں بنایا، بلکہ جو موضوعات تشنہ تھے ان کو اپنی فکر و تحقیق کی جولان گاہ بنایا، یہی وجہ ہے کہ سیرت، تاریخ اسلام، سیرتِ صحابہ و تابعین، ادب اور اسلام پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات اور مستشرقین کی موشگافیوں اور ان کی ہرزہ سرائیوں کو بے نقاب کرنے اور ان کا مدلل جواب دینے جیسے موضوعات پر ان فضلاء نے اسلامی کتب خانوں کو مالا مال کر دیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ فقہ و متعلقاتِ فقہ سے متعلق جو کچھ کام ہوا ہے وہ

بھی گراں قدر سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہے اور چند ندوی فضلاء کی تحقیق تو اس باب میں سند کی حیثیت رکھتی ہے، پھر مستزاد یہ کہ ان ندوی فضلاء کے ذریعہ ہی فکری توسع واعتدال پسندی سے دُنیاعِلم آشنا ہوئی ہے، اس لئے دیگر خدمات سے قطع نظر مزاج سازی اور فکری انقلاب بذاتِ خودایک عظیم اورتاریخی کارنامہ ہے۔

باعثِ مسرت ہے کہ یہ مقالہ اس حقیر کی قلمی وفکری تربیت گاہ المعہد العالی الاسلامی کی طرف سے شائع ہورہا ہے، یہاں کے اسکالرس کے مقالات میں یہ پہلی کاوش ہے جو طباعت کے زیور سے آراستہ ہوکر اہل شوق کے ہاتھوں تک پہنچ رہی ہے، چوں کہ اس ادارہ کا قیام ہی مختلف علوم وفنون کے لئے افراد سازی اور رجالِ کار کی تیاری کے لئے ہوا تھا اور یہاں ہندوستان کے مختلف مدارس کے فضلاء کوعلمی وتحقیقی کام کی تربیت دی جاتی ہے، اس لئے اس طرح جدید موضوعات پر بہت اچھے اور قیمتی مقالات تیار ہو چکے ہیں، جن کی تعداد ستر سے زائد ہے، المعہد العالی الاسلامی کے مؤسس حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ جنھیں اللہ تعالیٰ نے فضلاء کی تربیت اور افراد سازی کا خاص ملکہ عطا فرمایا ہے، وہ ایک طرف مختلف مدارس اور مکاتبِ فکر سے آئے ہوئے ان گل ہائے رنگارنگ کوعلم وتحقیق کے ذوق سے آشنا کراتے ہیں اورانھیں علمی وتحقیقی کام کی تربیت دیتے ہیں، تو دوسری طرف ان ہی فضلاء سے دوسرے سال میں جدید موضوعات پر تحقیقی مقالہ تیار کرنے یامخطوطہ یا قابل توجہ مطبوعہ کتاب کی تحقیق وایڈیٹنگ کا کام بھی لیتے ہیں، اس طرح ان فضلاء کے ذریعہ بہت سے علمی موضوعات پر کام ہو چکا ہے، جوعظیم علمی سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہے، انشاء اللہ جب یہ شائع ہوکر منظر عام پر آئیں گے تو دُنیاء علم وتحقیق کے اثاثہ میں اس سے یقیناً قیمتی اضافہ ہوگا۔

ندوۃ العلماء کی تاریخ، اس کے بانین، اس تحریک کو پروان چڑھانے والے اہل علم واہل دانش اوراس سے متعلق اہم شخصیات، ندوۃ العلماء کے افکار ونظریات، مختلف جہتوں میں اس کی کاوش اور ندوی فضلاء کے کارناموں اوران کی علمی وادبی خدمات وغیرہ جیسے موضوعات پراب تک کماحقہ توجہ نہیں دی جاسکی ہے، جب کہ ان سرمایوں کو جمع کرکے اسے منظر عام پر لانے کی شدید ضرورت ہے، راقم کی یہ کوشش اس سلسلہ میں ایک ابتدائی قدم ہے، ضرورت ہے کہ ندوی

فضلاء مادرِ علمی کی خدمت کے احساس کے ساتھ ان کاموں کے لئے آگے بڑھیں، دُنیا کے سامنے اپنے اکابر اور ان گمنام شخصیتوں کا تعارف پیش کریں جنھوں نے علم و دین کی خدمت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر رکھی تھیں اور ان کی علمی و تحقیقی اور ملی خدمات سے لوگوں کو روشناس کرائیں، نیز ممتاز ندوی فضلاء کی تحقیقات اور ان کے علمی و ادبی شہ پاروں کو مرتب کریں، انشاء اللہ یہ مادرِ علمی کی خدمت کے ساتھ علم و ادب کی بھی بڑی خدمت ہوگی اور اس سے موجودہ علمی سرمایہ میں گرانقدر اضافہ ہوگا۔ خوشی کی بات ہے کہ دارالعلوم کے ذمہ داروں نے اب اس کی طرف توجہ دی ہے اور شعبہ صحافت کے تحت ایک فاضل مولوی فرمان نیپالی ندوی کو علامہ سید سلیمان ندوی کے ''افادات قرآنی'' کو جمع کرنے کا کام سپرد کیا گیا ہے، خدا کرے کہ یہ سلسلہ دراز ہو اور ضرورت کے مطابق اقدام عمل میں آئے۔

اخیر میں ہم اپنے مشفق و مربی، حضرۃ الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہ کے نہایت سپاس گذار اور دل کی گہرائیوں سے ممنون و مشکور ہیں کہ آپ کی نگاہِ عنایت، توجہ اور خصوصی شفقت اس حقیر کو حاصل رہی، اور اپنے ایک عزیز کی طرح قدم قدم پر رہنمائی کرتے رہے، اور ہر طرح کے تعاون سے نوازتے رہے۔ یہ محض آپ کی توجہات اور کوششوں کا نتیجہ ہے کہ یہ کتاب قارئین کے ہاتھوں تک پہنچ رہی ہے، ہم مخدوم گرامی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی دامت برکاتہم کا صمیم قلب سے شکر گزار ہیں کہ ان بڑوں کی دُعائیں اور مفید مشورے ہمیں ملتے رہے، نیز حضرت ناظم صاحب وحضرت مہتمم صاحب مدظلہم العالی نے مقدمہ و تقریظ کے لئے قیمتی تحریریں عنایت فرمائیں، مولانا نذرالحفیظ ندوی ازہری (وکیل معہد الدعوۃ والفکر الاسلامی دارالعلوم ندوۃ العلماء) کے نہایت شکر گزار ہیں کہ ان کا علمی تعاون ہمیشہ حاصل رہا اور مشغولیات کے باوجود پورے مقالہ پر ایک نظر ڈالنے کی زحمت فرمائی اور مفید مشورے دیتے رہے، ان حضرات کے علاوہ معہد کے اساتذہ اور تمام احباب و رفقاء کا شکریہ ادا کرنا اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتے ہیں جن کی معاونت اور حوصلہ افزائیوں نے ہمارے اس سفر کو آسان کیا، بطورِ خاص مولوی محمد نصیر عالم سبیلی (شعبۂ کمپیوٹر) کے، جنھوں نے کتاب کی کمپوزنگ کے ذریعہ طباعت کے مسئلہ کو آسان کیا اور بار بار

کی تبدیلی اور حذف واضافہ کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کرتے رہے، اور مولانا ارشاد الحق قاسمی مدنی (استاذ معہد) اور برادر گرامی قدر مولانا نوشاد عالم ندوی (استاذ مدرسۃ الایمان جگن پور فیض آباد، یو- پی) جن کی حوصلہ افزائیاں اور شفقت ومحبت ہماری زندگی کے لئے عظیم اثاثہ ہیں، ان سبھوں کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں، اس موقعہ پر اپنے مشفق والدین اور محسنین کے تئیں تشکر وامتنان کے جو جذبات ہیں ان کو رسمی الفاظ کے ذریعے کم نہیں کرنا چاہتا۔

تمام اہل علم اور قارئین سے گزارش ہے کہ اس کتاب میں کہیں خامیاں اور کوتاہیاں نظر آئیں تو براہِ کرم ہمیں اس سے مطلع فرمائیں نیز جن ندوی برادران کا تذکرہ یا ان کی کتابوں کا تعارف نہیں آسکا ہے وہ ضرور اپنی کتاب اور تعارفی خاکہ ارسال فرمائیں، انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں اس کا اضافہ کر دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ اس حقیر کاوش کو قبول فرمائے اور آئندہ مزید علمی کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ — منور سلطان ندوی

۳۰/ جون ۲۰۰۴ء — المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد

❖❖❖❖

◆ باب اول ◆

تحریک ندوۃ العلماء تاریخ کے آئینے میں

تحریک ندوۃ العلماء

شعبان ۱۳۱۰ھ کا وہ دن ہندوستان کی تاریخ میں یادگار کی حیثیت رکھتا ہے جب مدرسہ فیض عام کانپور کی چٹائی پر ہندوستان کی قابل صد افتخار شخصیات، کوچہ علم کی نامور ہستیاں اور باکمال علماء وارباب فن سرزمین ہند میں ملت اسلامیہ کی نشأۃ ثانیہ اور زمانہ وحالات کے مطابق جدید اُسلوب میں اشاعت اسلام کی بنیاد رکھ رہے تھے، اس تاریخ ساز فیصلہ اور انقلاب انگیز قدم کو تاریخ ''تحریک ندوۃ العلماء'' کے نام سے جانتی ہے۔

یہ وہی تحریک ہے جس نے (انیسویں صدی کے اواخر میں جب کہ انقلاب وحوادث کے طوفان سے مسلمان اضطراب و بے چینی کے شکار تھے، یورپ کے نئے نئے افکار وخیالات سیلاب کی طرح امنڈے چلے آرہے تھے اور خواص ملت فروعی اختلاف میں اُلجھے ہوئے تھے) ایک نئے دور کا آغاز کیا، مایوسیوں کے اندھیرے میں اُمید کی قندیل روشن کی، مسلمانوں کو عزم وحوصلہ دیا اور کارگہ حیات میں آگے بڑھنے، اس دور میں اسلام کی سربلندی ثابت کرنے اور جدید فلسفہ ونظریات کا دوٹوک جواب دینے کا سلیقہ سکھایا، قدیم نصاب تعلیم کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کیا، اسلام کی آفاقیت وابدیت پر جدید طبقہ کا رشتہ بحال کیا، ان کے ذہنی خدشات وشبہات کو تشفی بخش طریقہ سے دور کیا اور قدیم وجدید مکاتب فکر کے درمیان ایک حسین امتزاج پیدا کیا۔

اس عظیم تحریک نے ایک طرف نصابِ تعلیم کی اصلاح کا نعرہ بلند کیا، تو دوسری طرف ان فروعی اختلافات کا قلع قمع کیا جن میں اُمت کی بہترین صلاحیتیں ضائع ہو رہی تھی، اس کے علاوہ

قرآن و حدیث بلکہ اسلام کی سرکاری زبان عربی کو ایک زندہ اور ترقی یافتہ زبان کی حیثیت سے متعارف کرایا، وقت کی رفتار اور بدلتے حالات کے مطابق جدید اُسلوب میں اسلامی لٹریچر کا ذخیرہ تیار کیا اور جدید نصاب تعلیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک نمونہ کا دار العلوم قائم کیا جو دنیا کے علمی وادبی اُفق پر خورشیدِ درخشاں بن کر طلوع ہوا، اور مہر تاباں کی شکل میں اپنی ضیاء پاش کرنوں سے پورے عالم کو منور کرنے لگا۔

اس عظیم الشان دانش گاہ کی آغوش تربیت سے ایسے یگانہ روزگار علماء اور اربابِ کمال تیار ہوئے جنھوں نے عالمی سطح پر مسلمانوں کی قیادت کی، مسجد کے منبر و محراب سے سیادت و قیادت کے بالاخانوں تک اسلام کا پیغام پہنچایا اور ملت اسلامیہ کی ترجمانی کی، وقت کے فتنوں کا جواں مردی و جرأت مندی کے ساتھ مقابلہ کیا اور اس کے سامنے سدِ سکندری ثابت ہوئے، تہذیبِ جدید کے زیر اثر پیدا ہونے والے نئے فتنوں قومیت وطنیت اور مادیت کو بے نقاب کیا اور اس کے مضر اثرات سے مسلمانوں کو آگاہ کیا، دینی علوم کو اصل سرچشموں سے حاصل کرنے اور جزئیات میں اُلجھنے کے بجائے کلیات کی طرف توجہ کرنے کی رُت ڈالی اور مشینی و صنعتی انقلاب کے تحت پیدا ہونے والے مسائل کو کتاب و سنت کی روشنی میں حل کرنے کے لئے شورائی نظام قائم کیا، اسلامی علوم کے سرمایہ میں قابل قدر اضافہ کیا، جدید ذہن کے شبہات کو دور کرنے کا شاندار کارنامہ انجام دیا، اختلاف و انتشار کے دور میں اتحادِ ملت کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور فکری اختلافات کے ساتھ اُمت مرحومہ کی تنظیم نو اور احیاء دین کے لئے ایک ساتھ کام کرنے کا بے مثال نمونہ پیش کیا، یہی وہ انمول جواہر پارے اور بیش قیمت لعل و گہر ہیں جس نے ندوہ اور ابناء ندوہ کو عالم اسلام کے دلوں کی دھڑکن اور بزرگانِ ملت کے خوابوں کی تعبیر بنا دیا۔

اس تاریخ ساز تحریک اور اس کی علمی و فکری جولان گاہ جو ایک صدی سے زائد عرصہ پر محیط ہے اور جس کا مکانی رقبہ پورے عالم اسلام پر دراز ہے، کو کاغذی پیرہن دینے اور اس کے بنیادی

خط وخال کو الفاظ کے لبادہ میں پیش کرنے کے لئے اوراق ماضی کے چند صفحات مستعار لینے ہوں گے تا کہ معلوم ہو سکے کہ جب اس نو خیز تحریک کا تخم ڈالا جا رہا تھا، اس وقت کے حالات کیا تھے؟ اور کن کن اصحاب علم و دانش نے اپنے خون جگر سے اس کی آبیاری کی اور پروان چڑھایا، نیز کن توقعات اور کیسی بلند حوصلگی و اعلیٰ ظرفی کے ساتھ اس کے معماروں نے اس کاروانِ علم و معرفت کو آگے بڑھایا؟ پھر اس پس منظر میں یہ حقیقت بھی نکھر کر سامنے آ جائے کہ تحریک ندوۃ العلماء اپنے مقاصد میں کتنا کامیاب رہی، نیز ملت اسلامیہ کی حنا بندی، دین کی تبلیغ اور اسلامی علوم کی نشر واشاعت میں اس نے کیسا رول ادا کیا؟

انیسویں صدی عیسوی میں عالم اسلام کی صورت حال

چودھویں صدی ہجری کے آغاز اور انیسویں صدی عیسوی کے اختتام پر ملت اسلامیہ کی ایک عجیب تاریخ رقم ہو رہی تھی، اس وقت پورا عالم اسلام انتشار و پراگندگی، پریشان خیالی اور فکری اضمحلال کا شکار تھا، ہر جگہ جمود و تعطل کے آثار نمایاں تھے، مسلمانوں کی وحدت پارہ پارہ ہو چکی تھی، مسلم حکمران وسلاطین اپنی عیش و عشرت کی دنیا اور شوق و طرب کی بزم آرائیوں میں مگن تھے، ان میں بدنظمی وخوں ریزی کا دور دورہ تھا، ملت کے مذہبی قائدین اور علماء کرام احساس کمتری کے شکار ہو چکے تھے، ان میں نئے مسائل کو حل کرنے اور اپنی سابقہ روایات کو باقی رکھتے ہوئے آگے بڑھنے کی صلاحیت مفقود ہوتی جا رہی تھی، جب کہ دوسری طرف مغرب ہر شعبہ زندگی میں ترقی کی راہ پر گامزن تھا، وہ کائنات کے اسرار کے انکشاف اور طبعی قوتوں کی تسخیر میں مصروف تھا اور اس کی فکری بلند پروازیوں کے نتیجہ میں ایسے رجحانات تشکیل پا کر معاشرہ میں رواج پذیر ہو رہے تھے، جو مسلم نوجوانوں کے لئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے تھے، ان کی فکری یلغاروں سے قدیم مذہبی دیواریں شکستہ ہوتی جا رہی تھیں اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں تشکیک و اباحیت پسندی کا مزاج عام

ہو رہا تھا، بلکہ انتہاء یہ کہ اس وقت پورا اسلامی نظام تختۂ مشق بنا ہوا تھا، اس کے فطری اُصولوں کو چیلنج کیا جا رہا تھا، ان کے قوانین کو لغو اور از کار رفتہ قرار دیا جا رہا تھا۔ لیکن مغرب کی ان تمام قہر سامانیوں کے باوجود مشرق حال سے بے پروا، مستقبل سے بے خبر اور عظمتِ گذشتہ کی داستان سرائی میں مشغول تھا۔

ہندوستانی مسلمانوں کی حالت زار

اس عالمی منظر نامہ میں ہندی مسلمانوں کی حالت خاص طور پر بڑی قابلِ رحم تھی، یہاں داخلی اور خارجی دونوں محاذوں پر مسلمان پسپائی کے شکار تھے، داخلی طور پر جن حالات سے دوچار تھے اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ جب انگریز ہندوستان آئے تو اس وقت یہاں مسلمانوں کی حکومت تھی وہی تنہا اس کے سیاہ وسفید کے مالک تھے، اس لئے مسلم حکمرانوں کی آپسی چپقلش، داخلی بدنظمی اور عاقبت نااندیشی کے نتیجہ میں مغلیہ سلطنت کا چراغ تو گل ہو گیا اور سات سمندر پار سے آئے گورے انگریز ہندوستانیوں کی قسمت کے مالک بن بیٹھے، لیکن مسلمانوں کے ذہنوں میں مسلم سلطنت کے زوال کا درد اور غلامی کا احساس باقی رہا، آزادی کی تمنا ان کے اندر کروٹیں لیتی رہیں، جس کے نتیجہ میں مسلمان انگریزوں کے بڑھتے قدم کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے اور ہر موڑ پر ان کے مدمقابل میں کھڑے ہوتے رہے، شاہ عبدالعزیزؒ کا انقلاب انگیز فتویٰ، تحریک شہیدینؒ، ٹیپو سلطان شہیدؒ کی جرأت وثابت قدمی، سن ستاون کی تحریکِ حریت، خلافت کمیٹی اور جمیعۃ علماء ہند، حریت وطن کی طلائی زنجیر کی یادگار کڑیاں اور لافانی مثالیں ہیں۔

لیکن یہ ساری کوششیں جب ناکام ہو چکیں تو انگریزوں نے مسلمانوں سے انتقام لینا شروع کر دیا اور اس سلسلہ میں ایسی ہلاکت خیز اور سفاکانہ کاروائیاں شروع کیں جس سے چنگیز وہلاکو کی خونچکاں داستانیں بھی ماند پڑ گئیں، انگریزوں نے اس طویل جدوجہد سے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس کے پیچھے صرف مسلمانوں کی ذہنیت کام کر رہی ہے اور یہی لوگ ہر میدان میں جنگ کی قیادت

کرر ہے ہیں، اس لئے انھوں نے چن چن کر مسلمانوں کو نشانہ بنانا شروع کر دیا، اٹھارہ سو ستاون کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ایک انگریز مؤرخ لکھتا ہے کہ :

''اس سرکشی کو موجودہ مرحلہ میں سپاہیوں کی بغاوت کا نام نہیں دیا جا سکتا، یقیناً اس کا آغاز سپاہیوں سے ہوا تھا لیکن بہت جلد اس کی حقیقت آشکارا ہوگئی، یعنی یہ اسلامی بغاوت تھی۔'' (۱)

اسی طرح انتقامی کاروائی کی صورت بیان کرتے ہوئے منشی ذکاء اللہ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ :

''ہر انگریز کا یہ شیوہ ہوگیا تھا کہ ہر مسلمان کو باغی سمجھتا تھا، ہر ایک سے پوچھتا تھا کہ تو ہندو ہے یا مسلمان ؟ جواب میں مسلمان سنتے ہی گولی مار دیتا۔'' (۲)

ان منتقمانہ جذبات سے مغلوب ہوکر انگریزوں نے ہندوستان کی اینٹ سے اینٹ بجادی ،تباہی و بربادی کا سلسلہ لامتناہی ہوگیا، ہزاروں آبادیاں ویران کر دی گئیں، ہر جگہ قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوگیا، بڑے بڑے علماء پر مقدمات چلائے گئے اور محض شبہ کی بنیاد پر ان کی جائیدادیں تاراج کر دی گئیں، انھیں گرفتار کر کے سخت سزائیں دی جاتیں، غیر انسانی سلوک کیا جاتا، ان کے لئے پھانسی کے پھندے لگائے گئے اور ان کے مقدس خون سے تختۂ دار کو لالہ زار کیا گیا، مورخ کے بقول ''ستائیس ہزار علماء کو تختہ دار پر لٹکایا گیا، ان کے علاوہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کی تصویر کھینچنے سے قلم عاجز ہے۔'' (۳)

انگریزوں کا معاندانہ رویہ یہیں پر ختم نہیں ہوا اور اس کے ذوق خون آشامی کو اس سے بھی تسکین نہ ہوئی بلکہ وہ مسلمانوں کی آئندہ نسل تک کو تباہ کرنے پر تل گئے، انھوں نے معاش کے

---

(۱) Life of Lord Lawrence, Bosworth Smith. P:158 بحوالہ تاریخ ندوۃ العلماء :۱/ ۳۴

(۲) عروج سلطنت انگلشیہ ،ص:۷۱-۷۲ (۳) قیصر التواریخ ،ص:۴۵۴

دروازے کو مسلمانوں پر بند کر دیا، حکومت کے کلیدی عہدوں سے وہ ہٹا دیئے گئے، ان کے وہ اوقاف کو ضبط کر لئے گئے جن سے مسلمانوں کے مدارس و مساجد چلتے تھے، یہاں تک کہ بعض سرکاری اعلانات میں یہ وضاحت کر دی جاتی کہ فلاں فلاں عہدوں کے لئے صرف ہندو لئے جائیں، سر ولیم ہنٹر نے لکھا ہے کہ:

"مسلمان اب اس قدر گر گئے ہیں کہ اگر وہ سرکاری ملازمت پالینے کی قابلیت بھی حاصل کر لیتے ہیں تب بھی انھیں سرکاری اعلانات کے ذریعہ خاص احتیاط کے ساتھ ممنوع کر دیا جاتا ہے، ان کی بے کسی کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہوتا اور اعلیٰ حکام ان کے وجود کو تسلیم کرنا ہی اپنے لئے کسر شان سمجھتے ہیں۔"(۱)

حکومت کی سرپرستی میں عیسائی مشنریوں کی جدوجہد

پھر ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ اب مسلمانوں کے دلوں پر بھی ڈاکے پڑنے لگے اور ان کی سب سے متاع گراں مایہ ایمان کو بھی لوٹا جانے لگا، چنانچہ عیسائی حکومت کے زیر سایہ پادریوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور اپنی مشنری طاقتوں کو آزمانا شروع کر دیا، عیسائی انجمنوں اور اداروں کی طرف سے پادری اور مشنری وفود ہندوستان آنے لگے۔

تاریخ ندوۃ العلماء کے مصنف کے بقول ۱۹۰۰ء سے قبل ہی بیالیس عیسائی مشن ہندوستان میں قائم ہو چکے تھے، عیسائیوں کے مختلف فرقوں نے ہندوستان کو اپنے دین کی اشاعت کے لئے تقسیم کر لیا تھا، مثلاً پنجاب میں اسکاٹ لینڈ کا بریزی ٹرین چرچ، راجپوتانہ اور ہندوستانی ریاستوں میں آئر لینڈ کا رومن کیتھولک چرچ اور مغربی شمالی حصہ میں امریکہ کا میتھوڈیسٹ چرچ، ہندوستان کا کوئی قصبہ اور قریہ باقی نہیں رہا جہاں عیسائی مشن نہیں پایا جاتا ہو، تنہا میتھوڈیسٹ چرچ کے ڈھائی

---

(۱) India Musalmans. بحوالہ تاریخ ندوۃ العلماء: ۳۶/۱

سو مشن ہندوستان کے مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے۔(۱)

برطانوی اقتدار کے دوررس اثرات

اس تشدد آمیز تعذیبی کاروائیوں کے نتیجے میں نہ صرف مسلمانوں کا رشتہ تعلیم سے چھوٹ چکا تھا اور وہ مفلس و بدحال ہو گئے تھے، بلکہ تحریک آزادی کی ناکامی کی بناء پر ان میں احساسِ شکست، احساس کمتری اور مایوسی پھیلتی جاری رہی تھی، ان کی عزت وخودداری پر کاری ضرب لگ چکی تھی، ان کو نئے فاتح کا رعب، نئے حالات کی دہشت اور مختلف شکوک وشبہات اور تہمتوں کا سامنا تھا، وہ آگے بڑھنے اور کوئی مثبت قدم اُٹھانے کے بجائے الجھنوں میں گرفتار تھے، ان میں سوچنے، سمجھنے اور فیصلہ کرنے کی طاقت دن بدن مفقود ہوتی چلی جارہی تھی اور اس وقت اس طرح کے سینکڑوں مسائل تھے جو فوری اور دور اندیشانہ حل اور فیصلہ کن اور واضح موقف کے طلب گار تھے۔(۲)

دو قیادتیں

اس بحرانی دور، پیچیدہ کیفیت اور نازک صورت حال میں دو قسم کی قیادتیں اُبھر کر سامنے آئیں، پہلی قیادت خالص دینی تھی، جس کے علمبردار علمائے کرام تھے، جب کہ دوسری قیادت کے علمبردار سر سید احمد خان مرحوم اور ان کے ان کے ہم فکر افراد تھے۔(۳)

اس وقت علماء دین اور مذہبی قائدین نے اسلام کے دینی وعلمی سرمایہ کی حفاظت اور مسلمانوں کے دینی تعلق واحساس کو باقی رکھنے کے لئے ایسے مدارس کا قیام ضروری سمجھا جو سیاسی زوال کے بعد مسلمانوں کے دینی اور اخلاقی زوال سے حفاظت کے ضامن ہوں اور ان مدارس سے ایسے علماء تیار ہوکر نکلیں جو شریعت اسلامی سے گہری واقفیت رکھتے ہوں اور ان میں داعیانہ روح، رضا کارانہ خدمت اور اشاعت علم کا جذبہ ہو اور جو حکومت کی اعانت وسرپرستی کے بغیر اس

---

(۱) تاریخ ندوۃ العلماء: ۴۰/۱ (۲) تاریخ ندوۃ العلماء: ۴۲/۱

(۳) مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش: ۸۸-۸۷

ملک میں اپنی خدمت اور رہنمائی اور علم کی اشاعت وحفاظت کا فریضہ انجام دے سکیں، ان مدارس میں دارالعلوم دیوبند کا نام سرفہرست اور اس سلسلہ میں اس کا بنیادی اور مرکزی حصہ ہے۔(۱)

دارالعلوم دیوبند

اس عظیم اصلاحی وتعلیمی تحریک کے بانی وسربراہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تھے، حضرت نانوتوی ۵۷ء کے معرکہ میں خود بھی شریک تھے اور مسلمانوں کی شکست وناکامی اور ہزیمت کا داغ اپنے سینے پر کھائے ہوئے تھے، اس لئے انھوں نے ایک ایسے ادارہ کا قیام ضروری سمجھا جس کے ذریعہ سیاسی زوال کے بعد مسلمانوں کو دینی واخلاقی زوال سے بچایا جاسکے اور تاج وتخت کی بازی ہارنے والی قوم کو متاعِ ایمان کی محرومی اور فکر واعتقاد کی سرخمیدگی سے بچایا جاسکے، حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''۵۷ء کی کشمکش کی ناکامی کے بعد قتال اور آویزش کے لئے نئے محاذوں اور میدانوں کی تیاری میں آپ کا دماغ مصروف ہوگیا، دارالعلوم دیوبند کا تعلیمی نظام اسی لائحہ عمل کا نمایاں اور مرکزی وجوہری عنصر تھا، شاملی کے میدان سے واپسی کے بعد سوچنے والوں نے نہ تو مایوس ہوکر سوچنا چھوڑ دیا تھا اور نہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے تھے، بلکہ بقائے اسلام اور تحفظ دین کے نصب العین کو آگے بڑھانے کے لئے ان کے دماغ بھی مصروفِ فکر وعمل تھے اور ان کے قلوب بھی کائنات کی مرکزی قوت سے لولگائے غیبی لطیفے کے ظہور کا انتظار کررہے تھے''(۲)

دارالعلوم دیوبند کی تاریخ بیان کرتے ہوئے مشہور مؤرخ حضرت مولانا سید ابوالحسن

---

(۱) ہندوستانی مسلمان ایک تاریخی جائزہ، ص:۱۳۱ (۲) سوانح قاسمی:۲/۲۲۳

علی ندویؒ رقمطراز ہیں :

’’اس مدرسہ کی ابتداء سہارنپور کے ایک قصبہ دیوبند کی ایک چھوٹی سی مسجد (چھتہ والی مسجد) میں ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں ہوئی، ابتداء میں یہ ایک ابتدائی مدرسہ تھا، جو دیوبند کے ایک بزرگ حاجی محمد عابد صاحبؒ نے قائم کیا تھا، لیکن اس کی ساری ترقی وتوسیع، شہرت ومقبولیت حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے اخلاص وللّٰہیت، بلند ہمتی و بلند نظری کی مرہون منت ہے، جو ابتداء سے اس کے انتظام وانصرام میں شریک تھے اور بعد میں تو انھوں نے اپنی ساری علمی وفکری صلاحیتیں اور توجہات اس پر مرکوز فرمادیں، خوش قسمتی سے دارالعلوم کو روز اول سے ہی مخلص کارکن اور صاحبِ دل اساتذہ کا تعاون رہا، جس کی وجہ سے تقویٰ وطہارت، اخلاص، تواضع اور خاکساری کی روح پورے ماحول پر طاری رہی —— دارالعلوم کا دائرہ روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا، اس کی شہرت اور اساتذہ دارالعلوم کی تبحر علمی، صلاح وتقویٰ اور فن حدیث وفقہ میں ان کی مہارت خصوصی کے چرچے دور تک پھیل گئے، جن کو سن کر ہندوستان کے مختلف گوشوں سے اور دوسرے اسلامی ممالک سے کثیر تعداد میں طلبہ حصول علم دین کے لئے وہاں آئے، طلبہ کی تعداد آج کل ڈیڑھ ہزار سے بھی زائد ہے‘‘۔(۱) (یہ تعداد ۱۳۸۰ھ کے اعداد وشمار کے مطابق ہے)۔

---

(۱) ہندوستانی مسلمان، ص:۱۳۲

مولاناؒ آگے رقمطراز ہیں :

”ہندوستانی مسلمانوں کی دینی زندگی پر دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کی اصلاحی کوششوں کے نمایاں اثرات رونما ہوئے ، بدعات ورسوم کی اصلاح، عقائد کی درستی، تبلیغ دین اور وطن عزیز کے دفاع کے سلسلہ میں کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں اور حق گوئی و بے باکی میں علماء سلف کی یاد تازہ کردی، تمسک بالدین، مسلک احناف کی سختی سے پابندی ، اسلاف کی روایات کی حفاظت اور سنت کی موافقت دیوبند کا شعار رہا ہے۔“(۱)

سرسید احمد خانؒ اور ان کا مکتب خیال

دوسری قیادت کے علمبردار سرسید احمد خاں تھے، سرسید صاحب ۱۷/۱/اَ ذبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے ،انھوں نے مغلیہ سلطنت کا زوال اور ۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کو کھلی آنکھوں دیکھا، مسلمانوں کی ہزیمت، اہل ہند کی دل شکستگی اور عظیم جماعت کے مقابلہ میں مٹھی بھر غیر ملکیوں کی فتح کا مشاہدہ کیا اور مسلمانوں کو اس کی جو بھاری قیمت ادا کرنی پڑی، اس کو بھی دیکھا، وہ قوم جو کل تک اس ملک کی حاکم تھی اس کی ذلت وپستی ، بڑے بڑے خاندانوں اور گھرانوں کی اور انگریزوں کی شان وشوکت نیز ان کی حکومت اور ساحرانہ تہذیب کے مناظر دیکھے، سرسید ایک ذہین، سریع الحس ،زود انفعال اور دردمند انسان تھے، وہ ان چیزوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، اس لئے انھوں نے سوچا کہ جب تک مسلمان اعلیٰ انگریزی تعلیم نہ حاصل کریں گے ، اپنا معیار زندگی نہ بلند کریں گے اور رہن سہن کے طریقوں اور لباس اور تمدن میں صاحب اقتدار طبقہ کے رنگ میں نہ رنگ جائیں گے ،اس وقت تک ان کا احساس کمتری دور نہ ہوگا اور نہ ملک کے بیرونی

---

(۱) ہندوستانی مسلمان، ص:۱۳۲

حکمراں ان کووقعت اور مساوات کی نظر سے دیکھیں گے۔(۱)

اسی تخیل اوران ہی مقاصد کی تکمیل کے لئے انھوں نے محمڈن اینگلو اورینٹل ہائی اسکول قائم کیا، جس کا افتتاح سرولیم میور نے ۲۴/ مئی ۱۸۷۵ء کو کیا تھا، یہی اسکول ترقی کر کے آگے جنوری ۱۸۷۷ء میں کالج اور جنوری ۱۹۲۱ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تبدیل ہوگیا۔

اس عظیم تحریک نے ہندوستان کی اسلامی سوسائٹی میں اس تعلیمی اور اقتصادی خلاء کو بڑی حد تک پر کردیا، جو انگریزی اقتدار اور انقلابِ حکومت کے بعد پیدا ہوگیا تھا، ایک حد تک اس نے مسلمانوں سے مایوسی اور بدحالی بھی کم کی، اس ادارہ میں بعض بڑے لائق نوجوان، صاحب فکر صحافی، اہل قلم اور لیڈر پیدا ہوئے جنھوں نے بعد میں تحریک خلافت اور تحریک آزادیٔ ہند کی پرزور رہنمائی کی، بعد میں جب پاکستان کی تحریک شروع ہوئی اور پھر پاکستان کی اسلامی ریاست وجود میں آئی تو اس تعلیم گاہ کے فضلاء میں متعدد رہنما اور لائق منتظم دستیاب ہوئے۔(۲)

لیکن اسی کے ساتھ یہ قیادت مغربی تہذیب اور اس کی مادی بنیادوں کی تقلید اور جدید علوم کو اس کے عیوب ونقائص کے ساتھ اور بغیر کسی تنقید وترمیم کے اختیار کر لینے کی داعی تھی، وہ اسلام اور قرآن کی اس طرح تفسیر اور توجیہ کرتی تھی جو انیسویں صدی کے آخر کی سائنسی معلومات اور مغربی تمدن کے معیاروں کے مطابق ہو اور اہل مغرب کے ذوق ومزاج کے ساتھ ہم آہنگ ہو، وہ ان غیبی حقائق اور طبعی اسرار کے انکار پر قائم تھی، جو حواس اور تجربہ کی دسترس سے بہت دور ہیں اور بادی النظر میں جدید علوم کے مطابق نظر نہیں آتے ہیں۔(۳)

تحریک ندوۃ العلماء کی ضرورت

ندوۃ العلماء کی تحریک دارالعلوم دیوبند اور محمڈن اینگلو اورینٹل اسکول علی گڑھ کے بعد اس وقت منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی جب دارالعلود یوبند کے قیام کو ۲۶ سال بیت چکے تھے اور علی گڑھ

---

(۱) ہندوستانی مسلمان، ص:۱۴۴ (۲) مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص:۱۰۵

(۳) حوالۂ سابق، ص:۹۵

اسکول اپنی عمر کی اٹھارویں منزل میں تھا، گویا دونوں مکاتب فکر کو قائم ہوئے ایک عرصہ ہو چکا تھا اور تجربات کی ربع صدی پوری ہونے والی تھی، اس کے بعد وہ کون سے اسباب تھے اور کیسا خلاء تھا جس نے ملت کے سپوتوں کو از سر نو ایک نئے مکتب فکر کی تاسیس کرنے اور نئے دبستانِ خیال کو وجود میں لانے پر مجبور کیا۔

قدیم وجدید مکاتبِ فکر کے درمیان کشمکش

پندرہویں صدی عیسوی میں یورپ میں جو صنعتی و مشینی انقلاب آیا تھا وہ صنعت وحرفت کی ترقی اور جدید علوم وفنون کی بے پناہ کامیابی تک محدود نہ رہا، بلکہ جلد ہی وہ ایک جدید تہذیب وثقافت کی شکل اختیار کرگیا، جو اپنے وسیع تصور میں عقائد وخیالات، فکری نظاموں، سیاسی واقتصادی فلسفوں اور اجتماعی، طبعی اور عمرانی علوم نیز مخصوص تجربات کا عجیب وغریب مجموعہ تھا جو مغربی اقوام کو اپنے ارتقاء کے طویل سفر کے مختلف مراحل میں پیش آئے تھے، یہ مغربی تمدن وثقافت ایک مکمل فکر وفلسفہ اور نظریۂ حیات تھا، جس نے نہ صرف جدید طبقہ کو پوری طرح متاثر کیا، بلکہ پوری دنیا اور خصوصاً پورے عالم اسلام میں طوفانِ بلاخیز کی طرح پھیل گیا، یہ دراصل اسلامی افکار اور مغربی افکار واقدار کی کشمکش تھی جس سے عالم اسلام خاص طور سے دوچار تھا اور جس نے تمام قدیم اخلاقی وتہذیبی دیواروں اور اعلیٰ قدروں کو زمین بوس کردیا تھا، اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب اور اقوام اس تہذیبی سیلاب کے سامنے سپر انداز ہوتے جارہے تھے، اب مسئلہ اس عالمگیر وآفاقی مذہب کا تھا کہ وہ اس تازہ دم، زندگی ونشاط، حوصلہ وعزم اور ترقی ووسعت کی صلاحیت سے بھرپور مغربی تہذیب سے کس طرح نبرد آزما ہوتا ہے، یہ عالم اسلام کے لئے ایک نازک اور دشوار دوراہا اور اس کے رہنماؤں اور مفکرین وپیشوا کی ذہانت کا امتحان تھا، مورخ کے بقول :

"یہ اس وقت مسلم ممالک کا سب سے بڑا اور حقیقی مسئلہ ہے، یہ مسئلہ نہ فرضی ہے نہ خیالی، مسلم ممالک کی اندرونی کمزوری

اور مغربی تہذیب کے نفوذ و استیلاء کی کیفیت نے (جس کی نظیر تہذیبِ انسان کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی) ممالک کے مادی و سیاسی اقتدار نے سارے مسلم ممالک کے سامنے اس مسئلہ کو نہایت روشن سوالیہ نشان بنا کر کھڑا کر دیا ہے، جس کا جواب سب کو دینا ہے اور اس سگنل کے بغیر کسی ملک کی گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی، مغربی تہذیب کے بارے میں یہ ممالک کیا رویہ اختیار کرتے ہیں اور اپنے معاشرہ کو موجودہ زندگی سے ہم آہنگ بنانے اور زمانہ کے قاہر تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کونسی راہ اختیار کرتے ہیں اور اس میں کس حد تک ذہانت و جرأت کا ثبوت دیتے ہیں؟ اسی سوال کے جواب پر اس بات کا انحصار ہے کہ دنیا کے نقشہ میں ان قوموں کی نوعیت کیا قرار پاتی ہے، ان ملکوں میں اسلام کا کیا مستقبل ہے اور وہ اس زمانہ میں اسلام کے عالمگیر و ابدی پیغام کے لئے کہاں تک مفید ہو سکتے ہیں؟۔(۱)

انیسویں صدی کے اواخر میں ہندوستان میں جو دو تعلیمی و اصلاحی تحریکیں چلیں وہ بھی اس عالمی طوفان یا اس کے شدید ردِ عمل سے محفوظ نہ رہ سکیں اور بعض تاریخی و سیاسی اسباب کی بناء پر دونوں مکاتب فکر نے الگ الگ انتہاء پسند موقف اختیار کئے، پہلی قیادت جو خالص طبقہ علماء پر مشتمل تھی انھوں نے اس مغربی فتنہ کے سد باب کے لئے منفی رویہ اختیار کیا، اس سلسلہ میں ان کی فکر یہ تھی کہ دینی جذبہ، اسلامی روح، اسلامی زندگی اور تہذیب اسلامی کے جتنے بچے کھچے آثار باقی

---

(۱) مسلم ممالک میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش (مقدمہ)، ص:۱۲

رہ گئے ہیں، ان کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے اور اسلامی تہذیب وثقافت کے لئے قلعہ بندیاں کرلی جائیں، یہ لوگ اس تہذیب کے نتائج اور فوائد سے کنارہ کش ہو گئے اور ان علوم کو ہاتھ لگانے پر بھی تیار نہ ہوئے جن میں اہل مغرب کو تفوق وامتیاز حاصل تھا، بلکہ طبیعات، ریاضیات، جدید سائنس اور ٹکنالوجی جیسے علوم وفنون میں بھی مغرب سے استفادہ علمی کو شجر ممنوعہ سمجھا، گویا یہ مکتب خیال ہر اس چیز اور اس بات سے گریز کا داعی تھا جس پر یورپ کی چھاپ یا مغرب کی تہمت ہو۔(۱)

اس کے بالکل برعکس دوسری قیادت جس کے علمبردار سرسید احمد خاں اور ان کے رفقاء تھے، وہ مغربی تہذیب کو بغیر کسی تنقید وترمیم کے اختیار کرلینے کے پرجوش داعی ووکیل تھے، انھوں نے گرم جوشی کے ساتھ اس تحریک ودعوت کا علَم بلند کیا اور انگریزی تہذیب اور معاشرت کو اختیار کرلینے کی دعوت دی، سرسید ایک جگہ لکھتے ہیں :

> ”ہندستان کے مسلمانوں کو کامل درجہ سویلزیشن (Civilizations) یعنی تہذیب اختیار کرلینے پر راغب کیا جائے تاکہ جس حقارت سے سویلزڈ (Civilizeld) یعنی مہذب قومیں ان کو دیکھتی ہیں وہ رفع ہو اور وہ بھی دنیا میں مہذب کہلاویں۔“(۲)

اسی طرح اپنے رسالہ ”احکام طعام اہل کتاب“ میں کھانے پینے میں انگریزوں کا طریقہ اختیار کرلینے کی ترغیب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں :

> ”پس اے مسلمانو! اس پر عمل کرو، خود پسندی وتکبر کی نیت سے نہیں بلکہ اس نیت سے کہ مسلمانوں کی رفعت وبلندی پیدا ہوجائے، تاکہ اس ذلت ومسکنت کی بناء پر جس کے لوگ

---

(۱) تاریخ ندوۃ العلماء:۱/۶۱ (۲) تہذیب الاخلاق، مضامین سرسید:۲/۱

عادی ہو چکے ہیں، کوئی قوم ان کو حقارت سے نہ دیکھے، اللہ تعالیٰ کو ہمارے سینوں کا حال معلوم ہے اور وہ ہمارے قلوب کے متعلق صحیح فیصلہ کرتا ہے۔" (۱)

ان دونوں تحریکوں کا تجزیہ کرتے ہوئے مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں :

"قوم کا بڑا حصہ ان دونوں طبقوں کے درمیان ہچکولے کھا رہا تھا، جس میں ایک طبقہ قدیم طرز تعلیم اور مسلک سے سرِ مو انحراف کو ایک قسم کی تحریف اور بدعت سمجھتا تھا، دوسرا طبقہ مغرب سے آنے والی ہر چیز کو عظمت و تقدس کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور اس کو ہر عیب و نقص سے پاک سمجھتا تھا، یہاں تک کہ اہل مغرب کے افکار اور فکری رجحانات بھی اس کی عظمت و عصمت کا پیکر نظر آتے تھے اور ان کو وہ ذہن انسانی کی پرواز کی آخری منزل تصور کرتا تھا، ان دونوں طبقوں کے درمیان فکر و معیار کا جو تضاد تھا اور جس طرح وہ دو انتہائی سروں پر تھے، اس کی تصویر لسان العصر اکبر الہ آبادی نے اس شعر میں کھینچی ہے ؎

اِدھر یہ ضد ہے کہ لیمن چھو نہیں سکتے
اُدھر یہ دھن ہے کہ ساقی صراحی مئے لا (۲)

اس وقت کے نصابِ تعلیم پر ایک نظر

یہ حقیقت ہے کہ انسانی ذہن و فکر کی تعمیر، قول و فعل، فکر و عمل میں توازن اور کردار سازی میں نصابِ تعلیم اور نظام تربیت سب سے مؤثر کردار ادا کرتا ہے، قوموں کے عقیدے اور عمل

---

(۱) تہذیب الاخلاق، مضامین سرسید: ۵۰/۲ (۲) مسلم ممالک میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش، ص: ۹۳

اور معاشرہ کا مزاج ورجحان ، حکومت کی ساخت اور تنظیم سب کچھ نظام تعلیم وتربیت کے تابع اور زیر اثر ہوتے ہیں ، نصابِ تعلیم وقت اور حالات کا آئینہ دار ہوتا ہے ، جس میں ماضی کی تلخیوں اور مستقبل کے مسائل کی پرچھائیاں دیکھی جاسکتی ہیں۔

اس لئے نصابِ تعلیم ہر زمانہ کے حالات ، پیش آمدہ واقعات اور آنے والے خطرات کے مطابق تیار کیا جاتا ہے ، تاکہ اس کے ذریعہ ایسے افراد تیار ہوں جو آنے والے مسائل سے نبرد آزما ہوسکیں اور پیش آنے والے واقعات کا صحیح جواب دے سکیں۔

مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء نے نصابِ تعلیم کے بارے میں ایک تفصیلی تحریر قم کی ہے، اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ نصابِ تعلیم ہمیشہ تبدل وتغیر اور حذف واضافہ کی منزل سے گذرتا رہا ہے، نیز مختلف ادوار میں مختلف عوامل ومحرکات کی بناء پر اس میں تبدیلی کی جاتی رہی ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں تعلیمی تحریک کے رہنما اور اسلامی علوم کے خادم وناشر برابر زمانہ کی تبدیلیوں کا احساس اور حقیقت پسندی سے کام لیتے رہے ہیں، لیکن یہ عجیب اتفاق اور تاریخی المیہ ہے کہ جس زمانہ میں سب سے بڑا علمی وسیاسی انقلاب رونما ہوا اور جب اس نصاب کو وقت کی ضرورت اور تقاضوں کی تکمیل کی سب سے زیادہ ضرورت تھی ، ٹھیک اسی وقت یہ جمود کا شکار ہوگیا اور ہر طرح کی تبدیلی کے لئے دروازے بند کر لئے گئے۔(۱)

مشہور مؤرخ وادیب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے بڑی حقیقت پسندی کے ساتھ اس کا جائزہ لیا ہے، آپ تحریر فرماتے ہیں :

”علوم اسلامی کا قدیم نصابِ تعلیم اس زمانہ میں تو برابر بدلتا
اور زندگی کا ساتھ دیتا رہا ، جس میں انقلاب بہت دھیرے
آتے تھے اور اس کی نوعیت میں بنیادی فرق نہیں ہوتا تھا ،

---

(۱) ہندوستان کا نصاب درس اور اس کے تغیرات ، ص: ۲۲-۲۳

یہ انقلابات اشخاص اور حکمراں خاندانوں کی تبدیلی کا نام تھے، لیکن اس کے باوجود واضعین نصاب اور عالم اسلام میں علمی و تعلیمی تحریک کے رہنما برابر اپنی ذہانت و حقیقت پسندی کا ثبوت دیتے رہے اور تبدیلی و اضافہ سے کام لیتے رہے، لیکن انیسویں صدی کا زمانہ آیا، جس میں حکمراں خاندانوں کا نہیں بلکہ تہذیبوں اور افکار و اقدار کا انقلاب رونما ہوا اور انقلابات کی کثرت اور شدت دونوں حد سے تجاوز ہوگئیں، تو یہ نصاب ایک منزل پر آکر ٹھہر گیا اور اس نے ہر تغیر و اضافہ سے انکار کردیا، مقرر کردہ کتابوں اور طرزِ تعلیم ہر چیز میں اس روش پر اصرار کیا گیا، جو ہندوستان میں بانی درس گاہ نظامی (ملا نظام الدین لکھنویؒ ۱۱۶۱ھ) اور مشرق وسطی میں اٹھارہویں صدی کے علماء ازہر کے زمانہ میں ہوگئی تھی، فقہ و قانونِ اسلامی میں توسع و اضافہ، ان مسائل میں (جو جدید اکتشافات، نئی اقتصادیات اور ذہنی تنظیمات نے پیدا کردئے تھے) اجتہاد سے کام لینا چھوڑ دیا گیا، اجتہاد جو اپنے اعلیٰ، نازک اور نہایت ضروری شرائط کے ساتھ بہر حال علماء اسلام کا فریضہ اور بدلے ہوئے زمانہ کی رہنمائی کا ذریعہ تھا، عملاً معطل و مسدود ہوگیا اور ایک ماہر عرب عالم (۱) کے بلیغ الفاظ میں ''علماء کے نزدیک اس دروازہ کا کھولنا تو (شرعاً) ممنوع نہیں تھا مگر جس کنجی سے وہ

---

(۱) استاذ مصطفی احمد الزرقاء

> کھل سکتا تھا وہ عرصہ سے گمشدہ تھی" اسلامی علوم و معارفِ قرآنی اور شریعت اسلامی کے لئے جس طاقتور، موثر، دل پذیر و دل نشیں تعبیر و تشریح اور اس کے لئے زبان و ادب کے اس نئے دور میں جس اُسلوب اور پیرایہ بیان کی ضرورت تھی، وہ اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور تھا، ایسے علماء خال خال پائے جاتے تھے، جو ان ذہنی حقائق کی ابدیت، زندگی کی صلاحیت اور اسلام کی فوقیت و برتری کا نقش جدید طبقہ کے دل و دماغ پر قائم کر سکیں اور اپنی بھرپور علمی تنقید اور ماہرانہ تحلیل و تجزیہ سے تہذیب جدید کے طلسم کو توڑ سکیں۔(۱)

خلاصہ یہ کہ اس آخری زمانہ میں ہندوستان کا نصابِ درس ذہنی و علمی انحطاط کا شکار ہو چکا تھا، درس نظامی میں عرصہ سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور جب تبدیلی ہوئی تو بغیر کسی غور و فکر کے، جن کتابوں کا اضافہ کیا گیا وہ شروح و حواشی پر مشتمل تھیں، تصنیف و تالیف اور تحقیق کے میدان میں شرح و حواشی کے علاوہ کوئی اور کام نہیں ہو رہا تھا اور "الثقافۃ الاسلامیہ" کے مصنف کے مطابق صرف منطق کی شرح و حواشی کی تعداد ۱۱۷ تک پہنچی تھی جن میں سے ۳۷ کتابیں سُلّم کی شرح میں لکھی گئی تھیں۔(۲)

فروعی اختلافات کی کثرت

نصابِ تعلیم کے اس جمود کا دوسرا بڑا نقصان یہ ہوا کہ اب یہ فکر و عمل کے لئے کسی نئے میدان کے فراہم کرنے سے قاصر تھا، نتیجتاً وہ ساری صلاحیتیں جو زیادہ بہتر خدمت اور اعلیٰ قیادت کا مظاہرہ کرتیں، باہمی اختلافات، تکفیر و تفسیق، فروعی بحثوں اور فلسفیانہ موشگافیوں کی نذر

---

(۱) اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص: ۱۷۰-۱۶۹ (۲) تاریخ ندوۃ العلماء: ۱/ ۷۲

ہونے لگیں اور اُمت کے عبقری وباکمال افراد کا پورا وقت ان جزوی اختلاف کی تردید وتائید میں صرف ہونے لگا اور بقول ایک زمانہ آگاہ مؤرخ ''اس دل خراش وافسوس ناک صورت حال کی وجہ سے پورا عالم اسلام ایک دنگل کا روپ اختیار کر چکا تھا''، اس دور کا سارا علمی سرمایہ اس کی بہترین یادگار ہے۔

اسی زمانہ میں حکیم سید عبدالحی حسنیؒ نے دہلی اور اس کے اطراف کا سفر کیا تھا، انھوں نے جو چشم دید صورت حال بیان کئے ہیں اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت پورا ملک آپسی اختلافات کی کس بھیانک آگ میں جل رہا تھا۔

آپ تحریر فرماتے ہیں:

> ''آج صبح سے دوپہر تک قیام گاہ میں رہا، دوپہر کو کھانا کھا کر جامع مسجد نماز پڑھنے کے لئے گیا، نماز کے بعد چار جگہ وعظ ہونے لگا، منبر پر مولوی محمد اکبر وعظ کہتے ہیں، یہ بزرگ حنفیوں کا خوب مذاق اڑاتے ہیں دل کھول کر تبرا کرتے ہیں، اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہدایہ پڑھانے سے توبہ کی ہے، دوسرے صاحب منذنہ کے پاس اسی طور پر حنفیہ کا خاکہ اڑا رہے ہیں، تیسرے صاحب دوسری جانب محدثین و متبعین سب کی خبر لے رہے ہیں، قیام تعظیمی کے منع کرنے پر سخت سست کہہ رہے ہیں، چوتھے صاحب حوض پر کچھ مناجاتیں اور غزلیں کہہ رہے ہیں اور لوگوں کو اپنی طرف راغب کر رہے ہیں، الغرض ایک ہڑبونگ تھا، جس کو دیکھ کر نہایت افسوس ہوا، خدا کی مرضی میں کسی کو دخل نہیں، جب سلطنت اسلام جاتی رہی،

توجس کا جو جی چاہے کہے اور کرے۔"(۱)

ان اختلافات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں :

"علماء اور مسلمان فرقوں کی باہمی نزاع حدِ تہذیب کو عبور کر چکی تھی، مدارس صرف دانش گاہیں ہی نہ تھیں بلکہ مقابلے کے دنگل بھی تھے، جہاں ایک مکتبِ فکر کے اساتذہ دوسرے مکتبِ فکر کی مخالفت میں پوری حمیت و جوش کا اظہار کرتے تھے اور ان کی مذمت میں کوئی کسر نہ اُٹھار کھتے تھے، بالخصوص احناف اور اہل حدیث کے باہمی اختلافات اور مباحثہ بازیوں نے ایک بڑے فتنہ کی صورت اختیار کر لی تھی، آمین بالجہر اور آمین بالسہ کے مسئلہ پر کوٹلہ والی مسجد دہلی میں سخت لڑائی ہوئی اور لوگ زخمی ہوئے، میرٹھ میں مقلدین اور غیر مقلدین کا جھگڑا اس قدر بڑھا کہ ہائی کورٹ تک مقدمہ چلا گیا، علی گڑھ میں مولانا لطف اللہ علی گڑھیؒ (حنفی) کو زہر دیا گیا مگر وہ بچ نکلے اور نوبت باہمی مار پیٹ اور مقدمہ بازی تک پہنچی، یہی حالات تھے جس نے ندوہ کے بلند نگاہ بانیوں کو "اتحادِ ملت" کے مسئلہ کو ایک تحریک کی صورت میں اُٹھانے پر مجبور کیا"۔(۲)

علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

یہ حالات اس بات کا شدت سے تقاضہ کر رہے تھے، کہ وہ طبقہ جو دینی تعلیمات اور علوم

---

(۱) دہلی اور اس کے اطراف، ص:۶۳　　(۲) ماہنامہ "رہگذر" حیدرآباد، جنوری ۱۹۸۸ء

اسلامیہ کا امین اور وارث و جانشین اور ملت اسلامیہ کا نگہبان ہے، وہ اس صورت حال کا حقیقت پسندی سے جائزہ لے کر ایسی تبدیلی لائے جس میں دینی معتقدات تو اپنی اصل روح کے ساتھ برقرار رہیں اور ان کی حقیقی روح پر ذرا آنچ نہ آئے لیکن دوسری طرف وہ نئے حالات کو سمجھ کر ان علوم وفنون کو حاصل کرنے میں بھی کوشاں ہو جائے جو کامیابی کا معیار بن چکے ہیں اور ایسی معتدل ومتوازن فکر پیدا کرے جو جدید وقدیم دونوں کے محاسن کا جامع ہو اور جو علماء دین اور جدید طبقہ کے درمیان پل کا کام کر سکے، اسی طرح مروجہ نصابِ تعلیم میں ایسی بنیادی تبدیلیاں لائی جائیں جو ان بدلے ہوئے حالات وتصورات میں رہنمائی کا فریضہ انجام دے اور پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کو رفع کر سکے اور ان سب کے ساتھ اس فروعی اختلاف کو بھی ختم کیا جائے، جس میں اُمت کی بہترین صلاحیتیں ضائع ہو رہی تھیں۔

اسی بنیادی تخیل کے پیش نظر وقت کے نبض شناس علماء اور دینی بصیرت رکھنے والے مشائخ نے جو ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں مدرسہ فیض عام کانپور کی چٹائی پر فارغ ہونے والے طلبہ کی دستار بندی کے لئے جمع ہوئے تھے، ایک لائحہ عمل اور کام کرنے کا خاکہ تیار کیا، اس مجمع میں جو باکمال نفوس اور ارباب فن جلوہ افروز تھے، ان کے متبرک ناموں پر ایک نگاہ آج بھی بتا سکتی ہے کہ وہ کس پایہ کے تھے، جب کہ ان میں سے بعض کا اس وقت عنفوان شباب تھا:

- استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد لطف اللہ علی گڑھیؒ
- مولانا حافظ شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادیؒ
- حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ
- حضرت مولانا محمد خلیل احمد صاحبؒ مدرس دوم دار العلوم دیو بند
- حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحبؒ
- شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ مدرس اول دار العلوم دیو بند

- حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ
- مولانا شاہ محمد سلیمان پھلوارویؒ
- مولانا حکیم سید ظہور الاسلام فتح پوریؒ
- مولانا احمد حسن کانپوریؒ
- مولانا نور محمد صاحب پنجابیؒ صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ فتح پور
- مولانا حکیم فخر الحسن گنگوہیؒ
- مولانا شاہ تجمل حسین دیسنویؒ
- مولانا عبد الغنی صاحبؒ

یہ اسلامی ہندوستان کے گذشتہ دور کے وہ نام ہائے نامی ہیں، جن پر اس دور کو پورا فخر اور ناز ہے، اس منتخب جلسہ میں یہ طے پایا کہ باہمی مشورہ سے علماء کی ایک جماعت قائم کی جائے اور آئندہ سال مدرسہ فیض عام کے سالانہ جلسہ کے موقع پر تمام ہندوستان کے علماء کو اس کے لئے دعوت دی جائے، اس مجلس کا نام ''ندوۃ العلماء'' قرار پایا اور اشتہار واخبار کے ذریعہ سے آئندہ جلسہ کا اعلان کیا گیا۔

مولانا سید محمد علی مونگیریؒ جو مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے شاگرد رشید اور حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی کے مرید وخلیفہ تھے، نیز عیسائیت کی تردید میں متعدد کتابوں کے مصنف تھے، اس مجلس کے پہلے ناظم مقرر ہوئے۔(۱)

اغراض ومقاصد

ابتداء میں تحریک کے دو مقاصد تھے :

۱- علوم اسلامیہ کے نصاب درس میں دور رس اور بنیادی اصلاحات اور نئے نصاب

---

(۱) حیات شبلی ص: ۳۰۳-۳۰۴

کی تیاری۔

۲- رفع نزاع باہمی یعنی اتحاد ملی اور اخوت اسلامی کے جذبات کو فروغ دینا۔

ندوۃ العلماء کے قیام کے بعد پہلے تعارفی وفد کو ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے جو تحریر دی تھی، اس میں ان ہی دونوں مقاصد کی تشریح کی گئی تھی اور اس کی ضرورت واہمیت بتا کر علماء کرام اور خواص کو اس کی طرف متوجہ کیا تھا۔

لیکن جوں جوں تحریک ندوۃ العلماء آگے بڑھتی رہی، اس کے دائرہ کار اور بنیادی مقاصد میں اضافہ ہوتا رہا، اب گویا مندرجہ ذیل چار مقاصد تحریک ندوۃ العلماء کے بنیادی مقاصد قرار پائے۔

۱- علوم اسلامیہ کے نصاب درس میں دوررس اور بنیادی اصلاحات اور نئے نصاب کی تیاری۔

۲- ایسے علماء پیدا کرنا جو کتاب وسنت کے وسیع وعمیق علم کے ساتھ جدید خیالات سے بخوبی واقف اور زمانہ کے نبض شناس ہوں۔

۳- اتحاد ملی اور اُخوت اسلامی کے جذبات کو فروغ دینا۔

۴- اسلامی تعلیمات کی اشاعت بالخصوص برادرانِ وطن کو اس کی خوبیوں سے روشناس کرانا۔(۱)

مسلمانوں کا استقبال

تحریک ندوۃ العلماء کے قیام کے بعد ناظم ندوۃ العلماء نے محسوس کیا کہ پورے ملک میں اس تحریک کا تعارف ہونا چاہئے تاکہ وسیع پیمانہ پر اس کے مقاصد سے لوگ واقف ہوسکیں، اس کے لئے آپ نے مولانا مشتاق علی نگینوی کو آمادہ کیا کہ وہ ہندوستان کے اہم علاقوں کا دورہ کریں اور ندوۃ العلماء کے مقاصد سے لوگوں کو آگاہ کریں، مولانا مشتاق علی صاحب نے بڑی خوش

---

(۱) تاریخ ندوۃ العلماء:۱/۵۵-۵٦

اُسلوبی کے ساتھ اس مشن کو پورا کیا اور مشاہیر علماء، اصحابِ فکر اور با اثر لوگوں سے شخصی ملاقات اور تبادلہ خیالات کے ذریعہ انھیں اس نئی اصلاحی تحریک کا ہم خیال بنانے کی کامیاب کوشش کی، آپ ہندوستان کے مشہور شہروں سے گذرتے ہوئے حجاز تشریف لے گئے، وہاں مدینہ منورہ کے علماء کے سامنے ندوہ کا تخیل اور اغراض ومقاصد پیش کیا، اس کے بعد مکہ مکرمہ آئے اور حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے خاص طور سے ملاقات کی اور تمام حالات اور کاروائی لکھی ہوئی پیش کی، مولانا اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اس کاغذ کو اپنے دستخط سے مزین فرمایا۔(۱)

ان ہی دنوں حسبِ اعلان ۱۵/۱۶/۱۷/ شوال ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۲/ ۲۳/ ۲۴/ اپریل ۱۸۹۴ء کو مدرسہ فیض عام کانپور میں ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، یہ اجلاس اپنی شان اور اجتماع میں اپنی نظیر آپ تھا، ایک شان یہ تھی کہ ہر فرقہ کے صنادید علماء شریک جلسہ تھے اور یہ مشاہدہ تھا کہ تمام علماء بلا تخصیص فرقہ صدر نشیں کی تعظیم وتکریم میں یکساں سرگرم ہیں، کرسی صدارت حضرت مولانا لطف اللہ صاحب کے جلال وجمال دونوں پر نازاں تھی، اس موقع پر جو رسالہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے پیش کیا تھا اس میں مفتی عنایت احمد صاحب، مولانا لطف اللہ صاحب اور مولانا احمد حسن صاحب کی بڑے شاندار الفاظ میں مدح وثناء تھی۔(۲)

اس سہ روزہ اجلاس میں دیگر مسائل کے ساتھ اصلاح نصاب کے بارے میں خاص طور سے غور وفکر کیا گیا اور یہ تجویز منظور کی گئی کہ موجودہ طریقہ تعلیم قابل اصلاح ہے، اس کے لئے بارہ علماء پر مشتمل ایک کمیٹی موجودہ نصابِ تعلیم اور طریقہ تعلیم پر غور وفکر کر کے اپنی سفارشات پیش کرنے کے لے مقرر کی گئی، اس مجلس میں مولانا مونگیری کے علاوہ علامہ شبلی نعمانیؒ، مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور مولانا عبدالحق حقانیؒ جیسے پایہ کے اہل کمال شامل تھے۔(۳)

اس اجلاس کا اثر عوام وخواص دونوں طبقوں میں بہت گہرا پڑا، تمام طبقہ کے علماء نے پوری

---

(۱) روداد ندوۃ العلماء سال اول: ۱۴ (۲) استاذ العلماء، ص: ۴۲-۴۳

(۳) تاریخ ندوۃ العلماء: ۱/۱۰۷

گرم جوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی طرف سے بھی اس کا باضابطہ خیر مقدم کیا گیا، محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ نے اپنے سالانہ اجلاس میں ندوۃ العلماء کی تائید میں ریزولیوشن پاس کیا، جسے سرسید احمد خاں نے ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کیا، پھر یہیں سے اس تحریک کے مقاصد کی اشاعت اور ترقی کے لئے جدوجہد کا آغاز ہوا اور اس قلیل مدت میں اس کا شہرہ اس طرح چاروں طرف پھیل گیا کہ تاریخ میں اس کی نظیر کم ملتی ہے، کشمیر سے ڈھاکہ اور حیدرآباد تک یہ نئی و نامانوس صدا، ہر اس شخص کے دل کی دھڑکن بن گئی جو ملت کی زبوں حالی اور پراگندگی سے مایوس و مضطرب تھے، اس اجنبی آواز نے ہندوستان کے مسلمانوں کے رگ و پے میں ایک نئی روح دوڑا دی اور انھیں اپنی سماجی، تعلیمی اور فکری دنیا کی تاریکی میں اُمید کی کرن نظر آئی۔

ندوۃ العلماء کے اجلاس دوم کی روداد شروع کرتے ہوئے مولانا مونگیریؒ بڑی مسرت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں:

"اس مبارک انجمن کی عمر ایک سال کی ہوئی اور اس ایک سالہ عمر میں اس نونہال نے کس قدر عالمگیر شہرت اور قابل قدر وقعت حاصل کی، جس کو فضل ربانی اور تائید یزدانی کے سواء کچھ نہیں کہہ سکتے، غالباً ہندوستان کا کوئی شہر، کوئی فرقہ نہیں جہاں اس کا ذکر نہیں پہنچا ہو، کوئی دانش مند ایسا نہ ہوگا جو اُمید کی نظر سے نہ دیکھتا ہو، کوئی مصلح اور بہی خواہِ اسلام ایسا نہ ہوگا جو اس کی رفتار و گفتار پر ہمہ تن گوش نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ اس کی ایک پکار میں ملتان سے لے کر ڈھاکہ و حیدرآباد تک کے اہل ہمم جمع ہو گئے۔"(۱)

---

(۱) روداد اجلاس دوم، ص:۲

تحریک ندوۃ العلماء کے اثرات

اس اجلاس کے بعد تحریک ندوۃ العلماء میں بڑی تیزی و وسعت آئی، عوام وخواص اور تعلیم یافتہ طبقہ کی اس توجہ کو دیکھتے ہوئے ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں نے اس کا دائرہ اور وسیع کیا اور ان مقاصد کی تکمیل کے لئے اور زیادہ برق رفتاری کے ساتھ جدوجہد شروع کردی، چنانچہ تیسرے اجلاس میں دارالافتاء کا قیام باضابطہ عمل میں آیا، قدیم نصاب تعلیم میں دوررس تبدیلی کی گئی اور عربی کا مکمل نیا نصاب تیار کیا گیا، اس نئے نصاب کے تجربہ کے لئے ایک نمونہ کا دارالعلوم کھولا گیا، جس نے جلد ہی عالمی سطح پر بلند مقام حاصل کیا اور علم وادب کا مثالی گہوارہ بن گیا، پھر اس دانش کدہ کے فضلاء نے پوری دنیا میں ایک دھوم مچادی، جدید وقدیم کا یہ حسین سنگم لوگوں نے کھلی آنکھوں دیکھا، مسلمانوں میں جمود وتعطل اور نئے حالات سے عدم واقفیت کی جو فضا قائم ہوگئی تھی جلد ہی وہ کائی کی طرح چھٹ گئی اور اختلاف وانتشار اور تکفیر وتفسیق کی گرم بازاری کی جگہ آپسی اخوت ومحبت اور اُمت کی اصلاح کے لئے دردمندی کا احساس پیدا ہوا، جس نے مختلف مکاتب فکر کے ذمہ داروں میں ایک ساتھ بیٹھنے کا حوصلہ پیدا کیا، جدید وقدیم طبقوں میں دوری و بےگانگی کم ہوئی اور اعتدال اور فروعی مسائل میں لچک اور رواداری کی فضا بنی، ندوی فضلاء نے مرعوبیت کی تاریخ کو ختم کیا، جدید علوم سے آراستہ ہوکر مغرب کی نقابِ اتہام کو چاک کیا، ذہنوں میں پیدا ہونے والے نت نئے شبہات کا علمی انداز میں جواب دیا اور مذہب پر جدید طبقہ کے اعتماد کو بحال کیا۔

الغرض اس تحریک نے مسلمانوں کو نہ صرف فکر کی نئی روشنی عطا کی اور ایک نئے دبستان فکر سے دنیا کو آشنا کیا، بلکہ اس کے زیر اہتمام قائم عظیم دانش گاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء ملت اسلامیہ کی نئی نسل کو پروان چڑھانے اور علم وفکر کے جدید محاذوں کے لئے تیار کرنے کا جو قابل قدر فریضہ انجام دے رہا ہے اور جس طرح ندوی فضلاء ہر میدان میں بیش بہا خدمات اور مثالی کارنامے انجام دے رہے ہیں وہ ہندوستانی مسلمانوں کے روشن ماضی کی علامت اور تابناک مستقبل کی ضمانت ہے۔

◆ باب دوم ◆

ندوۃ العلماء کے چند اہم کارنامے

ندوۃ العلماء کے چند اہم کارنامے

تحریک ندوۃ العلماء جس کا قیام انیسویں صدی کے اواخر میں ہوا تھا، وقت کی آواز اور ملت کے زخموں کا مداوا ثابت ہوا، اس لئے چند سالوں کے اندر ہی اس کی آواز بازگشت پورے عالم اسلام میں سنی جانے لگی اور اس کی شہرت کا پرچم ہر جگہ لہرنے لگا، خصوصاً نصابِ تعلیم کی اصلاح اور طرز تعلیم کی تبدیلی کا اعلان اتنا مؤثر اور سحر انگیز تھا کہ قدیم و جدید دونوں طبقہ کے ارباب فکر و عمل اس کے گرویدہ ہو گئے، اندرونِ ملک کے علاوہ مصر و شام میں بھی اس کی دھوم مچی، عرب کے علماء اور اہل دانش نے تعریف و تحسین کا خراج پیش کیا اور مصر کے اخبارات ''المؤید'' اور ''الرفیق'' میں تائیدی مضامین شائع ہوئے۔

یہ کاروانِ علم و آگہی جس نے مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کی قیادت و رہنمائی میں اپنا سفرِ اصلاح و تبلیغ دین شروع کیا تھا، وہ زمانہ کے تقاضوں اور ملت کی ضرورتوں کے جلو میں اب تک رواں دواں ہے اور انشاء اللہ قیامت تک اس میخانہ علم و عرفاں کا جام و مینا گردش میں رہے گا اور بزرگوں کا لگایا ہوا یہ شجر سایہ دار سرسبز و شاداب اور بافیض و ثمر آور مسلمانوں کی تشنہ کامی کا سامان فراہم کرتا رہے گا۔

اس طویل دور میں جب کہ ندوۃ العلماء اپنی عمر کی سو سے زیادہ بہاریں دیکھ چکا ہے، صرف تاریخ کا تماشائی نہ رہا، بلکہ اس نے افراد سازی کے ساتھ تاریخ سازی بھی کی اور علمی میدان میں وہ انمٹ و پائیدار نقوش چھوڑے جو علم و ادب کی تاریخ میں ہمیشہ آبِ زر سے لکھے جائیں گے۔

ندوۃ العلماء نے جو علمی ، فکری ، اصلاحی ، تعلیمی اور ادبی خدمات انجام دی ہیں اور جس کثرت سے عظیم الشان و بے مثال کارنامے ماضی کی تاریخ میں رقم کیا ہے اور آج بھی جن میدانوں میں ان کی کاوشیں جاری ہیں اور ان کے تربیت یافتہ فضلاء ملک و بیرون ملک کے چپہ چپہ میں علمی وفکری محاذوں پر، تاریخ وسیرت کی رزم گاہوں میں، زبان وادب کی بزموں میں جو کردار ادا کر رہے ہیں اور الحاد و لادینیت کی یلغاروں میں جس طرح انھوں نے دعوت وعزیمت کی شمع فروزاں کر رکھیں ہیں، یہ موقع ان کی تفصیلات کے ذکر کا نہیں، اور اس کے لئے ایک دفتر اور سفینہ مطلوب ہے، لیکن ''**مالا یدرک کله لایترک بعضه**'' کے حکیمانہ اُصول کے پس منظر میں اس نوری کہکشاں کی چند کرنوں کا عکس دکھایا جا رہا ہے۔

اصلاح نصاب کی کوشش اور جدید نصاب کی تیاری

تحریک ندوۃ العلماء کے دیدہ ور و نبض شناس بانیوں نے جن عظیم مقاصد کے تحت اس دبستانِ فکر کی داغ بیل ڈالی تھی، اس میں سرفہرست قدیم نصاب تعلیم کی اصلاح کی تجویز تھی، جو روز اول سے ہی ان بزرگوں کا اولین مطمح نظر بنی رہی۔

قدیم نصابِ تعلیم کی خامیاں

اس وقت عربی مدارس میں جو نصابِ تعلیم رائج تھا، اس کا تفصیلی جائزہ مولانا سید عبدالحی حسنیؒ نے بڑی گہرائی کے ساتھ لیا ہے اور مختصراً ہر دور میں ہونے والی تبدیلیوں کا بھی ذکر کیا ہے، آپ اس نصاب کے نقائص کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

- ''اس نصاب میں قوت مطالعہ کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے اور تحصیل فن کی طرف توجہ کم کی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ طلبہ میں ضرورت سے زیادہ احتمال آفرینی پیدا ہو جاتی ہے، لیکن فن میں کمال حاصل نہیں ہوتا۔

● منطق کی پندرہ کتابیں نصاب درس میں ہیں اور تفسیر کی صرف دو، بیضاوی اور جلالین ، بیضاوی کی صرف ڈھائی پارے پڑھائے جاتے ہیں، جلالین پوری پڑھائی جاتی ہے، لیکن اس کے اختصار کا یہ حال ہے کہ اس کے الفاظ وحروف قرآن مجید کے الفاظ وحروف کے برابر ہیں۔

● حدیث وتفسیر کو ادب وعربیت سے مدد حاصل ہوتی ہے، اس کا حصہ بہت کم ہے، بلاغت کی صرف دو کتابیں درس میں مختصر ومطول، مختصر پوری پڑھائی جاتی ہے اور مطول ''ماأنا قلت'' تک یعنی ۱/۴ اسے بھی کم۔

● منطق کی جو کتابیں درس میں داخل ہیں ان میں خلط مبحث بہت ہے، ملاحسن، حمد اللہ، اور قاضی ہیں تو منطق، لیکن اس میں منطق کے جس قدر مسائل ہیں اس سے کہیں زیادہ اُمور عامہ اور فلسفہ کے مسائل ہیں، جعل بسیط اور جعل مرکب، علم باری، کلی طبعی کا وجود فی الخارج وغیرہ وغیرہ ایسے اہم مسائل ہیں جن میں مصروف ہوکر طالب علم کو منطق کے خاص مسائل کی طرف بہت کم توجہ ہوسکتی ہے۔

● اس نصاب میں تاریخ، جغرافیہ، علم اعجاز القرآن اور ضروری علوم بالکل نہیں ہیں۔''(۱)

ظاہر ہے اس نصاب میں منطق کی کتابوں اور فلسفہ کی موشگافیوں کے علاوہ اور کیا ہے؟ اسی لئے ''تاریخ ندوہ'' کے مصنف نے اس کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے طلبہ میں احتمال آفرینی کی عادت پیدا ہوجاتی ہے، وہ لکھتے ہیں :

''قدیم علم کلام جو فلسفہ یونان کے مقابلہ میں ایجاد ہوا تھا بغیر

---

(۱) ہندوستان کا نصاب درس اور اس کے تغیرات، ص:۲۲

کسی اضافہ اور ترمیم کے درس میں داخل ہوا، —— اُصول فقہ کی تعلیم کا مقصد شریعت میں رسوخ تھا، مگر نہ اجتہاد رہا نہ شریعت، علم بلاغت کی تعلیم کلام میں زور بلاغت وفصاحت کے لئے دی جاتی ہے، اب وہ عجمی مصنفوں کی بازی گاہ ہے، جو استاذ بلاغت کی سب سے بڑی کتاب کا درس دیتے ہیں، وہ خود خط نہیں لکھ سکتے تھے، ایک استاذ کی شہرت کی بنیاد یہ تھی کہ وہ کتابوں کو اچھی طرح سمجھ سکتے تھے، فقروں کی ترکیب کر سکتے تھے، شبہات پیدا کرنے میں انھیں کمال حاصل تھا، وہ آسان کو پیچیدہ اور صاف کو مبہم بنا دیتے تھے، ایک استاذ کی شہرت ان کی دین داری اور تنگ نظری کے سبب تھی، وہ معمولی سبب پر لوگوں پر کفر کا فتویٰ لگا دیا کرتے تھے، اس تعلیم کا مدار لفظی بحث پر تھا، طالب علم میں بحث ومباحثہ کی صلاحیت پیدا ہوتی تھی، احتمال آفرینی کی عادت پڑ جاتی تھی، بقول شیخ محمد عبدہ ایک طالبِ علم تحصیل علم سے فارغ ہو کر بعض کتابیں سمجھ سکتا تھا، لیکن وہ دنیا کے معاملہ کے بارے میں نابلد ہوتا، وہ جغرافیہ و تاریخ، علوم طبعی، کیمیاء اور ریاضی سے کورا ہوتا۔(۱)

نصاب کا اصلاحی عمل

نصابِ تعلیم کی ان بنیادی خامیوں کے پیش نظر ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں نے اصلاح نصاب کی صدا بلند کی، اس حقیقت کے اعتراف میں کوئی حرج نہیں کہ ندوۃ العلماء نے اصلاح

---

(۱) تاریخ ندوۃ العلماء: ۱/۷۴

نصاب کی جو عظیم ذمہ داری اٹھائی اس کو اس عہد میں اس نے پورا کر دیا اور جدید نصاب کے خواب بڑی حد تک شرمندہ تعبیر ہوا، اس سے ایک طرف قدیم نصاب کی تنقیح ہوئی، ضروری فنون کو نصاب سے الگ کیا گیا، وسائل و ذرائع کے بجائے اصل دینی علوم کی طرف خاطر خواہ توجہ دی گئی، زمانہ کے تقاضوں کے مطابق عصری علوم کو داخل نصاب کیا گیا اور عربی زبان کو ایک زندہ و طاقتور زبان کی حیثیت سے رائج کیا گیا، تو دوسری طرف عربی ادب کا پورا نصاب خود تیار کیا اور اپنے تیارہ کردہ نصاب کے ذریعہ ایسے ہونہار و باکمال فضلاء پیدا کئے جنھوں نے اپنے علم و فضل کا خراج پوری دنیا سے وصول کیا، یہ ندوۃ العلماء کی ایسی انفرادیت ہے جس میں شاید ہی کوئی اس کی ہمسری کر سکے۔

اس قدیم اور مروجہ نصاب کی اصلاح کیسے ہوئی؟ اس کی تاریخ بڑی طویل اور کئی زمانوں پر مشتمل ہے، پہلے اجلاس میں اصلاح نصاب کی تجویز منظور ہوئی اور اسی وقت سے اس کوشش کا آغاز ہوا اور مسلسل اس میدان میں کاوشیں ہوتی رہیں، اس دوران ندوۃ العلماء کی تاریخ میں کئی انقلابات آئے، اختلاف و انتشار کی متعدد داستانیں رقم ہوئیں، مزاحمتوں کا بھی سامنا ہوا، لیکن اس کے باوجود گردش لیل و نہار کی طرح اصلاح و ترمیم نصاب کا کام بھی آگے بڑھتا رہا، یہاں تک کہ ندوۃ العلماء نصاب کے بارے میں خود کفیل ہو گیا، اور اب بھی نصاب کے سلسلہ میں خوب سے خوب تر کی سعی جاری ہے۔

نصابِ تعلیم کے بارے میں اربابِ ندوہ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ یہ ایک مسلسل اور ترقی پذیر شی ہے، جس کو زمانہ کی تبدیلیوں اور تقاضوں کے مطابق اپنی روح و مقاصد اور اساسی علوم کی حفاظت کے ساتھ بدلتے اور ترقی کرتے رہنا چاہئے۔

بانی ندوۃ العلماء مولانا محمد علی مونگیریؒ نے مسودہ نصابِ تعلیم میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نصابِ تعلیم کا خاکہ پیش کیا تھا، آپ تحریر فرماتے ہیں:

”اب نہ سلطنت اسلامی ہے، نہ وہ قدر و منزلت ہے، نہ ہمیں

وہ قناعت ہے بلکہ اب تو دن بدن علم عربی سے بے زاری ہوتی جاتی ہے، اس لئے اس وقت کے نصاب میں میرے نزدیک چند باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔

اول: یہ کہ علم کے نفس مسائل کی طرف توجہ زیادہ ہو، کیوں کہ مقصود بالذات علم سے یہی مراد ہے، اور کمال اسی سے پیدا ہوتا ہے، درسِ نظامیہ میں یہ بات نہیں ہے، اس میں زورِ مطالعہ کے لئے الفاظ کتابیہ میں ''قیل وقال'' بہت کی گئی ہے، اب زمانہ اتنی مہلت نہیں دیتا کہ اس ''قیل وقال'' کو حاصل کرنے کے بعد مسائل فن کی طرف توجہ کی جائے۔

دوم: علوم مقصود بالذات کی تعلیم زیادہ ہو اور جو مقصود بالذات نہیں ہے، بطورِ آلہ کے پڑھائے جاتے ہیں، ان میں کمی کی جائے تاکہ زمانہ زائد نہ ہو، سوم: یہ کہ کل طلبہ کے لئے ایک نصاب مقرر نہ ہو بلکہ مختلف نصاب مقرر کئے جائیں، تاکہ ہر ایک اپنی فرصت اور ہمت کے موافق اسے حاصل کر سکے''۔(۱)

اس طرح قدیم نصابِ تعلیم میں جو اصلاح وترمیم کا عمل ہوا، اس کی تین صورتیں نظر آتی ہیں:

اول :- مقصود بالذات علوم کی طرف پوری توجہ دی گئی اور جو علوم بذاتِ خود مقصود نہیں تھے، مثلاً منطق اور فلسفہ وغیرہ اس کو رفتہ رفتہ نکال دیا گیا اور صرف اتنا حصہ رکھا گیا جو قدیم طرز کی لکھی ہوئی کتابوں کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے، اسی کے ساتھ ان کتابوں کو داخل نصاب کیا گیا جو ممکن حد تک ژولیدگی سے پاک اور لفظی بحثوں سے خالی تھیں یا کم سے کم ایسی بحثیں کم تھیں۔

---

(۱) مسودہ نصابِ عربی، ص:۷-۸

دوم :- عربی زبان ہی قرآن وسنت کے فہم کی کلید اور اس کے راز ہائے سربستہ کی امین ہے، اس لئے عربی ادب کو ایک زندہ اور بنیادی زبان کی حیثیت سے اپنایا گیا اور ازسرِ نو اس کا پورا انصاب تیار کیا گیا، نیز اس کی طرف خصوصی توجہ دی گئی۔

سوم :- جدید علوم کو بھی نصاب میں شامل کیا گیا، مثلاً ہندی، حساب، سائنس اور جغرافیہ کی کتابیں ابتدائی درجوں میں داخل کی گئیں اور انگریزی زبان کو عالمیت کی اخیر کلاس تک ایک لازمی مضمون کی حیثیت سے شامل کیا گیا، اس کے علاوہ عالمیت کے سال میں فن جغرافیہ میں جزیرۃ العرب اور معاشیات کے مضامین کو بھی داخل نصاب کیا گیا، بلکہ علامہ شبلیؒ نے اپنے دور معتمدی میں سنسکرت کو بھی لازم کیا تھا، لیکن بعد میں یہ سلسلہ قائم نہ رہ سکا۔

اس جدید نصاب کا تعارف کراتے ہوئے سابق ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں :

> ”یہ نصابِ تعلیم مصری جامعات و مدارس میں رائج الوقت نصابِ تعلیم کے قابل قبول اُصولوں کو قبول کرتے ہوئے تشکیل دیا گیا اور اس میں تعلیم کی ثنویت کو وحدانیت کے اُصول میں بدلنے کی کوشش کی گئی ہے، چنانچہ زندگی کے عصری تقاضوں کے مطابق ضروری علوم و معلومات کو بھی شامل نصاب کیا گیا ہے اور نصاب کو ابتدائی، ثانوی، عالی اور علیا کے تدریجی مراحل میں تقسیم کیا گیا ہے، اس میں دینی علوم کو ان کے پورے حجم میں رکھتے ہوئے ضمنی علوم میں حذف و اضافہ سے کام لے کر نصاب کو مکمل اور اُمت کے تقاضوں کے مطابق بنایا گیا ہے۔“(۱)

---

(۱) ہندوستانی مسلمان، ص: ۱۴۰

جدید نصابِ تعلیم کے اثرات

ندوۃ العلماء نے اصلاحِ نصاب کی جو تحریک چلائی تھی اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ نصابِ تعلیم میں جو جمود پیدا ہو چکا تھا وہ ختم ہوا اور جس طرح قدیم نصاب نا قابل ترمیم سمجھا جا رہا تھا اس فکر میں تبدیلی آئی اور جو لوگ نصاب میں ادنیٰ ترمیم کو بھی شجرِ ممنوعہ سمجھتے تھے وہ بھی اس تحریک کی وجہ سے اصلاحات کے قائل ہوئے اور تبدیلی نصاب کی ضرورت کا اعتراف کیا۔

فکر و نظر کی اس عظیم تبدیلی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے استاذ محترم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ رقمطراز ہیں:

> ''نصابِ تعلیم کے مسئلہ میں اس کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اس نے بالآخر ان لوگوں کو بھی جو نصاب میں ادنیٰ تغیر کے روادار نہ تھے اور درس نظامی کے مروجہ نصاب میں معمولی ترمیم کو بے برکتی اور بے دینی تصور کرتے تھے اس بات کا اعتراف و اقرار کرنے پر مجبور کر دیا کہ حالات و زمانہ کے تحت اس نصاب میں تغیر کی ضرورت ہے''۔(۱)

پھر یہی تحریک عربی مدارس کے لئے نسخۂ کیمیاء اور ان کی ترقی میں سنگ میل ثابت ہوئی، اس کے بعد ہی مدارس عربیہ کے ذمہ داروں نے قدیم رائج نصاب کی طرف توجہ دی اور اس میں مناسب تبدیلیاں کیں، سینکڑوں مدارس و جامعات نے ندوۃ العلماء کے جدید نصاب کو اپنایا، یا اس کے نقشہ پر اپنا نیا نصاب تیار کیا، اس کے علاوہ ندوۃ العلماء کی تیار کردہ متعدد نصابی کتابیں بیرونی ممالک خصوصاً عرب ممالک کی یونیورسٹیوں میں داخل نصاب ہونے کا مستحق قرار پائیں۔(۲)

اور سب سے بڑی اور اہم نتیجہ خیز کامیابی یہ حاصل ہوئی کہ ندوہ کے بانیوں نے جن صفات

---

(۱) ماہنامہ ''رہگذر'' حیدرآباد: جنوری ۱۹۸۸ء (۲) کاروان زندگی: ۱/ ۲۱۲

کے حامل افراد کو تیار کرنے کے لئے اصلاح نصاب کی صدا لگائی تھی، جدید نصاب کی تیاری میں اپنی جدوجہد صرف کی تھی اور اُمت کی قیادت اور جدید اُسلوب میں تبلیغ ودعوت کا جو خواب آنکھوں میں سجایا تھا، وہ شرمندہ تعبیر ہوگیا اور اس میکدہ شبلیؒ وسلیمانیؒ سے وہ افراد تیار ہوئے جنھوں نے اپنے اسلاف کے خواب کو سچ کر دکھایا اور ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ پورے عالم اسلام میں دینی، علمی، فکری اور ادبی سطح پر وہ اثرات چھوڑے جن کے بغیر عالم اسلام کی علمی وتعلیمی اور فکری تاریخ نامکمل رہے گی اور آج بھی ہر جگہ اور ہر میدان میں جو ندوی فضلاء عظیم خدمات انجام دے رہے ہیں، ظاہر ہے کہ اسی نصابِ تعلیم کا نتیجہ اور اثر ہیں۔

ندوۃ العلماء کی تیار کردہ نصابی کتابیں

تحریک ندوۃ العلماء کے زیر اہتمام جس وقت قدیم نصاب کی اصلاح اور جدید نصاب کی تیاری کا عمل شروع ہوا اس وقت پہلے پرانے ذخیرہ سے وہ کتابیں منتخب کی گئیں جو فلسفیانہ اُسلوب سے خالی تھیں اور جن میں تعقید وابہام کے بجائے صاف طور سے فن کی وضاحت کی گئی تھی، اس کے بعد نفسیات اور اُصول تعلیم کے مطابق جو موضوعات تشنہ تھے ان کی تیاری کا پروگرام بنایا گیا، چنانچہ اس اُصول کے تحت جو کتابیں تیار کی گئیں، وہ اس طرح ہیں :

کتاب	فن	مصنف / مرتب
• العقیدۃ السنیہ	عقائد	مولانا اویس نگرامی ندویؒ
• تقویۃ الایمان	//	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
• الفوز الکبیر	اُصول تفسیر	مولانا سید سلمان حسینی ندوی
• الفقہ المیسر	فقہ	مولانا شفیق الرحمٰن ندویؒ
• مبادی علم اُصول فقہ	اُصول فقہ	مولانا محمد اکرام ندوی
• النکت فی اعجاز القرآن	اُصول تفسیر	مولانا عبداللہ عباس ندوی

• مختارات	عربی ادب	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
• منثورات	//	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
• الادب العربی (العصر الاسلامی)	//	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
• تاریخ الادب العربی بین عرض ونقد	//	//
• الادب العربی (العصر الجاہلی)	//	مولانا سید واضح رشید ندوی
• القراءۃ الراشدہ (تین جلدوں میں)	//	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
• قصص النبیین (پانچ جلدوں میں)	//	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
• المحاورۃ العربیہ ودروس الاشیاء	//	مولانا محبوب الرحمٰن ازہری
• دروس الادب	//	علامہ سید سلیمان ندویؒ
• تفہیم المنطق	منطق	مولانا عبداللہ عباس ندوی
• علم التصریف	صرف	ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
• تمرین الصرف	//	مولانا معین اللہ ندویؒ
• تمرین النحو	نحو	مولانا مصطفیٰ ندویؒ
• جزیرۃ العرب	جغرافیہ	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
• معلم الانشاء	عربی انشاء	مولانا عبدالماجد ندویؒ
• رحمتِ عالم	سیرت	//
• ہماری بادشاہی	تاریخ اسلام	مولانا عبدالسلام قدوائی ندویؒ
• مختصر تاریخ ہند	تاریخ	مولانا ابوظفر ندویؒ

اتحادِ ملی اور اُخوتِ اسلامی کی کوشش

انیسویں صدی کے اواخر میں عالم اسلام جن مسائل سے دوچار تھا، ان میں ایک بڑا اور اہم مسئلہ اور داخلی بیماری مسلمانوں کا آپسی انتشار اور تفرقہ تھا، جس نے جسم ملت کو داغدار اور مسلمانوں کی تاریخ کو بدنما بنا دیا تھا، پوری اُمت مقلدین اور غیر مقلدین، اہلِ حدیث اور اہلِ فقہ میں تقسیم ہوگئی تھی، یہ تمام گروہ اور فرقے اس طرح برسر پیکار اور باہم دست وگریباں تھے کہ گویا وہ مختلف مذاہب کے پیروہوں، ملت کی پوری قوت آمین بالجہر، رفع یدین اور قرأت خلف الامام کے اثبات وتردید میں صرف ہو رہی تھی، فقہی جزئیات اور اختلافی مسائل میں ضخیم ضخیم مناظرانہ کتابیں لکھی جاتی تھیں، مناظرہ، طنز وتعریض، سبّ وشتم اور اس سے بڑھ کر تفسیق وتکفیر کا عام رواج ہو چکا تھا، اس عہد میں جس قسم کی کتابیں شائع ہو رہی تھیں، ان میں باہمی منافرت کی روح پوری طرح کارفرما تھی، جس کی ایک جھلک آج بھی ان کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اتحادِ ملی کے سلسلہ میں اربابِ ندوہ کی کوشش

اس وقت ندوۃ العلماء کے دور اندیش بانیوں نے مسلمانو کی اس بنیادی کمزوری کی طرف توجہ دی اور اس مہلک مرض کو جو پوری اُمت کو اندر سے کھوکھلا کرتا جا رہا تھا، ختم کرنے کے لئے کمربستہ ہوکر میدان میں آئے، اس سلسلہ میں پہلا قدم یہ اُٹھایا کہ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کو ایک ساتھ جوڑنے کی کوشش کی اور اس دوری کی وجہ سے جو باہم منافرت اور بدگمانیاں پھیلتی جا رہی تھیں، ان پر کنٹرول کیا، عوامی سطح پر آپسی نزاع کے دوررس نقصانات کو پوری طرح اُجاگر کیا اور بلا تمیز مسلک ومذہب تمام لوگوں کو اتحاد کی دعوت دی، اس کے لئے ندوۃ العلماء کے سالانہ جلسوں

کے موقعہ پر عوامی تقاریر کا اہتمام کیا گیا اور اس موضوع پر علماءِ کرام کے بیانات کروائے گئے، اسی کے ساتھ شوریٰ کے علاوہ مختلف علاقوں میں قائم معین الندوہ کے ذمہ داروں نے بھی اس مہم میں پورا حصہ لیا اور اس مشن کو ملک کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ میں پھیلا دیا، اس کے علاوہ اربابِ ندوہ نے آپسی گفت وشنید کے ذریعہ بھی غلط فہمیوں کے ازالہ کی کوشش شروع کی، لوگوں کو خطوط لکھ لکھ کر اس سے باز رہنے اور صلح صفائی کر لینے کا مشورہ دیا، غرض کہ اس سلسلہ میں جتنی کوشش ہو سکتی تھی سب کر ڈالے اور جتنے حربے ممکن تھے سبھوں کو اپنایا، جس کی تفصیل ندوۃ العلماء کی سالانہ رودادوں، اس کی تاریخ اور اس وقت کی اہم شخصیتوں کے تذکروں میں مذکور ہے۔

یہاں پر صرف مولانا سید محمد علی مونگیریؒ ناظم اول ندوۃ العلماء کا ایک خط نقل کیا جاتا ہے، جو انھوں نے ۱۱/ رمضان ۱۳۱۳ھ کو مولانا احمد رضا خاں بریلوی کو لکھا تھا، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس وقت کے علماء اتحادِ اُمت کے لئے کیسے بے چین تھے؟ اور کس خلوص اور دل سوزی کے ساتھ اس انتشار کو ختم کرنے اور پوری اُمت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش فرما رہے تھے، مولاناؒ تحریر فرماتے ہیں:

''ذرا غور فرمایئے! ہماری سختی اور تشدد نے ہمارے فرقے اہلِ سنت اور بالخصوص احناف کو کتنا سخت صدمہ پہنچایا ہے، ہندوستان میں تقریباً تمام اہل سنت حنفی ہیں، غیر مقلد کا شاید نشان بھی نہ ہو، ابتداء میں ایک دو شخص کی رائے نے غلطی کی، انھوں نے بعض مسائل میں اختلاف کیا، ہمارے بعض حضرات نے بنظر حمایتِ حق انھیں مخاطب بنایا، اگرچہ ان کی نیت خیر تھی اور اس کا ثواب وہ پائیں گے، مگر اتنی مدت کے بعد تجربہ نے یہ معلوم کروا دیا کہ یہ جماعت خلاف مصلحت

ہوئی ـــــ اب اخراج عن المساجد کا فتویٰ مشتہر ہوا، جب سے ہمارے گروہ کو ذلت کا سامنا ہوا، غیر مسلم حاکموں کے روبرو ہم مجرموں کی طرح پکڑے ہوئے جاتے ہیں، ہمارے دین وایمان کی کتابیں ان کے پیروں پر رکھی ہوئی ہوتی ہیں اور ہمارے علماء کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں اور ہمارے مخالفین کو ڈگریاں ملتی ہیں، افسوس! صد افسوس! ہمیں اپنے پاک مذہب کی ذلت پر ذرا بھی نظر نہیں ہوتی۔

مولانا! خدا کے لئے غور کیجئے اور دشمنانِ دین کو ہم پر اور ہمارے پاک مذہب پر ہنسنے کا موقع نہ دیجئے۔"(۱)

ندوۃ العلماء کے ایک اور خیر خواہ مخالفین کے اعتراضات کا جواب دینے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"لیجئے آپ حق پر ہیں، آیئے اور ہماری لغزشوں کی مخدومانہ اصلاح کیجئے، ہم سے جو کچھ لغزش ہوئی اور آئندہ سینکڑوں ہوں گی، ان پر ہرگز اصرار نہیں، مگر روٹھ کر گھر نہ بیٹھئے، ملئے اور برادرانہ گلے، شکوے روبرو کیجئے تاکہ صفائی ہو جائے۔"(۲)

قلمی کاوشیں

تفرقہ وانتشار کے اس سیلِ رواں اور اختلاف کی گرم بازاری کو روکنے کے لئے جہاں خطیبانِ ملت نے اپنی جادو بیانی کا استعمال کیا اور اپنی قوتِ بیان پیش کی، وہیں اصحابِ قلم وقرطاس نے بھی اس کے سدباب کے لئے بہترین رول ادا کیا اور اپنی تحریروں کے ذریعہ تعلیم یافتہ طبقہ

---

(۱) مراسلت سنت وندوہ بحوالہ سیرت مولانا مونگیریؒ، ص:۱۶ (۲) ہدایۃ الالباء، ص:۸ بحوالہ تاریخ ندوۃ العلماء

اورخردمندانِ قوم کواس خطرہ سے آگاہ کیااوراس کے ذریعہ پیدا ہونے والے مضر اثرات سے باخبر کیا، چنانچہ مولانا حفیظ اللہ صاحبؒ نے ''ارشاد الکملاء''حکیم محمد ایوب پھلواروی ؒ نے''القول الفاصل بین الحق و الباطل''حکیم سید عبدالحی حسنیؒ نے''اصلاح''اور''اتمام الحجه'' اور مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے''ھدایة الالبّاء''کے نام سے رسالے تیار کئے۔(۱)

ان حضرات نے اپنے قلم کواصلاحِ قوم کا ذریعہ بناتے ہوئے اور **کلموا الناس علیٰ قدر عقولھم** کے حکیمانہ اُصول پر عمل کرتے ہوئے پوری دردمندی کے ساتھ مسلمانوں کے حساس تاروں کو چھیڑااوران کے ضمیر کو بیدار کرنے کی کوشش کی، آج بھی ان کی ان تحریروں میں سوزِ جگراور دردوکرب کی پرچھائیاں اور جھلک پوری طرح نمایاں نظر آتی ہیں۔

تحریک کے اثرات

ندوۃ العلماء کے بانیین کی دور بینی وعاقبت اندیشی مسلمانوں کے حق میں بڑی مفید ثابت ہوئی، ان حضرات کی کاوشوں اور جدوجہد کے نتیجہ میں یہ داخلی فتنہ بڑی حد تک رک گیااوراس کی وجہ سے جو مصیبتیں آنے والی تھیں اس سے مسلمان کسی حد تک بچ گئے، پھراس کی وجہ سے اتفاق واتحاد اور اُخوت ومحبت کی فضاء عام ہوئی اور باہم اُخوت و ہمدردی، ایثار اور اتحادِ ملی کا وہ جذبہ پروان چڑھا جو اس ملت مرحومہ کا شعار اوراس کی امتیازی خصوصیت ہے۔

رفع نزاعِ باہمی کے سلسلہ میں ندوۃ العلماء کی پہلی کامیابی اور پہلا ثمرہ جو نمایاں صورت میں ظاہر ہوا، وہ مولانا ابراہیم آرویؒ اور شاہ امانت اللہ فصیحی غازی پوریؒ کے مابین اتحاد واتفاق ہے، ان دونوں حضرات کے درمیان مدت دراز سے سخت منازعت چلی آرہی تھی، جو ندوۃ العلماء کی برکت سے رفع ہوگئی، ان دونوں کے درمیان نہایت جوش وخروش کے ساتھ ملاپ ہوااور انھوں نے اعلان کردیا کہ آج ہم دونوں میں اتحاد ہوگیا، ہم دونوں مل کر قوم کی حالت پر روئے اور یہ قرار

---

(۱) تاریخ ندوۃ العلماء:۱/۱۷۴

پایا کہ ہم اپنے معاملات ندوہ کے سپرد کریں گے۔(۱)

منازعات ومخاصمات کا سد باب

اتحاد ملت کی یہ کوشش بڑی کامیاب ہوئی اور جلد ہی اس کے اثرات ظاہر ہونے لگے، صرف پانچ سالوں کے اندر اس کا اتنا اثر ہوا کہ آپسی نزاعات تقریباً ختم ہوگئے، اور تفرقہ بازی کا دروازہ بند ہوگیا۔

ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد علی مونگیریؒ پانچویں اجلاس میں سالانہ رپورٹ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سب جانتے ہیں کہ ایک مدت سے تقلید اور عدم تقلید کے جھگڑے کس زور وشور سے برپا ہیں، جس کی وجہ سے بڑے بڑے ہنگامے ہوئے، عدالت فوج داری تک نوبت پہنچی اور لوگوں کو سزائیں ہوئیں —— یہاں تک کہ لڑتے لڑتے ولایت تک مقدمہ پہنچے، مگر جب سے ندوہ قائم ہوا ہے اور اس نے نزاعوں سے اپنی ناراضگی ظاہر کی، اس وقت سے اب تک کوئی نزاع نہیں پیدا ہوئی اور تمام مسلمان اس جھگڑے سے نہایت امن اور آسائش میں بسر کر رہے ہیں"۔(۲)

اسی طرح سترہویں اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے مولانا حبیب الرحمٰن شروانیؒ فرماتے ہیں:

"ندوۃ العلماء نے رفع نزاع کے لئے مختلف تدبیریں عمل میں لایا، سب سے زیادہ موثر ذریعہ مختلف خیالات کے علماء کا باہم

---

(۱) تاریخ ندوۃ العلماء: ۱/۱۷۴

(۲) روداد سالانہ پانچویں اجلاس بحوالہ تاریخ ندوۃ العلماء: ۱/۲۰۲

کشادہ دلی سے ملنا اور تبادلہ خیال کرنا، دوسرا طریقہ مصالحت کا تھا، اس سلسلہ میں ۱۳۱۳ھ میں جو مصالحت مولانا امان اللہ غازی پوری اور مولانا ابراہیم آروی کے مابین لکھنؤ کے اجلاس سالانہ میں ہوئی، وہ ایک تاریخی واقعہ ہے، اس مصالحت سے بلامبالغہ ہزاروں مسلمانوں کو کشمکش اور بربادی سے نجات ملی حاصل ہوئی، ندوۃ العلماء کی اس تمام جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ ان نزاعوں کی برائیاں ذہن نشیں ہوکر مخاصمت اور منازعت کا سد باب ہوگیا اور شکر ہے کہ مدت سے چہار دانگ عالم میں اس قسم کے تباہ کن نزاع نظر نہیں آتے''۔(۱)

علماء کے مابین ربط واتحاد

اس اصلاحی کوشش کا دوسرا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اُمت کے دینی پیشوا علماء کرام کے درمیان جو بے گانگی اور دوری قائم ہوچکی تھی اور جس کے نتیجہ میں منافرت اور پھر مخاصمت کا جو سلسلہ شروع ہوگیا تھا، وہ ختم ہوا، ان رہنمایان دین وملت میں ربط واتحاد پیدا ہوا، جس کے نتیجہ میں سال سے بچھڑے ہوئے اور ایک دوسرے کی تفسیق وتکفیر کرنے والے پھر ایک ساتھ بیٹھنے لگے اور مسلمانوں کے مستقبل کی فکر کرنے لگے۔

اس کامیابی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا سید محمد علی مونگیریؒ پانچویں اجلاس کی رپورٹ میں یوں رقمطراز ہیں:

''علاوہ ان سب اُمور کے ندوۃ العلماء کی یہ برکت کیا کم ہے کہ اب تک علماء کی جماعت میں ربط واتحاد کا کوئی خاص سلسلہ

---

(۱) روداد اجلاس ندوۃ العلماء ناگپور ۱۹۱۸ء بحوالہ تاریخ ندوہ: ۲۰۰/۱

نہ تھا اور غالباً اسی کی وجہ سے مناظروں میں سختی اور بے مروتی سے نزاعیں پیدا ہو رہی تھیں، اب ندوۃ العلماء کی وجہ سے یہ بات جاتی رہی اور جو علماء سال میں ایک بار جمع ہو جاتے ہیں، ان میں ایک خاص قسم کا ربط و اتحاد پیدا ہو گیا ہے اور جو بدگمانیاں نہ ملنے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھیں، وہ دور ہو گئیں، اس لئے اب ان کی جانب سے ایک دوسرے سے منافرت پیدا ہونے کا اندیشہ نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک ان میں اتحاد باقی رہے گا، مسلمانوں میں نفاق پیدا ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے"۔(۱)

اس کامیابی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں :

"علماء کی باہمی خلیج کو پُر کرنے میں بھی ندوہ نے ابتداء میں بڑا کردار ادا کیا ہے، جس ماحول میں اس تحریک نے جنم لیا اس وقت مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کا ایک ساتھ مل بیٹھنا ایک عجوبہ تھا، لیکن ندوہ کے پہلے ہی اجلاس میں ہم کو مولانا لطف اللہ علی گڑھی، مولانا شاہ محمد حسین الٰہ آبادی اور مولانا شبلی نعمانی جیسے علماء احناف کے ساتھ مولانا محمد حسین بٹالوی اور مولانا محمد حسین آروی اکابر علماء اہل حدیث اور مولانا احمد رضا خان بریلوی اور شاہ سلیمان پھلواروی جیسے اہل خانقاہ کے علاوہ شیعی

---

(۱) تاریخ ندوۃ العلماء: ۲۰۲/۱

مجتہد مولانا غلام الحسنین کنتوری بھی نظر آتے ہیں، اسی پلیٹ فارم سے مولانا ابراہیم آروی اور مولانا امانت اللہ فصیحی غازیپوری کی باہمی نزاع رفع ہوئی جس نے ایک وسیع حلقہ کو باہم دست وگریباں کرر کھا تھا‘‘۔(۱)

دورِ آخر میں اتحادِ اُمت کی کوشش

ان کامیابیوں کے ساتھ اتحاد بین المسلمین کی کوشش ندوۃ العلماء کی جانب سے ہمیشہ ہوتی رہی اور جب اُمت اسلامیہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئی اور تفرقہ وانتشار نے بال وپر نکالے، ابناء ندوہ نے اس کا بروقت نوٹس لیا اور اس کے سدباب کے لئے ہمہ تن سرگرم ہوگئے۔

دورِ آخر میں یہ کوشش اور بھی تیز تر ہوگئی اور اس کا دائرہ کار بھی تنگنائے ہند سے نکل کر عالمی شکل اختیار کرگیا، دراصل ندوۃ العلماء کی تاریخ کا بہترین دور وہ ہے، جب ہندوستان کی مذہبی قیادت اور اس کی باگ ڈور ارباب ندوہ کے ہاتھوں میں آئی، ندوۃ العلماء کے گل سرسبد علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ہندوستانی مسلمانوں کی قیادت وسیادت میں جو شاندار کردار ادا کیا ہے، وہ تاریخ ہند کا روشن باب ہے، پھر خلافت کمیٹی کے پلیٹ فارم سے خلافت عثمانیہ ترکی کے بقاء واستحکام اور ممالک عربیہ کو بندربانٹ سے بچانے کے لئے جو جدوجہد آپ نے کی ہے اور اس سلسلہ میں جو گراں قدر نمایاں خدمات انجام دی ہیں وہ اتحاد بین المسلمین کی بہترین دلیل ہے۔

سید الطائفہؒ کے بعد یہ مذہبی پیشوائی اور دینی قیادت سابق ناظم ندوۃ العلماء اور عالم اسلام کی مایہ ناز ہستی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے حصہ میں آئی، آپ نے ایک طرف ہندوستان کے تمام مکاتبِ فکر کا متفقہ ادارہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کی کرسی صدارت سے مسلمانانِ ہند کے ذہنوں میں اتحاد واتفاق اور رفع نزاع باہمی کا صور پھونکا اور طویل عرصہ تک تمام دبستانِ فکر

(۱) ماہنامہ ’’رہگذر‘‘ حیدرآباد، جنوری ۱۹۸۸ء

وخیال کو ایک ساتھ لے کر چلنے کا دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر کیا تو دوسری طرف پورے عالم اسلام کو خواب گراں سے بیدار کیا، انہیں ملت کے درپیش مسائل سے آگاہ کیا، حکمراں طبقہ کو اتحاد امت کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور انھیں قرن اول کی طرف لوٹنے اور خلافت کی یاد تازہ کرنے کی دعوت دی، اس سلسلہ میں مولاناؒ کے سوزِ دروں کی قلمی تصویر اور دلوں کی دھڑکن '' **اِسمعی یا ایران** '' اور '' **اِسمعی یا مصر** '' وغیرہ میں دیکھی اور پڑھی جا سکتی ہے۔

یہ ہے اس طویل جدو جہد کی ایک جھلک، جس کی صدا ندوۃ العلماء کے بانیوں نے روزِ اول ہی سے لگائی تھی، اس کی صدائے بازگشت آج بھی سنائی دے رہی ہے اور یہ کوشش اب بھی جاری وساری ہے، اس لئے یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ ندوہ کے بانیوں نے جو کوشش شروع کی تھی وہ نقش بر آب ثابت نہ ہوئی بلکہ اس نے پوری دنیا کے مسلمانوں کو متحد کرنے میں تاریخی کردار ادا کیا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کا قیام

اٹھارہویں صدی عیسوی میں جدید علوم کے جلو میں مغرب سے جو الحاد و تشکیک اور تہذیبی ارتداد کا سیلاب آرہا تھا اور جس سے مشرق کے بام و در کرم خوردہ ستونوں کی طرح نہ صرف ہل رہے تھے بلکہ اس کے وجود کو خطرہ لاحق ہو چکا تھا، اس کی مدافعت کے لئے اس وقت کے دور اندیش و صاحب بصیرت علماء نے نصابِ تعلیم کا مداوئ پیش کیا تھا، تاکہ جدید نصاب کے ذریعہ ایسے نبض شناس علماء و فضلاء پیدا کئے جائیں جو دینی علوم میں مہارت اور رسوخ کے ساتھ عصری علوم سے بھی واقف ہوں، تاکہ مخالفین کے اعتراض کا جواب ان کے مذاق کے مطابق دے سکیں، اسلامی نظام میں جو شکوک و شبہات پیدا کئے جا رہے ہیں اس کا پردہ چاک کر سکیں اور نوجوانوں کا وہ طبقہ جو پوری طرح اس الحاد کے زد میں آچکا ہے اس کو برگشتہ ہونے سے بچا سکیں۔

ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں نے نصاب کے اصلاح کی بھرپور کوشش کی اور اس ضرورت کا احساس پیدا کرنے میں ندوۃ العلماء کے کارکنوں نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا، لیکن ان تمام تگ و دو کے بعد اندازہ ہوا کہ جب تک ندوۃ العلماء کے زیر اہتمام کوئی نمونہ کا دارالعلوم قائم نہ ہوگا، اس وقت تک نصابِ تعلیم میں تبدیلی و اصلاح کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا، چنانچہ ندوۃ العلماء کے حقیقت پسند اور صاحبِ بصیرت بانی مولانا محمد علی مونگیریؒ کے ذہن نے اسے سوچا اور یہ خیال ایک واضح خاکہ کی صورت میں ۱۱/ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ کے جلسہ انتظامی میں پیش ہوا، ندوۃ العلماء کے ماتحت اعلیٰ پیمانہ پر ایک دارالعلوم کے قیام کی تجویز ہر رکن کے دل کی آواز تھی، لہٰذا یہ تجویز منظور ہوئی۔ (۱)

---

(۱) تاریخ ندوۃ العلماء: ۱۳۹/۱

دارالعلوم کا خاکہ

ندوۃ العلماء کے تحت ایک دارالعلوم کا قیام ہندوستان اور عالم اسلام کے سینکڑوں مدارس میں درس وتدریس کے ایک نئے مرکز کا اضافہ نہ تھا، بلکہ علمی وفکری محاذ پر باطل سے پنجہ آزمائی اور دین کی مدافعت کا وہ حسین خواب تھا جس کی تعبیر کے لئے یہ حضرات رجالِ کار کی تربیت وتیاری کے لئے کوشاں تھے۔

دارالعلوم کی ضرورت کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے علامہ شبلی نعمانیؒ فرماتے ہیں:

> ''تمام ہندوستان میں ایک بھی ایسا خالص دینی اور مذہبی مدرسہ نہیں جو بلحاظ جامعیت ووسعت وعظمت کے مدرسہ اعظم کہلانے کا مستحق ہو، یعنی جس میں تمام علوم دینیہ یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، اُصولِ فقہ کی تعلیم ایسے کمال درجہ تک دیجاتی ہو کہ تحقیق کا مرتبہ حاصل ہوسکے، جس میں اسلامی علوم کی قدیم اور نادر کتابیں فراہم کی گئی ہوں، جس میں طالب علموں کو تصنیف وتالیف کی تعلیم دی جاتی ہو، جس میں ایسے لوگ تیار کئے جاتے ہوں جو مخالفین کے اعتراضات کا جواب آج کے مذاق کے موافق دے سکیں، جس میں حکومت کی موجودہ زبان بقدرِ ضرورت پڑھائی جاتی ہو، جس کی عمارت وسیع، پرفضا اور عظیم الشان ہو، اس غرض کو پورا کرنے کے لئے ندوۃ العلماء کا دارالعلوم قائم کیا گیا۔''(۱)

بانی ندوۃ العلماء مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے دارالعلوم کا خاکہ ''مسودہ دارالعلوم'' کے نام

---

(۱) مقالات شبلیؒ: ۸۵/۸

سے جو پیش کیا تھا، اس میں مقاصد کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی تھی :

۱- سب سے مقدم یہ ہے کہ قوم میں ایسے علماء کی ایک جماعت موجود ہو، جو مذہبی علوم میں اعلیٰ درجہ کا کمال رکھتی ہو، خصوصاً علم کلام اور علم فقہ میں اس کو ملکۂ تامہ حاصل ہو، تاکہ عبادات اور معاملات کے متعلق احکام اور فتاویٰ اس کے مستند اور واجب العمل سمجھے جائیں۔

۲- بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک جماعت علماء کی دنیا کے حالات وواقعات سے بھی باخبر ہو، اس کو معلوم ہو کہ جس سلطنت میں وہ زندگی بسر کرتی ہے، اس کے اُصول سلطنت کیا ہیں، مسلمانوں کی دنیاوی حالت کیا ہے، ان کو کیا ضرورتیں درپیش ہیں، سلطنت کے انتظامات میں جو تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں ان سے مسلمانوں پر کیا اثر پڑتا ہے۔(۱)

ابتدائی درجات کا قیام

مولانا مونگیریؒ نے دار العلوم کا جو مجوزہ خاکہ پیش کیا تھا، اس کو انھوں نے ممتاز علماء، مشاہیر اور ماہرین تعلیم کو بھیجا، ان سب حضرات نے اس کی پوری تائید کی اور اس کو ایک انقلابی اقدام سے تعبیر کیا، اس کے بعد دار العلوم کے لئے مناسب جگہ کی تلاش شروع ہوئی، دہلی اور لکھنؤ دونوں شہروں کے نام پیش ہوئے، بالآخر یہ نعمت لکھنؤ کی قسمت میں آئی اور منشی احتشام علی رئیسِ کاکوری کے تعاون سے شہر سے باہر ایک وسیع قطعہ اراضی حاصل کیا گیا، لیکن اس زمین پر تعمیر کے لئے کافی وقت درکار تھا اور گذشتہ مجلس انتظامی کے جلسہ میں یہ طے کر دیا گیا کہ دار العلوم کے ابتدائی

---

(۱) مسودہ دار العلوم، بحوالہ تاریخ ندوۃ العلماء: ۱/۱۴۰

درجات کا فی الفور افتتاح کر دیا جائے، اس لئے منشی احتشام علی کاکوروی نے محلّہ گولہ گنج میں واقع خاتون منزل نامی ایک عمارت نوے ہزار میں خرید کر ندوہ کے حوالے کر دی، پھر کیا تھا، ۹/ جمادی الاخری ۱۳۱۶ھ مطابق ۲۶/ ستمبر ۱۸۹۸ء کا دن وہ تاریخی اور یادگار دن تھا، جب دار العلوم کے ابتدائی کلاسوں کا آغاز ہوا، اس کی باضابطہ افتتاحی تقریب ۱۷/ جمادی الاخری ۱۳۱۶ھ مطابق ۴/ اکتوبر ۱۸۹۸ء کو اسی مکان میں ایک عظیم الشان جلسہ کی شکل میں منعقد ہوئی، اس میں ممتاز اہل علم اور شہر کے علم دوست وسر برآوردہ لوگوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔(۱)

اس کے بعد بتدریج یکے بعد دیگرے کلاسیں کھلتی رہیں اور اساتذہ وطلبہ کا یہ قافلہ آگے بڑھتا رہا، یہاں تک کہ منزل مقصود تریب آ گئی اور دار العلوم کے سارے درجے از ابتداء تا تکمیل شروع ہو گئے، پھر وقفہ وقفہ سے حالات کے مطابق نئے نئے شعبے قائم ہوتے رہے اور دار العلوم کا دامن وسیع ہوتا رہا، یہاں تک کہ ندوۃ العلماء جس طرح ابتداء میں ایک تحریک کی شکل میں جلوہ گر ہوا تھا اسی طرح اب دار العلوم ندوۃ العلماء ایک تعلیمی، اصلاحی، فکری اور علمی وادبی تحریک بن کر اپنا جوہر دکھانے لگا۔

ندوی فضلاء کی چند امتیازی خصوصیات

دار العلوم ندوۃ العلماء کے قیام پر ایک صدی سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے، اس طویل مدت میں اس چشمۂ حیواں سے لاکھوں تشنگانِ علوم سیرابی حاصل کر چکے ہیں، شمع ندوہ کے یہ پروانے دنیا کے ہر گوشہ میں پھیلے ہوئے ہیں اور حسبِ ضرورت وطلب تمام محاذوں پر دادِ تحقیق دے رہے ہیں، یہ ندوی فضلاء عالمی اُفق پر اپنا تشخص اور بلند مقام رکھتے ہیں اور ہر میدان میں اور تمام مکاتب فکر کے نزدیک ''معتدل فکر کے حامل'' اور ''دینی علوم کے ساتھ عصری علوم سے آشنا'' کی حیثیت سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔

---

(۱) تاریخ ندوۃ العلماء: ۱/ ۲۱۲

ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں نے جن مقاصد کی تکمیل کے لئے دار العلوم کی بنیاد ڈالی تھی، اس کے اثرات اور وہ صفات شروع سے ہی دار العلوم کے طلبہ میں نمایاں ہونے لگے، دار العلوم کے قیام کے دو سال بعد رجب ۱۳۱۸ھ م نومبر ۱۹۰۰ء میں پٹنہ میں اس کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا، اس میں سید شرف الدین صاحب بیرسٹر بانکی پور نے خواہش ظاہر کی کہ اس اجلاس میں جو طلبہ موجود ہیں ان کا امتحان لیا جائے، اس امتحان کی دلچسپ کیفیت کو قلمبند کرتے ہوئے تاریخ ندوہ کے مصنف رقمطراز ہیں:

> ''صدر انجمن کی اجازت سے واجد علی طالب علم دار العلوم ندوۃ العلماء نے چند آیتیں کلام پاک کی نہایت خوش الحانی اور قرأت کے ساتھ تلاوت کیں، سارا مکان مرحبا مرحبا جزاک اللہ کی آواز سے گونج اٹھا، اس کے بعد شرف الدین بیرسٹر ایٹ لاء نے کسورِ مرکب کے ضرب کا ایک سوال دیا پھر کیا دیر تھی، سلیٹ پر کھٹا کھٹ پنسلیں چلنے لگیں اور بات کی بات میں سبھوں نے جواب لکھ کر رکھ دیا اور لطف یہ کہ سب کا جواب صحیح تھا، اس کو دیکھ کر ہر طرف سے تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہوئیں، پھر مولانا شاہ محمد سلیمان پھلواروی نے اُردو کا یہ جملہ عربی میں ترجمہ کرنے کے واسطے دیا، ''آج ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس ہے، خان بہادر مولوی فضل امام صاحب دیر سے تشریف لائے'' طلبہ نے فوراً اس کا ترجمہ کر دیا، پھر ایک طالب علم محمد خالد نے درخواست کی کہ ان کو کچھ وقت دیا جائے کہ وہ اپنا عربی مضمون سنائیں، صدر انجمن نے اجازت

عطا فرمائی اور انھوں نے اپنا عربی مضمون سنایا، ایک بارہ سال
کے طالب علم نے تقریر کی اجازت طلب کی، سچ یہ ہے کہ اس
بچے نے قوم کو جس طرح للکارا، بڑے بڑے مقرروں سے نہیں
ہوسکتا''۔(۱)

اسی طرح بائیسویں اجلاس منعقدہ امرتسر میں خطبہ صدارت پیش کرتے ہوئے مولانا غلام حسنین صاحبؒ وزیر معارف واُمور داخلہ بھاولپور اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں دلی مسرت کے ساتھ اس بات کا اظہار کرتا ہوں کہ ندوی
سند یافتہ طلباء نے اپنی لیاقت اور اپنے طرزِ عمل سے نہ صرف
ندوہ کے وقار کو چار چاند لگائے ہیں، بلکہ اپنی اعلیٰ ترین لیاقت
سے علماء کے احترام واعتبار کا پایہ بھی بہت بلند کر دیا ہے، ندوہ
کے مایہ ناز فرزند قوم کے دل و دماغ کی نہایت کامیابی کے
ساتھ رہبری کر رہے ہیں، انھوں نے اپنی روشن خیالی
اور رواداری کی وجہ سے کسی فرقہ کے ساتھ جزئی اصلاحات، ملی
مناقشات کی بناء پر کوئی بے جا پرخاش نہیں کی، اس دار العلوم کا
ایک قابل ترین فرزند اعظم گڑھ میں رہ کر ملک وملت کی ایسی
گرانمایہ خدمت کر رہا ہے جس پر ہم جس قدر بھی ناز کریں بجا
ہے، ندوی عالم جہاں جہاں گئے ہیں، انھوں نے ملک کی کثیر
تعداد کو اپنے رنگ میں رنگ دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ ترقی کا
میدان اس نصاب کے ماتحت تعلیم حاصل کرنے والوں کے

(۱) تاریخ ندوۃ العلماء: ۲۵۲/۱

لئے اسی قدر وسیع ہے، جس قدر کہ انگریزی کا بچوں کے لئے
وسیع ہونا تسلیم کیا جاتا ہے"۔(۱)

ندوی فضلاء کا ایک خاص امتیازی وصف جس نے ان کو دیگر فضلاء سے ممتاز کیا ہے، ان کی جامعیت اور زمانہ شناسی ہے، یہ وصف اتنا غالب اور اس کا اثر اتنا گہرا پڑا کہ یہی ان کی شناخت بن گئی اور اس کا فائدہ بھی واضح طور پر اہل علم طبقہ نے محسوس کیا، ندوی فضلاء نے ان میدانوں میں بھی دادِ تحقیق دی جہاں علماء کا گزر مشکل اور محال سمجھا جاتا تھا، جس کی وجہ سے ان کو مزید مقبولیت حاصل ہوئی، اس سلسلہ میں علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا عبدالباری ندویؒ، مولوی ضیاء الحسن علوی ندویؒ، مولانا زین العابدین ندویؒ، مولانا احمد اللہ ندویؒ، پروفیسر مظفر الدین ندویؒ، مولانا معین اللہ ندویؒ، مولانا شاہ معین الدین ندوی، مولانا مسعود عالم ندویؒ اور دور اخیر میں مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا شہاب الدین ندویؒ، ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی، مولانا سید سلمان حسینی ندوی، مولانا عبدالقدوس ہاشمی ندویؒ، مولانا ولی حسن ٹونکی، مولانا مجیب اللہ ندوی، مولانا عبدالسلام ندویؒ، مولانا ریاست علی ندویؒ، ڈاکٹر علی احمد ندوی، اور اس طرح کے سینکڑوں فضلاء کے نام پیش کئے جاسکتے ہیں، جنھوں نے جامعیت کا پورا پورا حق ادا کیا اور ایسی عظیم الشان اور بے مثال علمی خدمات انجام دیں جن کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

اس جامعیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیخ علی طنطاوی رقمطراز ہیں:

"روحانیت و مادیت کے درمیان بہت مناسب اور معتدل
توازن قائم کیا گیا ہے، بعض لوگوں کا رجحان دونوں میں سے
کسی ایک کی طرف زیادہ ہوجاتا ہے، جب کہ صحیح دعوت یہی
ہے کہ مادیت میں گھسے بغیر عقل کو دلیل بنائیں اور تصوف سے

(۱) روداد اجلاس بست و دوم، ص: ۲۵-۲۶

انحراف کے بغیر دل تک پہنچیں اور کتاب وسنت کی رسی کو
مضبوطی سے تھامے رہیں اور ان ہی اوصاف کے حامل ندوی
فضلاء ہیں، جو علم کے اشتغال کے ساتھ رُسوخ فی العلم کے
جوہر سے آراستہ اور اصلاح باطن کی طرف متوجہ رہتے ہیں
اور سیاسی پینتروں سے جس کا مقصد صرف کرسی کا حصول ہے،
کوسوں دور ہوتے ہیں"۔(۱)

ندوی فضلاء کا اہم ترین کارنامہ

ندوی فضلاء نے علمی وفکری سطح پر بڑے بڑے گراں قدر کارنامے انجام دیئے، اسلامی لٹریچر کا بڑا ذخیرہ تیار کیا اور جدید اُسلوب میں اسلام کو پیش کرنے کا مثالی کردار ادا کیا، اس کے علاوہ تقریباً ہر میدان میں اپنی قائدانہ صلاحیتوں کا سکہ جمایا، لیکن ان سبھوں کے ساتھ جوسب سے اہم کام اور ایک فرض کفایہ کی تکمیل ان کے فیاض ہاتھوں سے معرض وجود میں آئی وہ اسلام پر ہونے والے اعتراضوں کا جواب اور مستشرقین وملحدین کی موشگافیوں کا جواب اور علمی محاسبہ ہے، اس محاذ پر ان حضرات کے ذریعہ جو کچھ کام ہوا ہے وہ بعد والوں کے لئے نقش راہ اور نشانِ منزل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسی طرح بیسویں واکیسویں صدی میں جدید تہذیب وثقافت کے لبادے میں مغربیت اور مادیت کا جو عظیم چیلنج رونما ہوا، اور جس نے نظریہ سے بڑھ کر فکر وفلسفہ اور طرز زندگی کی شکل اختیار کرلیا، اس طوفان کو روکنے اور اس کے ذیل میں ہونے والے اعتراضات کا جواب دینے اور اس سے آگے بڑھ کر اس کی جڑ پر تیشہ چلانے کا جو اہم ترین کام برصغیر ہندوپاک میں ہوا ہے، اس میں سب سے بڑا حصہ اور بہترین رول ندوۃ العلماء کے بزم نشینوں کا ہی ہے اور اس میدان میں ان کو ہی اولیت کا شرف حاصل ہوا۔

---

(۱) فی مسیرۃ الحیاۃ (مقدمہ)، ص:۱۴

عربی زبان وادب اور ابناء ندوہ

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ برصغیر ہند و پاک میں عربی زبان وادب کو ایک زندہ اور حیات ونمو سے لبریز زبان کی حیثیت سے رائج اور متعارف کرانے کا سہرا بڑی حد تک ندوہ اور ابنائے ندوہ کے سر ہے، ندوۃ العلماء نے ہی سب سے پہلے اسے ہند و پاک میں وسیع پیمانہ پر پھلنے اور پھولنے کا حوصلہ عطا کیا اور اس کی اصل حیثیت کو بحال کرنے کی پوری کوشش کی، پھر اس کے ارتقاء وتعمیر میں وہ بہترین کردار ادا کیا جس نے اسے فضلاء ندوہ کا طرہ امتیاز اور ندوۃ العلماء کو ادبِ اسلامی کا معمار بنادیا۔

ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں نے شروع سے ہی اس کی طرف خاص توجہ دی تھی، دار العلوم کے قیام کے وقت جو خاکہ بانی ندوہ نے پیش کیا تھا، اس میں جو چیزیں طلبہ کے لئے لازم کی گئی تھیں، ان میں عربی زبان وادب پر قدرت کا حصول بھی تھا، مولانا مونگیریؒ کے الفاظ میں :

> ’’طلبہ مہینہ میں ایک بار عربی زبان میں مباحثہ کریں، یعنی مسئلہ معینہ پر جو تقریریں کی جائیں وہ عربی میں ہو، تاکہ عربی میں گفتگو اور بات چیت کرنے کی مشق پیدا ہو، آج کل علماء کا حال یہ ہے کہ کوئی عرب آجائے تو اس سے دس پانچ منٹ تک محاورہ عربی میں بات چیت نہیں کرسکتے‘‘۔(۱)

اس لئے عربی زبان وادب ندوہ کے نصاب کا روزِ اول سے ہی حصہ بنارہا، ابتداء میں ہی درجہ اوسط کے سالوں میں دیوانِ سیدنا علی ؓ، دیوانِ متنبی، دیوانِ فرزدق، دیوانِ حسان بن ثابت ؓ

---

(۱) مسودہ دار العلوم بحوالہ تاریخ ندوہ: ۱۴۸/۱

اور مقامات حریری وغیرہ پڑھائی جاتی تھی ،(۱) پھر جب علامہ سید سلیمان ندویؒ کے قلم سے ''دروس الادب'' نامی کتاب تیار ہوئی، تو اس کو مقامات حریری سے پہلے پڑھایا جانے لگا، اس کے بعد ڈاکٹر سید عبد العلی حسنیؒ کے دور نظامت میں جب کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ معتمد تعلیم تھے، مصری ریڈر ''القراۃ الرشیدۃ'' اور ''حکایات الاطفال'' کا سلسلہ داخل نصاب کیا گیا، یہ کتابیں بچوں کی نفسیات اور زبان کی تعلیم کے جدید اُصولوں کے مطابق لکھی گئی تھیں، اس لئے چند دیگر عیوب کے ساتھ زبان کی تعلیم میں کامیاب اور بچوں کے لئے دلچسپ اور پسندیدہ تھیں۔ (۲)

اس کے بعد تاریخ ندوہ کا وہ زریں دور شروع ہوا جب مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے دورِ نظامت میں اس عربی نصاب کی تکمیل ہوئی اور ندوۃ العلماء عربی ادب کے نصاب کے معاملہ میں خود کفیل ہو گیا، اس مدت میں شروع سے اخیر تک تمام درجوں کے لئے کتابیں تیار ہو کر داخل نصاب ہوئیں، جو وقت کا کامیاب ترین نصاب کہلانے کا مستحق ہوا اور عرب ممالک کے جامعات میں بھی ان کتابوں کو داخل نصاب کئے جانے کا مستحق سمجھا گیا، پھر اس سے ندوہ کے خوشہ چینوں کی وہ ٹیم تیار ہوئی جس نے دنیا سے اپنی عربی دانی کا لوہا منوایا اور عربی زبان وادب کے سرمایہ میں گرانقدر اضافہ کر کے عربی ادب کی تاریخ میں انمٹ نقوش قائم کئے۔

كلية اللغة العربية

اس عربی نصاب کی تیاری کے ساتھ اربابِ ندوہ نے عربی زبان وادب کے نوک و پلک سے واقفیت اور اس زبان کے ماہرین کی تیاری کے لئے ایک مستقل شعبہ قائم کیا، جس کا افتتاح ''کلیۃ اللغۃ العربیۃ'' کے نام سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ہاتھوں ہوا، اس شعبہ میں عالمیت کے بعد طلبہ کا داخلہ لیا جاتا ہے، اس میں انہیں عربی زبان وادب کے اختصاص کی تعلیم دی جاتی ہے، ادب کے ارتقائی مراحل، اسلامی ادب کی تعمیر اور زبان کی فنی حیثیتوں سے واقف کرایا

---

(۱) مسودہ نصابِ عربی، ص:۲۲ (۲) کاروانِ زندگی:۱/ ۲۰۴-۲۰۱

جاتا ہے، قدیم وجدید اسالیب کو سمجھنے اور مستقل زبان کی حیثیت سے عربی کو پڑھنے اور صاف وشستہ لکھنے کے مواقع فراہم کئے جاتے ہیں، اس دور آخر میں اس شعبہ نے افراد سازی کا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اور اب تک بڑی تعداد میں طلبہ اس کے ذریعہ عربی زبان میں اختصاص پیدا کر چکے ہیں اور ملک وبیرون ممالک کے اہم علمی مناصب پر اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

عربی زبان کے ادباء وناقدین

ندوۃ العلماء نے ہر دور میں ایسے زبان شناس اور ادب نواز افراد پیدا کئے، جنھوں نے نہ صرف عربی زبان کو تقریر وتحریر کا ذریعہ بنایا اور دین کی تبلیغ ودعوت اور اسلامی علوم کی نشر واشاعت میں اس سے بہترین کام لیا، بلکہ خود عربی زبان میں گراں قدر اضافہ کیا، اس کے ادبی معیار کو بلندی تک پہنچایا اور اسلامی علوم کو جدید لٹریچر سے گہربار کیا، اس کے علاوہ ادبی اُفق کے نئے گوشوں کو بھی واضح کیا اور ایک منفرد اُسلوب نگارش سے دنیا کو آشنا کیا۔

عربی زبان کے ایسے ادباء اور ادب شناس ناقدین ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں، دور اول میں اگر علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا مسعود عالم ندویؒ اور مولانا ناظم ندویؒ ادبی اُفق پر روشن ستارے کی طرح نظر آتے تھے، تو دورِ آخر میں کاروانِ ادب کے قافلہ سالار سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ، محمد الحسنیؒ، ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی مدظلہ، ڈاکٹر سعید الاعظمی ندوی مدظلہ، پروفیسر اجتباء ندوی مدظلہ، پروفیسر ضیاء الحسن ندویؒ، مولانا رابع حسنی ندوی زید مجدہ، ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی، مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ اور اس طرح کے دوسرے ادب عربی کے رمز شناس ادباء عالم اسلام کے اُفق پر دمکتے نظر آتے ہیں۔

عربی لٹریچر

ان ندوی فضلاء نے عربی زبان وادب میں لٹریچر کا بڑا سرمایہ جمع کر دیا ہے، انھوں نے اس زبان کو فقہ واُصول اور شروحات وحواشی کے تنگ دائرے سے نکال کر زندگی کے مسائل، بحث ونظر،

علم وفکر، تاریخ وتذکیر، تہذیب وتمدن، سماج وسوسائٹی، سیاسیات واقتصادیات اور عالمی مسائل سے مربوط کیا اور تقریباً ہر موضوع پر بیش قیمت کتابیں تصنیف کر کے علمی سرمایہ اور لسانی ورثہ میں قابل قدر اضافہ کیا، اس لئے ہندوستان کے صاحب طرز ادیب، مشہور عربی مجلّہ ماہنامہ ''البعث الاسلامی'' کے ایڈیٹر اور عالمی شہرت یافتہ ادارہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم ڈاکٹر سعید الاعظمی ندوی دامت برکاتہ نے بجا لکھا ہے کہ :

> ''ہندوستان میں عربی زبان وادب کی جو بھی، جس شکل میں اور جہاں کہیں بھی کوئی متاع پائی جارہی ہے، وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء اور اس کے مخلص مردانِ حق کا فیض اور انھیں کے آفتاب علم وعمل کا پرتو ہے''۔(۱)

عربی صحافت

ندوی فضلاء کی علمی وادبی کاوش اور قلمی پرواز کا ایک بڑا میدان عربی صحافت ہے، ملکی سطح پر سب سے پہلے ندوۃ العلماء نے ہی عربی جرائد ورسائل کو صحافت کی حیثیت سے پیش کیا بلکہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے بقول ''ہندوستان میں عربی صحافت کی طرح ڈالی''(۲) اور اس طرح ندوہ نے عالم اسلام میں اپنا وقار بلند کیا، اس صحافت کے ذریعہ ہندوستانی علماء کا رابطہ عالم عرب سے استوار و مستحکم ہوا، ایک کو دوسرے کے حالات وواقعات سے واقف ہونے کا موقع ملا اور علمی، ادبی اور فکری سطح پر تبادلہ خیالات کا سنہرا راستہ کھلا۔

صحافت کے اُفق پر ندوۃ العلماء کا پہلا عربی ترجمان ''الضیاء'' (۱۹۵۱ء) کی شکل میں منصۂ شہود پر آیا، اس کی ضیاء پاشیوں نے جلد ہی اس کو دنیائے عرب کے علمی وادبی حلقوں میں مقبول ومشہور بنا دیا اور زبان کے بلند پایہ مبصرین وناقدین نے اس کی صحت زبان اور حسن بیان

---

(۱) مجلہ الفصیحہ حیدرآباد، مفکر اسلام نمبر ۲۰۰۱ :ص،۳۰ (۲) ماہنامہ ''رہگذر'' حیدرآباد: جنوری ۱۹۸۸ء

کا اعتراف کیا۔(۱)

اس کے بعد ماہنامہ ''البعث الاسلامی'' (۱۹۵۵ء-۱۳۷۵ھ) الضیاء کا نعم البدل بن کر ہندوستان کے علمی وادبی اُفق پر نئے سیارہ کی حیثیت سے رونما ہوا، پھر چار سال بعد ۱۹۵۹ء میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہ کی ادارت میں ایک عربی پندرہ روزہ ''الرائد'' کے نام سے نکلنا شروع ہوا، جو اپنی خصوصیت کے لحاظ سے ''البعث الاسلامی'' کا شریک اور اسی طرح مقبول ودل پسند ہے، موخر الذکر دونوں رسالے اب بھی پابندی کے ساتھ کثیر تعداد میں شائع ہوتے ہیں اور ظاہری حسن کے ساتھ باطنی لحاظ سے بھی برصغیر ہی نہیں بلکہ عالم عرب کے بہترین رسالوں میں شمار ہوتے ہیں، ان دونوں کی مجلس ادارت میں بالترتیب ڈاکٹر سعید الاعظمی ندوی، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور مولانا محمد عبداللہ حسنی ندوی صاحب مدظلہم شریک ہیں۔(۲)

یہ رسالے عالم عرب میں احترام او۔وقار کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں، اس نے قوم پرستی کے بڑھتے سیلاب کو روکنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے، جس کی وجہ سے عربی قومیت کے علمبرداروں نے بعض ممالک میں اس کا داخلہ تک روک دیا تھا، اب بھی اکثر ممالک میں اس کے مضامین دیگر زبانوں میں ترجمہ کر کے شائع کئے جاتے ہیں، جو ان ہندی نژاد عربی رسالوں کا سب سے بڑا اعجاز ہے۔

پچاسی سالہ تعلیمی جشن کے موقع پر آنے والے مختلف ممالک کے مہمانوں نے ان رسالوں کی مقبولیت کا کھلے دل سے اعتراف کیا تھا، جاپان کے مندوب عراقی فاضل ڈاکٹر سامرائی نے کھلے اجلاس میں اس کا اظہار کیا کہ :

''البعث الاسلامی کا فکر اسلامی اور دعوت اسلامی کی ترجمانی اور خدمت میں خاص کردار امتیاز ہے اور اس کے مضامین

(۱) ہندوستانی مسلمان، ص:۴۹ (۲) تاریخ ندوۃ العلماء:۴۲۶/۲-۴۲۵

انڈونیشیاء، ترکی، فارسی، مالیزی اور مختلف زبانوں میں ترجمہ
کیئے جاتے ہیں"۔(۱)

اسلامی اور تعمیری ادب کے ارتقاء میں فضلاء ندوہ کا حصہ

عربی زبان ادب کے میدان میں ابناء ندوۃ العلماء نے جو قابل قدر کارنامے انجام دیئے ہیں، ان میں سب سے اہم چیز ان کا منفرد اُسلوبِ بیان ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ رقمطراز ہیں:

"عالم اسلام کی ادبی تحریکات اور مختلف مکاتب فکر کا جائزہ لیتے وقت عربی ادب کا ایک بے لاگ اور وسیع النظر مؤرخ ہمارے ان ندوی ادباء کی شگفتہ و پختہ تحریروں اور ایسے اُسلوب کو نظر انداز نہیں کرسکتا، جس میں ادبی حلاوت، دعوتی و ایمانی روح اور قوت کا نہایت خوشگوار اور دل آویز امتزاج ہے اور جنھوں نے اپنا ایک علیحدہ اُسلوب پیدا کرلیا ہے، جس میں کلاسیکی ادب کی پختگی اور ثقافت اور جدید ادب کی برجستگی اور سلاست جمع ہے"۔(۲)

یہ اُسلوب کیا ہے؟ تعمیری اور اسلامی ادب کی تشکیل وارتقاء کا ایک ظاہری قالب، جس کو اہل سخن نے "ادب الدعوۃ" اور "الادب الاسلامی" کے نام سے موسوم کیا ہے، کاروانِ ادب کے قافلہ سالار حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اس تعمیری اور بامقصد ادب کی آبیاری اس وقت شروع کی جب عالم عرب مغرب زدہ ادب سے مسحور تھا، دین و مذہب کو فکر وادب، سیاسیات واقتصادیات اور زندگی کے عملی شعبوں سے جدا کرنے کی ناپاک کوششیں ہورہی تھیں، ایسے وقت میں

(۱) روداد چمن: ۱۹-۱۸ (۲) ہندوستانی مسلمان، ص: ۵۰

آپ ادب کے محافظ و پاسباں بن کر میدان عمل میں اُترے اور ادب کو اپنی تمام عملی سرگرمیوں کا ایک اہم ذریعہ بنایا، دعوت اسلامی کی خدمت، بامقصد انسانی زندگی، ایمانی شخصیت اور پاکیزہ سیرت وکردار کی تعمیر میں آپ نے اپنی ادبی طاقت کو استعمال کرکے انسانی سعادت کا وہ پل تیار کیا، جس سے کاروانِ ادب و زبان محروم تھا، یعنی عبد و معبود کے درمیان ایسا مضبوط تعلق پیدا کیا جس میں طاعت و بندگی اور ربوبیت والوہیت کی کامل تصویر نظر آتی ہے اور اس عظیم مقصد کی تکمیل کی راہ میں آپ نے جوہر ادب کو نکھارنے اور اس سے زندگی کو سنوارنے کا بے مثال فریضہ انجام دیا۔(۱)

اس لئے مشہور شامی نثر اادیب اور انشاء پرداز شیخ علی طنطاوی نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''میرا اعتماد ادب کے اوپر متزلزل ہوگیا تھا، کیوں کہ ادباء کی تحریروں میں مجھے وہ آسمانی نغمہ نظر نہیں آیا، جو اس کی روح ہے، اس لئے آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے ادب پر میرا اعتماد بحال کردیا''۔(۲)

کاروانِ ادب اسلامی کے سرخیل

ندوۃ العلماء سے اسلامی ادب کی تشکیل و ترویج کی جو صداء بلند ہوئی، اس کے سرخیل اور قافلہ ادب اسلامی کے میر کارواں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ تھے، انھوں نے نہ صرف اپنے پرزور اور سحر نگار قلم کے ذریعہ اس ادبی کارواں کو آگے بڑھایا، بلکہ اس کے لئے ابناء ندوہ کی ایک پوری ٹیم تیار کردی، جو آپ کے بتائے ہوئے خطوط پر گامزن ہے اور اس ادب کو زندگی کے مسائل سے ہم آہنگ کرنے اور ادبی طاقت و سحر انگیزی سے لوگوں کے دلوں اور عقلوں کو

---

(۱) الفصیحہ حیدرآباد، مفکر اسلام نمبر، مقالہ: عربی زبان وادب اور مولانا علی میاںؒ از: ڈاکٹر سعید الاعظمی ندوی

(۲) الطریق الی المدینہ، ص:۱۰

دینی دعوت اور اسلامی نشاۃ ثانیہ کے لئے مغلوب کرنے میں لگی ہوئی ہے۔

اسی کے ساتھ مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ نے پوری دنیا کے اسلام پسند ادباء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لئے، ”عالمی رابطہ ادب اسلامی“ کی بنیاد ڈالی، جس نے آفاقیت کو اپنا نصب العین بنا کر اسلامی ادب سے عالم اسلام کو روشناس کرایا اور تمام ادبی حلقوں میں اس کو متعارف کیا، بقول ڈاکٹر عبد الباسط بدر:

> ”آپ نے اپنی ایمانی فراست سے بلا تفریق رنگ و نسل، زبان و ادب، اسلامی ادباء کا پہلا ادبی کنونشن منعقد کیا، جس میں ہندی، عربی، ترکی اور انڈونیشیائی سارے ادباء ایک پلیٹ فارم پر علمی اور ادبی مقصد کی تکمیل کے لئے جمع ہوئے، اسلامی اقوام کی تاریخ میں میرے نزدیک اپنی نوعیت کا یہ منفرد کنونشن تھا، ادبی جمعیتوں کا قیام اگرچہ پوری دنیا کے لئے ایک نئی شئی تھی، لیکن رابطہ ادب کے قیام سے پہلے اسلامی ادباء کے کسی کنونشن کا پتہ نہیں چلتا“۔(۱)

حضرت مولانا کا چلایا ہوا یہ مشن اب بھی رواں دواں ہے، برصغیر ہند و پاک کا آفس ندوۃ العلماء میں ہے، جہاں سے اس کا سہ ماہی ترجمان ”کاروانِ ادب“ کے نام سے رابطہ کے نائب صدر جناب مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء کی ادارت میں شائع ہوتا ہے، جب کہ عالم عرب کا ہیڈ آفس مکۃ المکرمہ میں ہے، جہاں سے ماہنامہ ”مجلۃ الادب“ بڑی آب و تاب کے ساتھ شیخ ابوصالح عبد القدوس صدر عالمی صدر رابطہ ادب اسلامی کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔

---

(۱) مجلۃ النصیحۃ مفکر اسلام نمبر، ص:۲۷ مقالہ نگار: دکتور سعید الاعظمی ندوی دامت برکاتہ

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت مولانا علی میاںؒ نے نہ صرف ادب کو ایک نئی روشنی دی اور اسے زندہ وتابندہ بنایا، بلکہ ادبی اصناف میں قابل قدر اضافہ کیا اور ادبی اُفق کے مخفی گوشوں کو وا کیا، مثلاً دُعاء ومناجات کا ادب، سوانح عمری کا ادب، مقدمہ وپیش لفظ کا ادب، سفرناموں کا ادب، بچوں کا ادب، یہ ایسے ادبی خزانے ہیں، جو اس دور کے ادباء کی نظروں سے مخفی تھے، آپ نے ان اصناف سے پردہ خفاء ہٹایا اور اپنے اس نقطہ نظر کو تطبیقی عمل سے مزین کر کے دنیائے ادب کے سامنے پیش کیا۔(۱)

---

(۱) البعث الاسلامی مفکر اسلام نمبر،ص:۷۸-۷۷، مقالہ نگار: دکتور منجی مصطفیٰ بہجت مالیزی

اسلامی لٹریچر کا ذخیرہ

صالح اسلامی لٹریچر کی کمی

ابناء ندوۃ العلماء کا ایک اہم کارنامہ جدید اسلامی لٹریچر کی تیاری ہے، جب ندوۃ العلماء کا قیام عمل میں آیا تھا اس وقت عالم اسلام میں ایسے اسلامی لٹریچر کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی، جو اسلام کی مؤثر وطاقتور نمائندگی وترجمانی کرکے ایمان ویقین کی بنیاد ذہن ودماغ میں ازسرنو استوار کرے، اس ذہنی بے چینی اور انتشار کو رفع کرے جو مغرب کی مادہ پرست وشک آفریں تہذیب وادب نے عالمگیر پیمانہ پر پیدا کردیا تھا اور اس نئے ارتداد کا مقابلہ کرے جو ایک طوفان وسیلاب کی طرح پورے عالم میں پھیل گیا تھا، نیز جو دنیا کے دوسرے تعلیم یافتہ اور ذہین طبقوں میں اسلام کے صحیح اور وقیع تعارف کا ذریعہ بنے اور ان میں حقیقت کی جستجو، خداطلبی کا ذوق، مادی طرز فکر سے بےزاری اور موجودہ صورت حال سے بے اطمینانی پیدا کردے اور ان کو اسلام سے مانوس وقریب کردے جس سے ان کے پیروؤں کی غلط اور کمزور نمائندگی یا سیاسی کشمکش نے انھیں دور کردیا ہے۔

ایسے مؤثر وصالح اسلامی لٹریچر جس میں نسل جدید کے دماغوں کی تسکین، یا عصر حاضر کے تقاضوں کی تکمیل کی صلاحیت ہو، کے فقدان یا کمی کی وجہ سے ایک طرف مسلمانوں کا تعلیم یافتہ وذہین طبقہ اندرونی طور پر اسلام کی طرف سے غیر مطمئن، اور مشکوک ہورہا تھا اور انھیں اپنی ذہنی پیاس بجھانے اور قلب ودماغ کو مطمئن کرنے کے لئے ایسا دل آویز ودل نشیں لٹریچر نہیں مل رہا تھا جو اپنے محکم استدلال، جدید اُسلوب تحریر، بے لوث ومخلصانہ تبلیغ اور مطالعہ ومعلومات کی وسعت نیز حسن طباعت کے لحاظ سے جدید مطبوعات کا مقابلہ کرسکے۔

دوسری طرف غیر مسلم تعلیم یافتہ طبقہ جو اسلام کی طرف سے بالکل اندھیرے میں تھے اور اسلام کو سمجھنا چاہتے تھے، یا اسلامی نظام حیات کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے، ان کے لئے مسلمانوں کے پاس مشکل سے چند کتابیں تھیں، یہی حال ہندی لٹریچر کا تھا اور اُردو میں بھی ایسی کتابیں بہت کم تھیں، جو اطمینان و اعتماد کے ساتھ ان کے ہاتھ میں دی جاسکیں، یا جو ان کی ضرورت کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہو۔

علمی خلاء کی تکمیل

یہ صورت حال ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں کے سامنے تھی، اس لئے انھوں نے ایسی دانش گاہ کا قیام عمل میں لایا اور مردم سازی وانسانیت گری کا ایسا کارخانہ تیار کیا، جہاں سے ٹکسال کے ڈھلے سکوں کی طرح باکمال افراد اور عبقری شخصیتیں پیدا ہوں، جو وسیع علمی وذہنی خلاء کو پر کرسکیں اور پوری اُمت کی طرف سے وہ فرض کفایہ ادا کرسکیں، جو ایک مدت سے نبض شناس علماء کا منتظر تھا۔

ندوۃ العلماء کے مخلص و بے لوث بانیین کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا، ان کی کوششیں بار آور ہوئیں اور اس میخانہ علم وادب سے ایسے لعل وگہر وجود میں آئے اور ایسے علم نواز وقلم دوست افراد تیار ہوئے، جنھوں نے اس عظیم علمی ودینی خلاء کو پورا کیا، اُمت اسلامیہ کے سامنے جو چیلنجز تھے نہ صرف ان کا پردہ چاک کیا، بلکہ اس کا پورا پورا علمی وفنی تجزیہ کیا اور پھر جوانمردی و بے باکی کے ساتھ اس کا جواب دیا۔

فخر ندوہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں :

> ”دارالعلوم نے شروع سے ہی اس بات کی پوری کوشش کی کہ اسلام کے ایسے داعی وشارح تیار کئے جائیں جو دین حنیف کو جدید دنیا کے سامنے موثر انداز اور جدید اُسلوب میں پیش کرسکیں، ندوہ کو بحمد اللہ اپنے مقاصد میں قابل قدر کامیابی ہوئی

> اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ علماء تیار ہوئے جو جدید دنیائے اسلام کے لئے قابل تقلید ہیں، ان فضلاء نے اسلامی ادب، علم کلام، تاریخ اور سیرت کے موضوع پر نہایت قیمتی علمی سرمایہ فراہم کیا۔(۱)

اسی طرح دورِ حاضر کے مشہور فقیہ اور صاحب قلم حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

> ''واقعہ یہ ہے کہ تصنیف وتالیف اور زبان وادب میں ندوہ کا بڑا حصہ ہے اور اردو زبان میں اسلامی تاریخ اور سیرت وتذکرہ پر جو کچھ کام ہوا ہے قریب قریب اس میں ۷۵ فیصد حصہ فرزندان ندوہ کے قلم کا رہین منت ہے''۔(۲)

ابناء ندوہ کا اصل میدان

ان فضلاء کے سامنے وہ میدان تھا جو مغرب پسند یا مغرب زدہ قلم کاروں کا تختۂ مشق بنا ہوا تھا، یا تو مسلمانوں کا وہ نوجوان اور ذہین طبقہ تھا جو مغربی ادب وصحافت سے متاثر ہوکر مادیت وروحانیت کے درمیان کشمکش کی زندگی گذار رہا تھا، یا وہ افراد تھے جو شک اور ارتیاب کے دلدل میں پھنس کر اسلام سے دور ہوتے جا رہے تھے، یا مغرب کی وہ دسیسہ کاریاں تھیں جن کے ذریعہ وہ اسلامی نظام کو از کار رفتہ ثابت کرنے یا مذہب کو ذاتی مسئلہ قرار دینے یا اسلام پر غیر فطری ہونے کا لیبل لگانے کے لئے ذرائع ابلاغ اور صحافت کی ساری طاقتیں صرف کر رہے تھے۔

اس لئے ان فضلاء نے اسی علمی وفکری محاذ کا انتخاب کیا اور اس کانٹوں بھری راہ کو اپنی جولان گاہ بنایا اور مخاطب کے مذاق اور ذہنی سطح کے مطابق ایسا لٹریچر تیار کرنا شروع کیا جو جدید

---

(۱) ہندوستانی مسلمان ایک تاریخی جائزہ، ص:۱۳۹ (۲) ماہنامہ ''رہگذر'' حیدر آباد: جنوری ۱۹۸۸ء

اُسلوب میں ہو، پرکشش ہو اور ان کے ذہنوں اور دماغوں کو اپیل کر سکے، اس انداز میں کام شروع ہوا اور دن بدن اس کا میدان کار بڑھتا ہی رہا، یہاں تک کہ ان کی کاوشوں کے نتیجہ میں ایک بڑا ذخیرہ اسلامی لٹریچر کا تیار ہو گیا۔

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

یہ سلسلہ اب بھی پوری تیز رفتاری اور دور اندیشی کے ساتھ جاری ہے اور یہ کاروان علم اور ملت اسلامیہ کا ہراول دستہ مسلسل رواں دواں ہے اور نئے نئے اقالیم علم وفن کی تلاش و جستجو میں گامزن ہے، اگر یہاں ٹھہر کر مفتوحہ ممالکِ سخن کا جائزہ لیں اور سابقہ کاوشوں پر ایک نظر ڈالیں تو اندازہ ہوگا کہ تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت، کلام، ادب، جدید فلسفہ، جغرافیہ و سائنس اور تہذیب وثقافت نیز دیگر علوم کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ان صاحبان قلم وقرطاس کا اثر خامہ موجود نہ ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس جدید اسلامی لٹریچر نے عالمی سطح پر ایک مقام بنالیا ہے اور یہ ایسا پرمغز اور صالح لٹریچر ہے جس میں اسلام کی مؤثر اور طاقتور نمائندگی وترجمانی کی گئی ہے، جس سے ایمان ویقین کی بنیادیں دل ودماغ میں استوار و مستحکم ہوتی ہیں اور ذہنی وفکری انتشار اور بے چینی کو رفع کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے، خصوصاً ان کتابوں نے فکری ارتداد اور مغربی یلغار کو روکنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے اور سینکڑوں کو اس دلدل سے نکالا ہے جس میں وہ مدت سے پھنسے ہوئے تھے۔

جدید لٹریچر کی چند خصوصیات

ندوی فضلاء کی بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کا اُسلوب نیا اور علمی وادبی اعتبار سے اس کی سطح بلند ہوتی ہے، پھر مواد اور ترتیب کے اعتبار سے بھی ان کی تحریریں بڑی پرکشش اور جاذب نظر ہوتی ہیں اور عام طور پر یہ طبقاتی کشمکش سے پاک، جماعتی ردوکد سے خالی اور فلسفیانہ موشگافیوں اور منطقی اُلجھنوں سے الگ، بالکل صاف، واضح انداز اور جدید فنی اُصولوں کے مطابق ہوتی ہیں۔

ابنائے ندوہ صرف اُردو کے تنگنائے میں محدود نہ رہے، بلکہ انھوں نے اس کے علاوہ عربی، ہندی اور انگریزی جیسی عالمی زبانوں کو بھی اپنے اظہار خیال کا ذریعہ بنایا اور اس میں اپنے تحقیقی نتائج کو مرتب کیا، پھر ان کی بہت سی کتابیں ترکی، فرنچ، فارسی، انڈونیشیائی، فرانسیسی، بنگلہ، ملیالم، تلگو اور دیگر ملکی وصوبائی زبانوں میں ترجمہ ہوکر اہل شوق کی آنکھوں کا سرمہ بنیں اور اس کے سینکڑوں ایڈیشن نکلے، اس طرح عالمی سطح پر یہ لٹریچر پسند کی نظروں سے دیکھا گیا اور شوق کے ہاتھوں لیا گیا۔

صرف ہندوستان میں دارالمصنفین اعظم گڑھ (۱۹۱۴ء) اور مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ (۱۹۹۵ء) نے جس بڑی تعداد میں اور اس قدر زبانوں اور مختلف موضوعات پر جدید اسلامی لٹریچر تیار کیا ہے اور اہل علم کے نزدیک اس کی جو اہمیت و وقعت ہے، وہی اس کی بہترین مثال اور کافی وشافی دلیل ہے۔

اس جدید اسلامی لٹریچر کے کیا اثرات مرتب ہوئے اور جدید طبقہ کے ذہنوں پر اس نے کیا اثر ڈالا، اس کو قلم بند کرنے کے لئے مستقل سفینہ درکار ہے اور بحث و تحقیق کے لئے یہ ایک علیحدہ موضوع ہے، البتہ اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ جدید طبقہ کے ایمانی رشتہ کو بحال کرنے اور مغربیت و مادیت اور قوم پرستی و وطنیت کے طوفان سے لوگوں کو نکالنے میں اس لٹریچر نے بڑا کردار ادا کیا ہے اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے جو کوششیں ہوئیں یا ہو رہی ہیں اس میں بڑا حصہ ندوی فضلاء کی کتابوں کا بھی ہے اور اس صداقت کا اعتراف اکثر دانشور و اہلِ علم حضرات کر چکے ہیں۔

فقہ اسلامی کی طرف توجہ

ندوۃ العلماء نے جن چیزوں کی طرف شروع سے ہی اپنی توجہ مبذول رکھی تھی، ان میں ایک فقہ اسلامی بھی ہے، اگرچہ ندوۃ العلماء کے مقاصد میں واضح الفاظ میں اس کی صراحت موجود نہیں ہے، لیکن ''کتاب وسنت کے عمیق علم کے حامل علماء کی تربیت وذہن سازی'' کے لفظ میں اس کی پوری جھلک نظر آتی ہے، اسی لئے شیخ اکرم صاحب نے موج کوثر میں ندوۃ العلماء کے چار مقاصد میں سے ایک مقصد محکمہ افتاء کا قیام بھی قرار دیا ہے۔(۱)

لیکن تاریخ ندوۃ العلماء سے اندازہ ہوتا ہے کہ بانی ندوۃ العلماء ودیگر اولیں ارکان کے پیش نظر صرف محکمہ افتاء کا قیام مقصود نہ تھا، بلکہ جدید فقہ اسلامی کی تیاری کا پورا خاکہ موجود تھا، اس لئے مجوزہ دار العلوم میں جن افراد کی تیاری وذہن سازی کا منصوبہ بنایا گیا تھا اس کی بڑی کڑی تھی ''ایسے علماء کو تیار کرنا جو مذہبی علوم میں اعلیٰ درجہ کا کمال رکھتے ہوں، خصوصاً علم کلام اور علم فقہ میں اس کو ملکہ تام حاصل ہو، تاکہ عبادات اور معاملات کے متعلق احکام اور فتاویٰ اس کے مستند اور واجب العمل سمجھے جائیں''۔(۲)

اسی طرح مولانا مونگیریؒ نے دار الافتاء کا جو خاکہ پیش کیا تھا، اس میں نہ صرف اس کی ضرورت کو بیان کیا ہے، بلکہ موجودہ دور میں فقہاء کی کیا ذمہ داریاں ہیں اور کس طرح انھیں حالات زمانہ سے واقف ہونا چاہئے، تاکہ عرف وعادات کے موافق فتویٰ دے سکیں، اس کی پوری تفصیل ذکر کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ کے باب میں بانی ندوہ کا رجحان کیا تھا اور اس سلسلہ میں وہ کن

---

(۱) موجِ کوثر،ص:۱۸۷ (۲) تاریخ ندوۃ العلماء:۱/۱۴۰

چیزوں کی ضرورت محسوس کر رہے تھے، جن کی تکمیل کے لئے ایک وسیع دار العلوم کا قیام مقصود تھا۔

دیگر مقاصد کی طرح اس باب میں بھی ندوۃ العلماء کو بڑی حد تک کامیابی نصیب ہوئی اور اس دار العلوم سے ایسے نابغۂ روزگار فضلاء اور اہل کمال تیار ہوئے جنھوں نے نہ صرف فقہ کے علمی سرمایہ میں قابل قدر اضافہ کیا، بلکہ اس میدان میں بھی اپنی الگ شناخت قائم کی اور اس معاملہ میں جو تعطل اور جمود طاری ہو چکا تھا اس کو ختم کیا، فقہی مسالک اور مختلف دبستان فکر کے مابین جو عصبیت کی بیج جڑ پکڑ رہی تھی اس کو دور کر کے وسعت اور اعتدال پسندی کا مزاج قائم کیا، اس کے علاوہ ایک دوسرے کو برداشت کرنے اور جزئی اختلافات کے باوجود اُصولی مقاصد اور بنیادی اُمور میں اشتراک عمل کا وہ شاندار طریقہ قائم کیا جو مدتوں سے مفقود تھا۔

یہ اور اس طرح کی اور چیزیں ہیں جو اس میدان میں ابناء ندوہ کے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہنچ کر اُمت کا سرمایہ افتخار بن چکے ہیں، اس کا تذکرہ آئندہ کے ابواب میں تفصیل کے ساتھ کیا جائے گا۔

◆ باب سوم ◆

ندوۃ العلماء کا فقہی مزاج و مذاق

ندوۃ العلماء کا فقہی مزاج و مذاق

ابناء ندوۃ العلماء نے جو فقہی خدمات انجام دی ہیں، ان کے تذکرہ سے قبل یہ دیکھنا چاہئے کہ ان علمی و قلمی سرگرمیوں کے پس پردہ کونسی فکر کام کررہی تھی؟ اور اس فکر کا اصل سرچشمہ کیا تھا؟ جس سے فیض یاب ہوکر انھوں نے ایسے کارنامے تاریخ کے صفحات پر رقم کئے، نیز جس کی بنیاد پر ندوۃ العلماء کا ایک مستقل دبستانِ فکر عالم اسلام کے علمی و فکری اُفق پر نمودار ہوا، جو بعد میں ندوی فضلاء کا امتیاز اور شناخت بنا۔

ندوہ — فکر ولی اللہی کا ترجمان

تاریخ ندوہ اور اس کے مخلص بانیین کے افکار و خیالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ندوۃ العلماء فکر ولی اللہی کا شارح و ترجمان ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی فکر ہی ندوۃ العلماء کی بنیاد و اساس ہے۔

ندوۃ العلماء کے گل سر سبد ثانی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ فرماتے ہیں :

> ''یہ دار العلوم ندوۃ العلماء (اور دوسرے صحیح الفکر والاعتقاد مدارس) ہندوستان کی دو عہد ساز شخصیتوں کے مدرسۂ فکر پر قائم ہوا ہے، ایک حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ (م ۱۰۳۴ھ) دوسرے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) یہ دو اس کے اصل بانی، اس کے روح رواں، اس کے رہبر اور معیار ہیں، اس کی علمی

ترقی کا معیار بھی ہیں اور اس کے فکری ارتقاء کا معیار بھی ہیں اور اس فکر کی اشاعت اور جد وجہد کا بھی معیار ہیں"۔(۱)

آگے مزید فرماتے ہیں:

"یہ دار العلوم ندوۃ العلماء اور صحیح الفکر و حامل دعوت مدارس ومراکز باقی رہیں گے اور اگر خدا کو ان کی حفاظت مطلوب اور محبوب ہے، تو حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے راستہ پر رہیں گے، اگر یہ دار العلوم دونوں کے راستہ سے ہٹا ہے تو یہ وہ دار العلوم نہیں ہوگا جس کی بنیاد مولانا سید محمد علی مونگیریؒ، مولانا سید ظہور الاسلام فتح پوریؒ، مولانا حکیم سید عبد الحی رائے بریلویؒ، مولانا خلیل الرحمٰن سہارنپوریؒ، منشی اطہر علی کاکورویؒ اور مولانا شبلی نعمانیؒ نے ڈالی تھی"۔(۲)

فکر ولی اللٰہی پر ایک نظر

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بارہویں صدی ہجری کے مجدد تھے، ان کے تجدیدی کارنامے اور افکار و خیالات مسلمانوں کے لئے مشعل راہ اور خضر طریق کی حیثیت رکھتے ہیں، شاہ صاحبؒ کے علوم و افکار کا سلسلہ فکر و فن کے مختلف گوشوں اور متعدد جہتوں کو شامل ہے، اس لئے یہاں صرف شاہ صاحبؒ کے فقہی خیالات و نظریات کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱-فروعی مسائل میں شاہ صاحبؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایسے مسائل میں ان علماء کی پیروی کرنی چاہئے جو حدیث وفقہ دونوں کے جامع ہوں اور فقہ کی تفریعات کو ہمیشہ کتاب وسنت پر پیش کرتے ہوں، پھر جو اس کے مطابق ہو اس کو قبول کریں اور جو مخالف ہو اس کو چھوڑ دیں۔

---

(۱) خطبات مفکر اسلام: ۵۵/۳ (۲) حوالۂ سابق: ۵۹

وصیت نامہ فارسی میں ہے :

"درفروع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند، میان فقہ وحدیث ودائماً تفریعات فقہیہ کتاب وسنت عرض نمودن، آنچہ موافق باشد، درحیز قبول آوردن، والا کالائے بدبریش خاوند دادن"۔(۱)

فروعی مسائل میں ان علماءِ محدثین کی پیروی کرنی چاہئے جو کہ فقہ وحدیث کے جامع ہوں اور فقہی جزئیات کو کتاب وسنت کی کسوٹی پر جانچتے ہوں، اور پھر جو اس کے موافق ہو اس کو قبول کریں، ورنہ اسے چھوڑ دیں۔

۲- شاہ صاحبؒ کا ایک مشہور نظریہ حدیث وفقہ کے درمیان جمع وتطبیق کا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مذہب میں اگر فقہ حنفی میں کئی اقوال ملتے ہیں تو جو قول حدیث کے مطابق ہو، اس کو اختیار کرنا چاہئے، اس کے بعد ان اقوال کو قبول کرنا چاہئے جسے فقہائے محدثین نے اختیار کیا ہے، چوں کہ بہت سے مسائل میں فقہاء احناف ثلاثہ خاموش ہیں جب کہ اس سلسلہ میں حدیث کی روایتیں موجود ہیں اس لئے اس کا اختیار ضروری ہے اور یہ سب فقہ حنفی میں داخل ہیں، فیوض الحرمین میں تحریر فرماتے ہیں :

" عرّفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إن فی المذھب الحنفی طریقة أنیقة ، ھی أوفق الطرق بالسنة المعروفة التی جمعت ونقحت فی زمان البخاری واصحابه ، وذالک أن یوخذمن أقوال الثلاثة قول أقربھم بھا فی المسئلة ، ثم بعد ذالک

(۱) وصیت نامہ مع رسالہ دانش مندی، ص: ۲-۱، تفہیمات الٰہیہ: ۲/ ۲۴۰

يتبع اختيارات الفقهاء الحنفيين الذين كانوا من علماء الحديث فرب شئ سكت عنه الثلاثة فى الأصول وماتعرضوا لنفيه ودلت الاحاديث عليه فليس بد من إثباته والكل مذهب حنفى" ۔(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا کہ مذہبِ حنفی میں ایک عمدہ طریقہ ہے، جوامام بخاری اوران کے معاصرین کے زمانہ میں پائے جانے والے مشہور ومعروف طریقوں میں سب سے زیادہ سنت کے موافق ہے،اور وہ اس طرح کہ امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ میں سے جن کا قول سنت سے زیادہ قریب ہواس کو قبول کیا جائے ، اس کے بعد فقہاء احناف میں سے محدثین فقہاء کے اقوال کو لیا جائے ، بسا اوقات کسی مسئلہ میں تینوں حضرات سے کوئی اُصولی بات مروی نہیں ہوتی اور نہ ان سے اس کی نفی ثابت ہوتی ہے، جب کہ اس مسئلہ سے متعلق حدیث موجود ہوتی ہے، ایسی صورت میں اس مسئلہ کا ثابت کرنا (حدیث کی روشنی میں) ضروری ہے، اور سب (طریقہ) مذہب حنفی ہے۔

۳- ابتداء میں شاہ صاحبؒ کا خیال یہ تھا کہ مسلک حنفیہ وشافعیہ میں تطبیق دی جائے ، بایں طور کہ دونوں مسالک میں جو متفق علیہ مسائل ہیں ان پر عمل کیا جائے اور جن مسائل میں دونوں کا اختلاف ہے، وہاں ظاہر حدیث کو عمل کا مدار بنایا جائے ، آپ تحریر فرماتے ہیں :

---

(۱) فیوض الحرمین (عربی)، ص:۴۸

" ونحن ناخذمن الفروع ما اتفق عليه العلماء لا سيما هاتان الفرقتان العظيمتان الحنفية والشافعية وخصوصا فی الطهارة والصلاة ، فأن لم يتيسر الاتفاق فناخذ بما يشهد له ظاهر الحديث ومعروفه ونحن لانزدری احداً من العلماء فالكل طالب الحق ، ولانعتقد العصمة فی أحد غير النبی صلی الله عليه وسلم " ۔(۱)

فروعی اور جزئی مسائل میں ہم ان مسائل کو اختیار کریں گے، جن پر علماءِ احناف اور شوافع کا اتفاق ہو، خاص طور سے طہارت اور نماز کے مسائل میں، اگر (کسی مسئلہ میں) متفق علیہ قول نہ ملے تو جو حدیث سے قریب تر ہو اس کو قبول کریں گے، اور ہم کسی کی تحقیر و تذلیل نہیں کریں گے، ہر ایک حق کا متلاشی ہے، البتہ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی معصوم نہیں ہے۔

بعد میں اس تطبیق و تالیف کا دائرہ اور وسیع ہوا، لیکن یہ وسعت ائمہ اربعہ تک محدود رہی، اور آپ نے ائمہ اربعہ کے مسالک سے خروج کو بہتر نہیں سمجھا، آپ فرماتے ہیں:

" وثانيها الوصاة بالتقيد بهذٰه المذاهب الاربعة لاأخرج منها والتوفيق مااستطعت ، وجبلی تابی التقليد وتانف منه رأساً ولكن شئ طلب منی التعبد

(۱) تفہیمات الٰہیہ:۲/۲۰۲

به بخلاف نفسی "۔(۱)

دوسری بات یہ وصیت فرمائی کہ ان ہی چاروں مذاہب کے دائرہ میں رہوں، اس سے خروج نہ کروں، البتہ حسبِ استطاعت جمع وتوفیق کی کوشش کروں، تقلید میری فطرت کے خلاف ہے، اور اسے قطعاً ناپسند کرتی ہے، لیکن نفس کے برخلاف اس کو اختیار کیا ہے، اس لئے کہ اس کے بغیر عمل ممکن نہیں۔

حدیث کو معیار بنا کر اس جمع وتطبیق کا کام شاہ صاحبؒ نے بذات خود انجام دینے کا ارادہ فرمایا اور یہ مبارک سلسلہ شروع فرمایا، جو مؤطا امام مالکؒ کی شرح "المسویٰ" اور "المصفیٰ" کی صورت میں ایک بلند پایہ اور بیش قیمت علمی یادگار ہے۔

۴- شاہ صاحبؒ کے نزدیک اجتہاد کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا، بلکہ یہ ہر زمانہ میں فرض کفایہ رہا ہے، البتہ اس اجتہاد کی صورت مستقل اجتہاد کی نہیں ہوتی یعنی فقہاء کی اصطلاح میں اجتہاد مطلق نہیں بلکہ اجتہاد مقید یا منتسب فرض کفایہ ہے۔

المسویٰ کے مقدمہ میں شاہ صاحبؒ رقمطراز ہیں :

" إن الاجتهاد فی کل عصر فرض کفایة ، ولیس المراد من الاجتهاد هو الاجتهاد الاستقلالی مثل اجتهاد الشافعی الذی لم یکن محتاجا الیٰ أحد فی معرفة تعدیل الرجال وجرحهم ومعرفة اللغة وغیرها ، کذالک لم یکن تابعاً لأحد فی الدرایة الاجتهادیة فی سائر أنواعها (بل کان مجدداً ملهماً

(۱) فیوض الحرمین، ص:۶۴

فی اصطلاح ذالک العصر) بل المقصود هو الاجتهاد المنتسب ، وهو معرفة الأحكام الشرعية من أدلتها التفصيلية والتفريع والترتيب علیٰ طريقة المجتهدين ولو كان بإرشاد المذهب " ۔(۱)

اجتہادِ منتسب یا مقید یعنی احکام شرعیہ کا ان کے تفصیلی دلائل کی روشنی میں جاننا اور ائمہ مجتہدین کے طریقہ پر جزئیات کا بیان کرنا اور اس کی ترتیب خواہ مذہب کی رہنمائی کے ذریعہ ہو، یہ فرض کفایہ ہے، نہ کہ اجتہادِ مستقل، جیسے امام شافعیؒ کا اجتہاد تھا کہ آپ رواۃ کے جرح وتعدیل اور الفاظ ومعانی کے جاننے میں کسی کے محتاج نہیں تھے، اور نہ ہی اجتہادی اُمور میں کسی کے تابع تھے۔

اجتہاد مقید یا منتسب ہر زمانہ میں فرض کفایہ کیوں ہوتا ہے، اس کی وجہ پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

" والذى قلنا من كون الاجتهاد فرضاً فى كل عصر (هو المجمع عليه بين المحققين من اهل العلم) وليس الباعث على ذالک إلا أن المسائل كثيرة الوقوع غير محصورة ، ومعرفة حكم الله فيها واجب ، والمسطور والمدون غير كاف ، والاختلافات فيها كثيرة لايمكن حله بدون

(۱) المسویٰ من احادیث الموطا (مقدمہ)، ص:۲۸

الرجوع إلىٰ الادلة وطرق الرواية للمسائل المنقولة عن المجتهدين ، أكثرها منقطعة لايطمئن القلب بالاعتماد عليها فبدون عرضها على قواعد الاجتهاد والتحقيق لايستقيم الأمر " ۔(۱)

ہم نے ہر زمانہ میں جس اجتہاد کے فرض ہونے کی بات کہی ہے وہ محققین علماء کے درمیان متفق علیہ ہے، جس کا سبب یہ ہے کہ پیش آنے والے مسائل کی تعداد غیر محدود ہے، احکام کا جاننا ضروری ہے ، اور کتابوں میں مکتوب اور مدون مسائل ناکافی ہیں، اور اس کے اندر اختلافات بہت زیادہ ہیں ، جس کا حل دلیلوں اور مجتہدین سے مروی مسائل کی طرف رُجوع کئے بغیر نہیں ہوسکتا، اور مجتہدین سے مروی مسائل عام طور سے منقطع السند ہیں، جن پر دل کو اطمینان نہیں ہے، لہٰذا تحقیق واجتہاد کے اُصول وضوابط کی کسوٹی پر پرکھے بغیر مسئلہ درست نہ ہوگا۔

۵- تقلید کے بارے میں شاہ صاحبؒ عوام کو معذور سمجھتے ہیں، لیکن اس کا صحیح طریقہ یہ بتاتے ہیں کہ کسی امام کی تقلید میں یہ نیت ہونی چاہئے کہ جب بھی کسی مسئلہ میں صحیح حدیث مل جائے فوراً اس مسئلہ کو چھوڑ دیں گے اور حدیث پر عمل کریں گے، دین میں تحریف کے اسباب کو ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

" منها تقليد غير المعصوم ، أعنى غير النبى صلى الله عليه وسلم الذى ثبت عصمته، وحقيقته ان يجتهد واحد من علماء الأمة فى مسئلة ، فيظن

(۱) المسوّیٰ من احادیث المؤطا (مقدمہ)، ص:۲۸

متبعوه أنه على الاصابة قطعاً او غالباً فيرد به حديثاً صحيحاً ، وهذا التقليد غير مااتفق عليه الامة المرحومة ، فانهم اتفقوا علىٰ جواز التقليد للمجتهدين مع العلم بأن المجتهد يخطئ ويصيب و مع الاستشراف لنص النبی صلی اللہ علی وسلم فی المسالة والعزم علی أنه اذا ظهر حديث صحيح خلاف ماقلد فيه ترک التقليد واتبع الحديث "۔(۱)

اسبابِ تحریف میں سے ایک سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر (جن کی عصمت ثابت ہے) دوسروں کی اتباع وتقلید کرنا ہے، اوراس کی حقیقت یہ ہے کہ علماءِ اُمت میں سے کوئی شخص کسی مسئلہ میں اجتہاد کرے اوراس کے مقلدین اس کو قطعی طور پر یا غالباً درست جانتے ہوں اوراس کی وجہ سے صحیح حدیث کو چھوڑ دیتے ہوں، ایسی تقلید پر اُمتِ مرحومہ کا اتفاق نہیں ہے، بلکہ مجتہدین کی تقلید کے جواز پر اتفاق اس صورت میں ہے کہ مجتہد سے خطا وصواب کے امکان علم ہو، اور مسئلہ سے متعلق احادیث نبوی پر نگاہ رہے اوراس بات کا عزم بھی ہو کہ اگر کوئی صحیح حدیث مل گئی تو تقلید کو چھوڑ دے گا اور حدیث کی اتباع کرے گا۔

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ :۱/۳۵۲

اسی طرح علامہ ابن حزمؒ کے قول کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

" وليس محله فيمن لايدين إلابقول النبى صلى الله عليه وسلم ولا يعتقد حلالاً إلا ماأحله الله و رسوله ولا حراماً إلا ماحرم الله و رسوله ، لكن لما لم يكن له علم بما قاله النبى صلى الله عليه وسلم ولا بطريق جمع المختلفات من كلامه ولا بطريق الاستنباط من كلامه، اتبع عالماً راشداً على أنه يصيب فيما يقول ويفتى ظاهراً يتبع سنة رسول الله ، فان خالف مايظنه اقلع من ساعته من غير جدال ولا اصرار ، فهٰذا كيف ينكره أحد مع أن الاستفتاء والافتاء لم يزل بين المسلمين من عهد النبى صلى الله عليه وسلم ، ولا فرق بين أن يستفتى هذا دائماً أويستفتى هٰذا حينا و ذٰلک حينا بعد أن يكون مجتمعاً على ماذكرناه " ۔(۱)

علامہ ابن حزمؒ کے قول کا مصداق وہ شخص نہیں ہے، جو متبع سنت ہو، اور حلال وحرام اسی کو مانتا ہو، جو اللہ اور اس کے رسول سے ثابت ہے، لیکن اس صورت میں جب کہ اس کو نہ تو احادیث نبویہ کا علم ہو اور نہ احادیث کے درمیان جمع و تطبیق کی صلاحیت رکھتا ہو اور نہ ہی اس سے استنباط کرسکتا ہو تو ایسا شخص

---

(۱) حجۃ اللہ البالغہ، ص:۴۴۶، عقد الجید، ص:۴۰

کسی ایسے عالم کی اتباع کرے جس کے بارے میں اس کو معلوم ہو کہ اس کا قول درست ہوگا اور سنت کے موافق ہوگا، لیکن جب اس کا قول وفتاویٰ اس کے گمان کے مخالف ہو تو چاہئے کہ فوراً بلا کسی اصرار وتکرار کے اسے چھوڑ دے اور اس بات کا کوئی انکار نہیں کرسکتا کیوں کہ استفتاء اور فتاویٰ کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے مسلمانوں میں رائج رہا ہے، اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ مستفتی مستقل ایک ہی شخص سے پوچھے یا کبھی کسی سے اور کبھی کسی سے بشرطیکہ وہ مذکورہ بالا اُصول کے موافق ہو۔

ندوۃ العلماء کا فقہی مسلک

ندوۃ العلماء کا فقہی مسلک وہی ہے جو دراصل حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا مسلک ہے، جس کا مختصر جائزہ اوپر پیش کیا گیا، ان ہی اُصول ونظریات پر ندوۃ العلماء کی فکری اساس قائم ہے اور یہی ندوی فضلاء کا سرمایہ صد افتخار ہے، اس فکر کی پرچھائیاں اور عکس جمیل واضح طور پر ابناء ندوۃ العلماء کی تحریروں میں ملتی ہیں۔

مفکر اسلام اور ندوۃ العلماء کے سابق ناظم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، ندوۃ العلماء کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”عقائد واُصول میں وہ جمہور اہل سنت کے مسلک کی پابندی اور سلف کے آراء وتحقیقات کے دائرے میں محدود رہنا ضروری سمجھتا ہے، فروعی مسائل کے بارے میں اس کا مسلک واُصول یہ ہے کہ حتی الامکان اختلافی مسائل کو چھیڑنے اور ہر

ایسے طرز عمل سے احتراز کیا جائے جس سے باہمی منافرت بڑھے اور اُمت کا شیرازہ منتشر ہو، سلف صالحین سے حسن ظن رکھا جائے، اور ان کے لئے عذر تلاش کیا جائے، اسلام کی مصلحت اجتماعی کو ہر مصلحت پر ترجیح دی جائے"۔(۱)

اسی طرح ندوۃ العلماء کے گل سرسبد اور سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ اپنا مسلک بیان کرتے ہوئے جو دراصل ندوۃ کے اجتماعی مسلک کی ترجمانی ہے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"فقہ میں متأخرین کا متبع نہیں، مگر اہل حدیث بالمعنی المتعارف نہیں، ائمہ رحمۃ اللہ علیہ کا دل سے ادب کرتا ہوں، اور کسی رائے میں کلیتاً ان سے عدول حق نہیں سمجھتا"۔(۲)

اسی طرح تراجم اہل حدیث کے مقدمہ میں اپنا مسلک یوں بیان فرماتے ہیں:

"میں سنت کا پیرو اور توحید خالص کا مقتدی ہوں، سنت کو دلیل راہ مانتا ہوں اور علماء کے لئے اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کھلا جانتا ہوں اور حق کو ائمہ سلف میں سے کسی ایک میں منحصر نہیں جانتا"۔(۳)

اجتہاد کے بارے میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ اجتہاد اس زمانہ کی حاجت اور دین کی ضرورت ہے، جو زندگی کے قافلہ کی رہنمائی اور قیادت کرتا ہے، خصوصاً اس زمانہ میں اور بھی اس کی ضرورت ہے، جبکہ تمدن اور صنعت و تجارت نے ایسی غیر معمولی اور حیرت

---

(۱) ندوۃ العلماء ایک دبستان فکر: ص،۱۱ (۲) تذکرہ سلیمان، ص:۸۹

(۳) تراجم علمائے اہل حدیث اول (مقدمہ) ج/۱، ص:۳۴

انگیز ترقی کرلی ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا سکتا ہے، جدید تجارتی معاملات اور معاہدوں میں ایسے فقہی احکامات اور فیصلوں کی ضرورت ہے جو اسلامی فقہ کے اُصولوں اور شریعت کے مقاصد سے ہم آہنگ ہوں‘‘۔(۱)

دور حاضر میں اجتہاد کی ضرورت و اہمیت کو تسلیم کرنے کے باوجود اس طبقہ پر سخت نکیر کی ہے جو اجتہاد کے نام پر شریعت اسلامیہ یا ثابت شدہ حقائق سے کھلواڑ کرنا چاہتے ہیں، سید صاحبؒ اجتہاد کے غلط استعمال پر نکیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

’’حالات کے تغیر نے ہندوستان کے بعض تعلیم یافتہ جاہلوں کے لئے جدت و اجتہاد کی نئی سند پیدا کردی ہے، اب یہ عالم ہے کہ ہر ترجمہ پڑھنے والا قرآن کی تفسیر و تشریح کا بہترین مستحق قرار پارہا ہے اور جس نے غلطی سے تھوڑی بہت عربی پڑھ لی ہے وہ دیگر علوم وفنون میں اپنے قصور و عجز کا اعتراف کرے تو کرے، مگر عقائد اور مسائل شریعت میں اپنے کو امامِ وقت اور مجتہدِ مطلق باور کرنے اور کرانے میں شرماتا نہیں نظر آرہا ہے‘‘۔(۲)

اس طرح ندوۃ العلماء نے فقہ کے علمی بساط سے جمود و تعصب کی کائی کو دور کیا اور اسے وسعت دے کر بدلتے ہوئے حالات کے مطابق بنایا، لیکن اسی کے ساتھ اعتدال کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہ دیا اور نہ ہی اجتہاد کے نام پر اسلام کے مغربی ایڈیشن یا مخمل میں ٹاٹ کے پیوند کو روا سمجھا۔

---

(۱) اجتماعی اجتہاد، ص:۲۰ (۲) معارف: مئی ۱۹۲۸ء

فکرِ ولی اللّٰہی کے نمایاں اثرات

ندوۃ العلماء نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اُصول ونظریات کی روشنی میں جو مسلک اور نصب العین اختیار کیا، وہ برصغیر ہندو پاک کی علمی و مذہبی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے بعد کے ادوار میں اس کے اثرات واضح طور پر محسوس ہوئے اور کم وبیش سبھوں نے اس کے اثر کو قبول کیا، البتہ اس کی گہری چھاپ ان علماء پر پڑی جنھوں نے اس دانش کدہ شبلیؒ وسلیمانیؒ سے باضابطہ خوشہ چینی کی اور اس فکر میں ڈھل کرامت کے لئے کندن ثابت ہوئے اور پھر اسی فکر کے نقیب وترجمان سمجھے گئے۔

اس بنیادی فکر سے اجتماعی طور پر کیا تبدیلیاں واقع ہوئیں اور پھر اس کے اثرات کیا نتائج مرتب ہوئے؟ اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، اس لئے صرف ان گوشوں پر روشنی ڈالی جارہی ہے جو فکر ندوہ کی روشنی میں اُمت مسلمہ کے لئے بہترین سوغات ثابت ہوئے۔

مختلف فیہ مسائل میں اعتدال کی راہ

ندوۃ العلماء نے مسلمانوں کو جو سب سے بڑا تحفہ دیا، وہ اعتدال پسندی کا درس تھا، اگر ندوۃ العلماء کی اس کے علاوہ کوئی اور خدمت نہ ہوتی تب بھی تاریخ میں ندوۃ العلماء کے تعارف کے لئے کافی ہوتا، ندوۃ العلماء کے بانیوں نے اعتدال کی صدا اس وقت لگائی جب کہ پورا عالم اسلام اختلاف وانتشار کا ایک دنگل بنا ہوا تھا اور اُمت کی بہترین صلاحیتیں تقلید، عدم تقلید، آمین بالجہر، آمین بالسر اور ایک مسلک کو دوسرے مسلک پر ترجیح دینے میں صرف ہورہی تھی۔

اس اختلاف وانتشار کے پیچھے جو عنصر کام کررہا تھا وہ تقلید اور اجتہاد دونوں مسائل میں شدت پسندانہ مزاج تھا، اس لئے ارباب ندوۃ العلماء نے تقلید اور اجتہاد دونوں کے اصلی چہرے کو واضح کیا، پھر فروعی مسائل میں اُلجھنے کے بجائے مقاصد شریعت کی طرف توجہ دینے اور مسلمانوں کے بنیادی مسائل کو حل کرنے کے لئے کوشاں ہونے کا علماء کو مشورہ دیا اور دین کے تقاضوں

اور ملت کی ضرورتوں کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی، ندوۃ العلماء کے ارباب نے یہ صدا بار بار لگائی، علامہ سید سلیمان ندویؒ معارف کے شذرات میں تحریر فرماتے ہیں :

''مولانا! ذرا گوشہ عزلت سے باہر قدم نکالئے اور دیکھئے کہ وقت کیسا ہے ''وقت آں است کہ خیمہ بزنی در کہسار'' یہ وقت حنفیت وشافعیت عصبیت کا نہیں، یہ اسلامی عصبیت کا وقت ہے، آپ کو خدا نے جو علم وفضل دیا ہے، اس سے حنفیت وشافعیت کی نہیں بلکہ اصل اسلام کی خدمت انجام دیجئے، کہ دشمن کا حملہ اس وقت آپ کے اندرونی فرقہ وارانہ اختلافات پر نہیں بلکہ عین اسلام اور روایات اسلام پر ہے یہ صفین وجمل کا نہیں بدر وحنین کا وقت ہے''۔(۱)

اسی طرح دوسرے سال بڑی دل سوزی و دردمندی کے ساتھ علمائے اُمت سے یوں مخاطب ہوتے ہیں :

''آج کل ملک میں مختلف مذہبی اور اصلاحی مسائل چھڑے ہوئے ہیں —— لیکن کیا بات ہے کہ مستند علماء کرام اس موقع پر خاموش ہیں اور بدستور حنفیت، وہابیت، مقلدیت، غیر مقلدیت، آمین بالجہر، آمین بالسر، قرأت فاتحہ، انصات خلف الامام وغیرہ پر معروف پیکار ہیں، رہنمایانِ ملت! اس وقت راجح ومرجوح اور فاضل ومفضول مسئلوں کو للہ تہہ فرمائیے، اور ان مسائل کا فیصلہ کیجئے جن پر آج اُمتِ مرحومہ کی ترقی کا

---

(۱) معارف (شذرات) جون: ۱۹۲۷ء

دارومدار ہے، اس کو آگے بڑھنے میں مدد دیجئے اور موجودہ
مشکلات کے حل کی تدبیر بتایئے اور نئے راستوں پر چلنے میں
جو غلطیاں ہو رہی ہیں، ان سے اس کو بچایئے اور اس طرح قوم
پر اپنے وجود کی ضرورت ثابت کیجئے"۔(۱)

ان کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقلید اور اجتہاد کے بارے میں جو انتہاء پسندی اور شدت کی فضاء رائج تھی، اس میں کمی آئی اور دونوں طبقوں کے اکابر علماء ایک دوسرے کے قریب ہوئے اور ملت کی فکر کو لے کر ایک ساتھ بیٹھنے لگے، اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس فکر کے زیر سایہ جو افراد تیار ہوئے وہ اس فکری اعتدال پسندی کے کامل نمونہ بنے اور ہر جگہ اپنے گفتار و کردار اور زبان و قلم کے ذریعہ اعتدال کے علم کو بلند رکھا۔

اعتدال پسندی کا مطلب

ندوۃ العلماء نے اعتدال اور وسعت قلبی کا جو نعرہ بلند کیا تھا اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ تمام مسالک کو جمع کر کے ایک نیا مذہب بنایا جائے یا فقہی مذاہب کا معجون مرکب تیار کیا جائے، بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے درمیان مسالک کے نام پر جو تفرقہ بازی ہو رہی ہے، اس کو ختم کیا جائے، مسلک کے بارے میں یہ غلط فہمی شروع کے دور میں کچھ لوگوں کو ہوتی تھی، اس وقت بانی ندوۃ العلماء نے اس امر کی وضاحت کے لئے اجلاس سوم کی سالانہ رپورٹ میں لکھا تھا کہ:

"دو سال کے تجربہ سے اندازہ ہوا کہ بعض لوگوں کو ان مقاصد
کے بارے میں مختلف قسم کی غلط فہمیاں ہوئیں، ندوہ کا ہرگز یہ
مقصد نہیں کہ مسلمانوں کو آزادی کی تعلیم دی جائے یا شیعہ، سنی،
مقلد اور غیر مقلد میں مذہب و مسلک کا اتحاد پیدا ہو جائے

(۱) معارف جولائی: ۱۹۲۸ء

اور عقائد و اعمال پر ایسا اثر پڑے کہ سنی، شیعہ اور مقلد ہو جائیں، یا ہر مذہب کو حق اور ہر مذہب کو باطل سمجھیں، یا ایک نیا مذہب معجونِ مرکب پیدا ہو اور علماء امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے باز رہیں، حاشا و کلّا یہ مقصد کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اس کے بانی اس کے تمام اراکین اہل سنت ہیں"۔(۱)

اسی رپورٹ میں مزید آگے تحریر کرتے ہیں :

"اس سے مراد یہ نہیں کہ تمام فرقے مذہباً متحد ہو جائیں، یہ نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے، مقصد صرف یہ ہے کہ اہل اسلام سے وہ فضیحت کن نزاع دور ہو جائیں، جو غیروں کی نگاہ میں اسلام اور مسلمانوں کو بے وقعت کرتی ہیں اور جو ان کی علمی اور اخلاقی ترقی میں حائل ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ اپنے مقصد اعلیٰ کو پورا کرنے کی غرض سے عام اہل اسلام کو دعوت دی جائے، اگرچہ ان میں اختلاف ہو"۔(۲)

اسی طرح نویں اجلاس کی سالانہ رپورٹ پیش کرتے ہوئے مددگار ناظم ندوۃ العلماء حکیم سید عبدالحی حسنی صاحبؒ اس غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"موجودہ زمانہ میں ہماری حالت اس بات کو مقتضی نہیں کہ باہمی آویزش اسی طور پر رکھی جائے جیسی کہ تھی، اس وقت سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ ہم اختلاف و اتحاد کے حدود قائم کریں اور مناظرے کو تحقیقات علمی و مذہبی پر محدود کر کے

---

(۱) روداد اجلاس سوم، ص:۲۴ (۲) حوالہ سابق

ان چیزوں کے استحکام کی کوشش کریں جو سب کے لئے یکساں اور مشترک طور پر مفید ہے"۔(۱)

اسی کے ساتھ انھوں نے یہ بھی اعلان کر دیا کہ جو شخص ضروریات دین کا منکر ہو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے اور ہمارے اعتقادات وہی ہیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تھے۔(۲)

دیگر مکاتبِ فکر سے علمی استفادہ

ندوۃ العلماء کی توسع پسندی کی روشنی میں جب عصبیت کا حجاب دور ہوا، تو دیگر مسالک کی کتابوں اور ان کے اکابرین علماء سے استفادہ کی راہ بھی ہموار ہوئی اور جو چیزیں اب تک شجر ممنوع بنی ہوئی تھی، وہ قابل اعتنا اور لائق توجہ ہوئیں، دیگر مکاتب فکر کی بنیادی کتابوں کی طرف علماء اور اصحاب تحقیق وافتاء متوجہ ہوئے اور ان سے علمی استفادہ شروع ہوا، اس سے بڑے فوائد حاصل ہوئے، خصوصاً اس دور میں حنفی فقہ کے جو مسائل نا قابل عمل ہو چکے تھے، ان میں دیگر مسالک سے کافی مدد ملی اور علماء احناف نے متعدد مسائل میں ازراہِ ضرورت دیگر ائمہ کے اقوال کو اختیار کیا۔

ابناء ندوۃ العلماء میں دیگر مسالک کے علمی سرمایہ سے استفادہ کا مزاج شروع ہی سے رہا ہے، اس سے ان کی فکر ونظر میں کافی جلاء پیدا ہوئی اور ان کے مزاج میں جو اعتدال اور وسعت قلبی پیدا ہوئی، اس میں اس استفادہ کا بڑا دخل ہے، مولانا علی میاں ندویؒ نے شیخ خلیل عربؒ اور علامہ تقی الدین ہلالیؒ کے سامنے باضابطہ زانوئے تلمذ تہ کیا، علامہ تقی الدین ہلالیؒ تقریباً تین سالوں تک دارالعلوم میں عربی کے استاذ رہے اور انھوں نے یہاں کے تعلیمی حالات ورجحانات پر گہرا اثر ڈالا، جب کہ یہ دونوں حضرات مسلکاً حنبلی تھے، ان کے علاوہ مولانا ابوالعرفان خان ندویؒ، مولانا عبدالسلام ندویؒ اور دیگر متعدد حضرات جو جماعت اہل حدیث سے تعلق رکھتے تھے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کی پرعظمت مسند درس کی نہ صرف زینت بنے، بلکہ دارالعلوم کی تعمیر وترقی میں بہترین کردار

---

(۱) سالانہ رپورٹ اجلاس نہم بحوالہ تاریخ ندوہ: ۲۸۹/۱ (۲) حوالہ سابق

بھی ادا کیا، آج بھی شافعی مسلک کے تین بڑے اساتذہ دارالعلوم میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں اور مولانا ابوسحبان روح القدس ندوی اور مولانا یعقوب ندوی کا شمار دارالعلوم کے بڑے اور سینیر اساتذہ میں ہوتا ہے، جب کہ یہ دونوں حضرات جماعت اہل حدیث سے تعلق رکھتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ندوۃ العلماء نے علم کے باب میں ہمیشہ کشادہ قلبی کا ثبوت دیا ہے اور جہاں کہیں بھی کوئی جوہر قابل نظر آیا ارباب ندوہ نے ''الکلمة الحکمة ضالة المؤمن'' کے تحت اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور ان کے علم سے فائدہ اُٹھایا اور اس طرح ان کے علم وفضل کا اعتراف اور حقیقت شناسی وعلم دوستی کا ثبوت دیا۔

دیگر مسالک کے علماء کا احترام

فکر ولی اللہی کی روشنی میں ابناء ندوہ نے جو بہترین روایتیں قائم کی ہیں، ان میں ایک دیگر مسالک کے علماء کا احترام اور ان کے فضل کا اعتراف بھی ہے، اس دور اخیر میں یہ سنت حسنہ بھی ان ہی کی قائم کردہ ہے، ورنہ اس سے قبل جو دیگر علماء کے تراجم ملتے ہیں اور کہیں ان کا تذکرہ آتا ہے، تو اس میں مسلکی تشدد، معاصرانہ چپقلش اور آپسی چشمک کی خوبو پوری طرح نظر آتی ہے۔

ندوی فضلاء نے نہ صرف ان اکابر علم وفن سے استفادہ کیا، بلکہ اپنے حلقوں میں ان کا تعارف بھی کرایا اور ان کے مسلک وفکر کی ترجمانی بھی کی، لیکن کہیں بھی عصبیت یا تشدد یا تنگ دلی کے سیاہ دھبہ سے اپنے نوک قلم کو داغدار نہیں کیا، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے حضرت امام مالک کی سوانح حیات مرتب کی، لیکن عقیدت میں ڈوب کر اور محبت کے قلم سے ایسی قلمی تصویر بنائی کہ لوگوں کو یہ غلط فہمی ہونے لگی کہ سید صاحب مالکی ہوگئے ہیں۔(۱)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی مشہور کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' میں ائمہ اربعہؒ، علامہ ابن تیمیہؒ، علامہ ابن قیمؒ، عز الدین عبدالسلامؒ، علامہ ابن جوزیؒ اور دیگر

---

(۱) سید سلیمان ندویؒ کی تصانیف، ص:۴۲

صاحبِ عزیمت علماء کا تفصیلی تعارف کرایا ہے اور ان کے علمی کارناموں اور دینی خدمات کو بیان کیا ہے، لیکن کہیں بھی پڑھنے والوں کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ مصنف کا قلم ذرا بھی آگے بڑھا ہے، یا حدِ اعتدال سے متجاوز ہوا ہے، یہاں تک کہ آپ نے کئی بار جماعت اہل حدیث کے اسٹیج سے لوگوں کو خطاب بھی کیا، لیکن وہاں بھی آپ نے تحریک اہل حدیث کے بنیادی عناصر کو ہی موضوع سخن بنایا اور تحریک کے اصلی مزاج اور خدوخال سے لوگوں کو آگاہ کیا۔(۱)

اسی احترام اور اعتراف علم کا نتیجہ تھا کہ جب ابویحیٰ امام خان نوشہرویؒ نے اپنی کتاب تراجم علماء حدیث مرتب کی، تو اس کو سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے سامنے پیش کیا، سید صاحبؒ نے اس پر ایک بیش قیمت مقدمہ تحریر فرمایا، جس میں ان کی خدمات کا کھلے دل سے اعتراف کیا اور اسی کے ساتھ فکری کجی کی طرف ان کو متوجہ بھی کیا۔

سید صاحب اپنے مقدمہ میں ایک جگہ رقمطراز ہیں :

> ''اہل حدیث کے نام سے ملک میں اس وقت جو بھی تحرک چل رہی ہے، حقیقت کی رو سے وہ قدم نہیں نقش قدم ہے، مولانا اسمٰعیل شہیدؒ جس تحریک کو لے کر اٹھے تھے، وہ فقہ کے چند مسائل نہ تھے، بلکہ امارت کبریٰ، توحید خالص اور اتباع نبی کی بنیادی تعلیمات تھیں، مگر افسوس کہ سیلاب نکل گیا اور باقی جو رہ گیا وہ گذرے ہوئے پانی کی فقط لکیریں ہیں، بہرحال اس تحریک کے جو اثرات پیدا ہوئے اور اس زمانہ سے آج تک دور ادبار کی ساکن سطح میں اس سے جو جنبش ہوئی وہ بھی ہمارے لئے بجائے خود مفید اور لائق شکر ہے، بہت سی بدعنوانیوں کا

---

(۲) ماہنامہ البلاغ بمبئی، ص:۴۱/ اپریل ۲۰۰۰ء مضمون: مولانا علی میاں ندویؒ اور تحریک اہل حدیث

استیصال ہوا، توحید کی حقیقت نکھاری گئی، قرآن پاک کی تعلیم وتفہیم کا آغاز ہوا، قرآن پاک سے براہ راست ہمارا رشتہ دوبارہ جوڑا گیا، حدیث نبوی کی تعلیم و تدریس اور تالیف واشاعت کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور دعوی کیا جاسکتا ہے کہ ساری دنیائے اسلام میں ہندوستان ہی کو صرف اس تحریک کی بدولت یہ دولت نصیب ہوئی، نیز فقہ کے بہت سے مسئلوں کی چھان بین ہوئی (یہ اور بات ہے کہ کچھ لوگوں سے غلطیاں ہوئی ہوں) لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دلوں سے اتباع نبوی کا جو جذبہ گم ہوگیا تھا وہ سالہا سال تک کے لئے دوبارہ پیدا ہوگیا''۔(۱)

مذکورہ بالا اقتباس صرف بطور مثال ہے، ورنہ اس حقیقت کی تائید میں سینکڑوں عبارتیں پیش کی جاسکتی ہیں اور اس سے بڑی بات اور کیا ہوگی کہ آج جو مختلف مکاتب فکر کے علماء کے مابین ربط وتعلق قائم ہے، وہ ندوۃ العلماء کی فکری اعتدال کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوا ہے۔

ابناء ندوۃ العلماء کا مزاج

دار العلوم ندوۃ العلماء دانش کدہ علم کے ساتھ ایک دبستان فکر بھی ہے، یہاں تعلیم وتربیت کے ساتھ فکری بالیدگی بھی عطا کی جاتی ہے، جدید افکار وخیالات سے آگاہ ہونے کے مواقع فراہم کئے جاتے ہیں، جدید اُسلوب میں لکھنے اور اسلام پر ہونے والی فکری یلغاروں کا جواب دینے کے گر سکھائے جاتے ہیں، مطالعہ میں وسعت اور علم میں گہرائی پیدا کی جاتی ہے اور قلب ونگاہ اور ذہن ودماغ کو ایک خاص سانچہ میں ڈھلنے کا مناسب ماحول فراہم کیا جاتا ہے، اس کے نتیجہ میں

---

(۱) تراجم علمائے اہل حدیث (مقدمہ)، ص: ۳۵/۱

ایک فکر پروان چڑھتی ہے، ایک مزاج بنتا ہے اور خاص ذہنیت تشکیل پاتی ہے، جسے بعض اصحاب قلم وقرطاس نے ''ندوی الفکر'' اور ''ندوی القلم'' سے تعبیر کیا ہے۔

اس میخانہ علم میں اذن عام ہے، اس کا دروازہ ہر تشنگان کے لئے کھلا رہتا ہے اور جام وسبو ہمیشہ گردش میں رہتا ہے، لیکن بادہ کش اپنے اپنے ظرف کے مطابق جیب و دامن بھرتے ہیں اور گوہر مراد پاتے ہیں، اس لئے اس کوچہ میں خمار کی کمی وزیادتی پر تو کلام ہوسکتا ہے، لیکن محرومی کا کوئی سوال نہیں کہ ؂

میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہوتا

ندوۃ العلماء کی فکر سے جو مزاج تشکیل پاتا ہے، اس کی خاکہ نگاری کے لئے نہ خامہ کہن میسر ہے نہ زبان ہوشمند؛ اس لئے صرف ان ہی کرنوں کی چمک کو صفحہ قرطاس میں پیش کیا جاتا ہے جو نظریات سے مشاہدات کا رتبہ حاصل کرچکے ہیں۔

۱- تصنیف وتالیف اور بحث وتحقیق کی روایت زمانہ قدیم سے چلی آرہی ہے اور ہر زمانہ میں ایسے اصحاب علم موجود رہتے ہیں، جو اپنی جولانی طبع اور قلم کی سحر نگاری وگہر باری سے اس کوچہ کو آباد رکھتے ہیں، خصوصاً دینیات کے موضوع پر جو عظیم سرمایہ ہمارے اسلاف نے جمع کردیا ہے وہ بھی صدیوں کی محنت کا نتیجہ وثمرہ ہے، جس میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

اس دور میں جو علمی میراث جمع ہوئی ہے اس میں قابل قدر حصہ ابناء ندوۃ العلماء کا بھی ہے، انھوں نے تقریباً تمام ہی اصناف سخن میں بڑا اثاثہ تیار کیا ہے، اس لٹریچر میں اُسلوب کی جدت کے ساتھ جو نمایاں خوبی ہے وہ اصل ماخذ سے استفادہ اور وسعت مطالعہ ہے، یہ دونوں ایسے گوہر ہیں جس سے نہ صرف تحقیق میں جان پیدا ہوجاتی ہے، بلکہ اس کی افادیت میں چار چار چاند لگ جاتے ہیں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی کتابوں کے مقدمے میں بارہا اس کا تذکرہ کیا ہے کہ ''ہم نے اس کتاب کی تالیف کے لئے ازسرنو پورے ماخذ کا مطالعہ کیا''، اسی طرح

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب تاریخ ارض القرآن کی تالیف کے لئے انگلش کے علاوہ فرنچ اور عبرانی بھی سیکھی تھی اور جن حضرات کی نظر ندوی فضلاء کی تیار کردہ تاریخی سیٹ پر ہے وہ جانتے ہوں گے کہ تحقیق کے باب میں ان فضلاء کا کیا مسلک ہے اور کس طرح ان لوگوں نے اصل ماخذ سے استفادہ کرنے کی روایت قائم کی ہے، ان حضرات کی تحقیق کا دائرہ صرف تاریخ کی کتابوں تک محدود نہیں ہے بلکہ سیرت، کلام اور فقہ کے میدان میں بھی یہی طریقہ رائج رہا ہے، اس طریقہ کار کا فائدہ یہ ہوا کہ ضمنی ماخذ یا متاخرین کی کتابوں پر تکیہ کرنے اور انھیں اصل مراجع قرار دینے سے جو نقصانات ہوتے ہیں اس سے صاف بچ بھی گئے اور اس طرح دیگر ائمہ کرام کے نقطہ ہائے نظر بھی سامنے آ گئے۔

فقہ کے موضوعات پر ندوی فضلاء نے جو لٹریچر تیار کیا ہے، اس میں جو کتابیں تحقیقی انداز کی ہیں، ان میں یہ صفت پوری طرح نمایاں ہے، اسی طرح جدید مسائل کے متعلق جو تحقیقی مقالے ان حضرات کے قلم سے شائع ہو رہے ہیں وہ بھی اسی حقیقت کے آئینہ دار ہیں۔

۲۔ ابناء ندوۃ العلماء کے تیار کردہ لٹریچر سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے جزئیات اور فروعی مسائل کے بجائے اصل دین اور اُصول شریعت کی طرف اپنی توجہ زیادہ مرکوز رکھی ہے اور ان مباحث کو ہی اپنی بحث و تحقیق کا موضوع بنایا ہے، خصوصاً ائمہ فقہ کے مابین جو اختلافات ہیں یا جزوی مسائل میں جو مختلف رائیں پائی جاتی ہیں، جس کو بعض لوگوں نے ایمان و کفر کا مسئلہ بنالیا ہے، اس میں ندوی فضلاء کا قلم بالکل ہی نہیں یا صرف برائے نام چلا ہے، اس کے بجائے اُصول شریعت کے جن گوشوں کو مستشرقین یا دشمنانِ اسلام تختہ مشق بنائے ہوئے تھے ان پر زیادہ کام کیا ہے، اس سے ایک طرف مخالفین کی زبان بند ہوئی تو دوسری طرف جدید طبقہ کے ذہن میں جو شکوک و شبہات پیدا ہو رہے تھے وہ بھی رفع ہوئے اور دین کی حقانیت و آفاقیت پر از سر نو ان کا رشتہ بحال و مستحکم ہوا۔

۳- ابناء ندوۃ العلماء کا ایک اہم امتیازی وصف جو فکر و نظر کے ساتھ زبان و قلم کی جولانیوں میں بھی رچا بسا ہے، وہ ہے فروعیات سے اجتناب اور جزئی مسائل میں بحث و تکرار سے گریز، ان فضلاء نے اس سلسلہ میں اپنی مستقل شناخت بنالی ہے، جواب بھی قائم ہے اور اس کا پرتو اور عکس جمیل ہر جگہ نمایاں نظر آتا ہے، اس سے ان کی طبیعت میں توازن آتا ہے اور مرنجان مرنج ہونے کی صفت پیدا ہوتی ہے، جس کی وجہ سے ان میں ہر طرح کے ماحول میں رہنے اور ہر قسم کے مسائل کو جھیلنے اور ہر مزاج و فکر کے لوگوں کو ساتھ لے کر چلنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اہم بات یہ ہے کہ یہ فضلاء ان فروعی مسائل سے نہ صرف اپنے دامن کو گرد آلود ہونے سے بچاتے ہیں، بلکہ مسموم فضا کو اپنے گفتار و کردار سے ختم کر کے وہاں معتدل ماحول پیدا کرنے کی کوشش بھی کرتے رہتے ہیں اور اگر کبھی ان مسائل کو چھیڑنا ناگزیر ہو جاتا ہے تو پوری غیر جانبداری کے ساتھ اسلاف کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی بات کہتے ہیں اور حتی الامکان اپنے بڑوں کے لئے عذر تلاش کر لیتے ہیں، تاکہ ان کے متعلق بدگمانی نہ پیدا ہو اور مسائل کی تنقیح بھی ہو جائے۔

دار العلوم میں درس و تدریس کا منہج

درس و تدریس کا طریقہ اور انداز خالص ذوقی چیز ہے، اس میں کسی خاص قاعدہ و قانون کی پابندی نہ مناسب ہے اور نہ مفید، بلکہ اساتذہ اس فن اور موضوع کے مطابق جو طریقہ بہتر سمجھتے ہیں اس کو استعمال کرتے ہیں اور یہی طریقہ شروع سے چلا آرہا تھا، لیکن جب یونانی فلسفہ کے زیر اثر مسلمانوں میں منطق و فلسفہ کا چرچا ہوا اور دھیرے دھیرے مسلم علماء اور اساتذہ فن بھی اس کے ذوق سے آشنا ہونے لگے تو ان کے درس میں بھی اس کے اثرات ظاہر ہوئے اور بحث و حجت، احتمال آفرینی، نکتہ بیانی اور منطقی موشگافیاں بھی کامیابی کا معیار اور تعلیم و تدریس کا معراج قرار پانے لگیں، پھر اساتذہ کا کمال اور شہرت کی بنیاد یہ ہوگئی کہ وہ کتاب کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں،

فقروں کی ترکیب کر سکتے ہیں، نیز جنھیں آسان کو پیچیدہ اور صاف کو مبہم بنانے اور شبہات پیدا کرنے میں کمال حاصل ہو۔(۱)

اس لئے جب ندوۃ العلماء کا قیام عمل میں آیا تو نصاب تعلیم کی تبدیلی کے ساتھ طرز تعلیم کی اصلاح کی طرف بھی توجہ دی گئی اور جس طرح قدیم نصاب تعلیم کو بدل کر جدید نصاب رائج کیا گیا، اسی طرح تعلیم اور طریقہ تدریس میں بھی تبدیلی کی گئی، ۱۳۱۳ھ میں ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے دار العلوم کا خاکہ ایک مسودہ کی شکل میں پیش کیا تھا، اس میں طریقہ درس کا بھی ذکر ہے، آپ تحریر فرماتے ہیں:

> "تعلیم دو طریقہ پر ہوگی، ۱) طریقہ مروجہ کے مطابق،
> ۲) طریقہ قدیم یعنی اسلامی طریقہ پر، جس کا طریقہ یہ ہوگا کہ استاذ ایک بلند مقام پر بیٹھ کر زبانی اس مواد پر نہایت واضح دلائل کے ساتھ تقریر کرے گا، جو اس روز کا سبق ہوگا، یہ طریقہ حدیث وادب وغیرہ میں مدتوں تک جاری تھا، ابونصر فارابی نے ارسطو کی منطق جو اپنے استاذ متی بن یونس سے پڑھی تھی، اسی طریقہ کے موافق پڑھی تھی، اس سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ طالب علموں کا وقت لفظی مباحث میں ضائع نہیں ہوتا اور استاد اپنی وسعت نظر اور ملکہ تقریر بڑھانے پر مجبور ہوتا ہے"۔(۲)

اس بنیادی فکر کے پیش نظر دار العلوم میں تدریس کا جو طریقہ اختیار کیا گیا، اس میں اس کا خاص خیال رکھا گیا کہ اساتذہ کا وقت عبارت فہمی میں ضائع نہ ہو بلکہ اصل فن کی طرف پوری توجہ دی جائے اور قدیم طریقہ کے مطابق طلبہ سے خود ہی کتاب حل کروائی جائے، تاکہ اس کے بعد

---

(۱) تاریخ ندوۃ العلماء: ۱/۷۴
(۲) مسودہ دار العلوم بحوالہ تاریخ ندوۃ العلماء: ۱/۱۴۶

اساتذہ اس فن کی باریکیاں بیان کرسکیں اور اس طرح طلبہ کو متعلقہ فن سے پوری واقفیت ہو سکے۔

دار العلوم میں فنون کے لحاظ سے درس وتدریس کے مختلف طریقے رائج ہیں، اس لئے ہر فن کے اعتبار سے طرز تدریس کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

فن تفسیر میں تدریس کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ اولاً پورے قرآن شریف کا متن پڑھایا جائے، یعنی پورے کلام مجید کا درس اس انداز سے ہو کہ طلبہ کے سامنے صرف قرآن پاک کا نسخہ رہے اور اساتذہ اصل مراجع سے تیاری کر کے آئیں اور متعلقہ آیات کے متعلق پوری تفصیل اس طرح پیش کریں کہ ان آیات کے بارے میں مفسرین نے جو کچھ تحریر کیا ہے اس کا خلاصہ سامنے آجائے اور اس کا اصل مقصد وحقیقی مفہوم واضح ہو جائے، اس طرح تین چار سالوں میں جب پورا قرآن ختم ہو جائے تو تفسیر کی قدیم اور بنیادی کتابیں مثلاً بیضاوی شریف، جلالین، کشاف وغیرہ سبقاً سبقاً پڑھائی جاتی ہیں، تاکہ طلبہ قدیم مفسرین کے اُسلوب اور مختلف مفسرین کے نقطہ ہائے نظر سے واقف ہو جائیں۔

حدیث کے باب میں ندوۃ العلماء کا منہجِ تدریس یہ ہے کہ احادیث کی کتابیں فن کی حیثیت سے پڑھائی جائیں، یعنی حدیث کے مفہوم ومراد کی وضاحت کے بعد جو فنی چیزیں ہیں مثلاً رواۃ، سند، متن، روایت کی حیثیت اور درایت وغیرہ، اس پر اصل توجہ دی جائے اور اس کے بعد اگر مذکورہ روایات سے کوئی فقہی مسئلہ مستنبط ہوتا ہے تو اس کی وضاحت کی جائے۔

فقہی کتابوں کی تدریس میں طریقہ کار یہ ہے کہ پہلے نفس مسئلہ کی وضاحت کی جائے، پھر اس میں جتنے مسالک ہیں ان کو مع دلائل واضح کیا جائے، اس سبھوں کے دلائل پر ناقدانہ نظر ڈالتے ہوئے مستدلات کو اُصول کی روشنی میں پرکھا جائے، اس کے بعد احناف کے ترجیحی دلائل بیان کئے جائیں اور اس سلسلہ میں دیگر مسالک کے ساتھ تضحیک واستہزاء کا رویہ نہ اختیار کیا جائے، بلکہ اگر کہیں احناف کا مسلک دلائل کی روشنی میں کمزور ہے تو اس کی نشاندہی کی جائے۔

ان تینوں فنون کے ساتھ اُصول وقواعد کی کتابیں بھی پڑھائی جاتی ہیں اوران کے مسائل کو خاص طور پر مستحضر کرایا جاتا ہے، علیا کے درجوں میں فقہ واُصول فقہ کی ساری کتابیں اس طرح پڑھائی جاتی ہیں کہ طلبہ خود ہی متعلقہ کتاب کا مطالعہ دیکھ کر آتے ہیں اور کلاس میں استاذ کی موجودگی میں اس کا درس پیش کرتے ہیں، پھر جہاں جہاں طلبہ کو سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے، یا مسائل گنجلک رہ جاتے ہیں وہاں استاذ اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

اس طریقہ سے درس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ کو کتاب حل کرنے اور پھر درس کی صورت میں پیش کرنے کی عادت ہوجاتی ہے، مختلف فنوں کے اصل ماٰخذ ومصادر سے رجوع کرنے میں اس فن کی باریکیاں سمجھ میں آجاتی ہیں اور اس طرح تمام مسائل پر نظر بھی پڑ جاتی ہے، یہ طریقہ درس قدیم زمانہ سے رائج ہے اور طلبہ کے لئے بڑا مفید ہے۔

ندوی فضلاء کا فقہی اُسلوب

اُسلوب وبیان اور طرزِ نگارش قلم کار کے مزاج ومذاق اور فکر ونظر کا غماز اور آئینہ دار ہوا کرتا ہے، اس میں صاحب قلم کی پرچھائیاں پوری طرح موجود ہوتی ہیں، لیکن اسی کے ساتھ ماحول کے اثرات اور زمانہ کے چلن وعرف بھی بڑی حد تک اس میں دخیل ہوتے ہیں، اسی لئے کسی مفکر نے لکھا ہے کہ کسی عبادت کو دیکھ کر اس زمانہ کے مزاج اور اس وقت کے حالات کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔

شاہ صاحبؒ کے معتدل فکر کی روشنی میں ابناءندوۃ کا جو مزاج ومذاق تشکیل پایا، اس سے ایک اُسلوب بھی وجود میں آیا، جو زبان وادب کا شاہکار کہلاتا ہے، اس میں ادب کی جلالت اور آبشار کی روانی پائی جاتی ہے اور جابجا انشاء پردازی کے موتی چمکتے اور جھلملاتے نظر آتے ہیں، دردمندی، سوز دروں اور اخلاص نے ان کے اُسلوب میں ایک خاص آہنگ اور ایک خاص رنگ پیدا کردیا ہے، ان کی کتابوں کے مطالعہ کرنے والوں کو فکر کی بلندی کے ساتھ روحانی بالیدگی کا احساس ہوتا

ہے اور فکر ارجمند کے ساتھ دل دردمند اور زبان ہوشمند کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔(۱)

فقہ کے محاذ پر ندوی فضلاء نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں ان کے مطالعہ سے تین اُسلوب یا طرزِ تحقیق نکھر کر سامنے آتے ہیں :

(الف) کلامی اُسلوب: اکثر کتابوں میں یہی اُسلوب اختیار کیا گیا ہے، اس میں ہوتا یہ ہے کہ مؤلف نے دینیات کے جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اس کے متعلق قرآن وحدیث اور سیرت کے واقعات کی روشنی میں پوری تفصیل لکھتے ہیں اور اچھے پیرائے میں اپنی بات کو قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں، اس کا اصل مقصود اسلامی نظام یا تعلیمات کی تفہیم یا کسی خاص گوشہ کے متعلق اسلامی نقطہ نظر کی تشریح وترجمانی ہوتی ہے، اس ضمن میں فقہ کے مسائل اور کلیات وجزئیات بھی بیان ہوتے ہیں لیکن مستقل فقہی انداز یا مسائل کے عنوان کی طرح نہیں۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی شہرہ آفاق کتاب سیرت النبی جلد پنجم جس میں عبادات کے موضوع پر گفتگو کی گئی ہے، پر تبصرہ کرتے ہوئے سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحبؒ رقمطراز ہیں :

> ''اس میں نماز، زکوۃ، روزہ، حج، جہاد —— پر قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس میں اختلافی رنگ نہیں ہونے پایا ہے، فقہی مسائل کو بھی کلامی انداز میں اس طرح پیش کیا ہے کہ فقہاء ومتکلمین دونوں نظر آتے ہیں''۔(۲)

اسی طرح حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی اکثر کتابیں اسی انداز میں لکھی گئی ہیں، آپ کی مشہور تصنیف ارکان اربعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ رقمطراز ہیں :

> ''کتاب کا موضوع اسلام کے چاروں مشہور ومعروف ارکان صلوٰۃ وصوم، زکوۃ وحج ہیں اور کتاب میں اس کے احکام کے

---

(۱) ششماہی رابطہ مفکر اسلام نمبر: جنوری تا جون ۲۰۰۰ء، مضمون: مولانا علی میاں تصانیف اور نگارشات کے آئینے میں

(۲) سید سلیمان ندویؒ کی علمی ودینی خدمات پر ایک نظر، ص: ۳۳

ساتھ ساتھ ان کے عقلی مصالح ان کی اہمیت اور دوسری اُمتوں کے عبادتی طور وطریقوں سے موازنہ ومقابلہ کے ساتھ بیان دیئے گئے ہیں اور اس طرح کتاب ایک ہی وقت میں فقہ اور کلام اور اُصولِ دین سب کی ہوگئی ہے''۔(۱)

(ب) دوسرا طریقہ عام مصنفین ومؤلفین کی طرح ہے کہ فقہ کے موضوع کے اعتبار سے مسائل بیان کرتے ہیں، بعض دلائل کا التزام کرتے ہیں اور بعض بغیر دلائل کے صرف مسائل کے بیان پر اکتفاء کرتے ہیں، یا مسالکِ اربعہ کو ذکر کرتے ہیں اور سبھوں کے متدلات پیش کرتے ہیں، یا صرف مذہبِ حنفی کے دلائل پر اکتفاء کرتے ہیں۔

(ج) تیسرا اُسلوب یہ ہے کہ جن مسائل کو بیان کرتے ہیں، ان کی تہہ میں اُترتے ہیں، تمام نقلی وعقلی دلائل لیتے ہیں، پھر دیگر مسالک اور ان کے دلائل کا تجزیہ کرتے ہیں اور اس کے بعد دلائل کے تتبع، اسبابِ ترجیح، عرف وعادت اور موجودہ حالات کی روشنی میں اس پر بحث کرتے ہیں، اس صورت میں کبھی محقق کی رائے فقہاء متاخرین سے الگ بھی ہوتی ہے، یا کبھی دلائل اور عرف کی روشنی میں غیر مفتی بہ قول راجح نظر آتا ہے تو اس کو اپنی رائے کی شکل میں واضح کرتے ہیں اور بسا اوقات حرج وتنگی اور دفع ضرر کے پیش نظر اپنے مسلک سے عدول بھی کرتے ہیں، البتہ ایسی صورت میں ائمہ اربعہ کے درمیان ہی رہتے ہیں اور اسی دائرے میں اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں، سید صاحب اور دیگر محقق ندوی فضلاء نے جن جدید یا قدیم مسائل میں اپنی الگ رائے پیش کی ہے، وہاں یہی طریقہ اور طرز تحقیق غالب ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنا اُصولِ تحقیق معارف کے شذرات میں اس طرح بیان کیا ہے کہ:

---

(۱) ہفتہ وار صدق جدید لکھنؤ: بحوالہ ارکان اربعہ

''مذہبی مسائل کی تحقیقات میں میرا عمل یہ رہا ہے کہ عقائد میں سلف صالحینؒ کے مسلک سے علیحدہ نہ ہو، البتہ فقہیات میں کسی ایک مسلک کی تقلید بتمامہ نہیں ہوسکتی ہے، بلکہ اپنی بساط بھر دلائل کی تنقیح کے بعد کسی ایک مسلک کو ترجیح دی ہے، لیکن کبھی کوئی رائے اختیار نہیں کی ہے جس کی تائید ائمہ حق میں سے کسی نے بھی نہ کی ہو، مسائل کی تشریح میں حافظ ابن تیمیہؒ، حافظ ابن قیمؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تحقیقات پر اکثر اعتماد کیا ہے''۔(۱)

دور حاضر میں مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب کی کتابوں میں یہی تحقیقی انداز ملتا ہے، اسی طرح اسلامک فقہ اکیڈمی کے سیمناروں میں ندوی فضلاء نے جو مقالے پیش کئے ہیں ان میں بھی یہی طریقہ تحقیق نظر آتا ہے۔

---

(۱) معارف جنوری: ۹۳ء

باب چہارم

ندوۃ العلماء کی فقہی خدمات

تحریک ندوۃ العلماء اور فقہ اسلامی

دین اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، جس میں انسانی زندگی میں پیش آمدہ تمام مسائل کا حل بتایا گیا ہے اور ہر گوشۂ حیات میں انسانوں کی رہنمائی کی گئی ہے، ان ہی رہنما ہدایات اور خدائی احکام کو شریعت کی روشنی میں جاننے کا نام فقہ ہے، اس لئے حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فقہ کی تعریف یہ کی ہے "معرفة النفس مالها و ماعليها"۔(۱)

"مجلۃ الاحکام العدلیہ" کے مؤلفین نے احکام شریعت کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱— عبادات　　۲— مناکحات

۳— معاملات　　۴— عقوبات (۲)

البتہ علامہ ابن نجیم مصریؒ نے اسلامی شریعت کے پانچ شعبے بنائے ہیں:

۱— اعتقادات　　۲— عبادات　　۳— مزاجر

۴— آداب　　5— معاملات

پھر ان میں سے ہر ایک کی متعدد قسمیں بیان کی ہیں۔ (۳)

ان مختلف تقسیموں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فقہ کا دائرہ کار کتنا وسیع اور اس کے حدود کتنے پھیلے ہوئے ہیں۔

ندوۃ العلماء کے بانیین اور بعد کے ارباب حل وعقد نے احکام شریعت کی تبلیغ واشاعت

---

(۱) فتاویٰ تاتارخانیہ (مقدمہ)　(۲) فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل، ص:۲۰　(۳) بحر الرائق:۷/۱

اوراس کی تحقیق وتنسیق کو ہمیشہ اپنا اولین فریضہ سمجھا ہے اور حسب ضرورت اس کی طرف توجہ کرتے رہے ہیں، اس لئے ان کے عمل وحرکت کا دائرہ کار اور طبع آزمائی کی جولان گاہ بھی بہت وسیع اور متنوع ہے، ندوی فضلاء کے علاوہ خود دارالعلوم ندوۃ العلماء کے زیر اہتمام بھی اس میدان کی بہت سی سرگرمیاں علم فقہ کے اُفق سے نمودار ہو کر اصحاب علم وفن سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں، جو علمی سرمایہ میں بہترین اضافہ کے ساتھ اصحاب ندوۃ العلماء کی دینی بیداری، مسلمانوں کو دین سے جوڑنے کی تڑپ، علوم اسلامیہ کو ہر زمانہ میں اپنا کردار ادا کرنے سے شغف، مسلمانوں کی دینی ضروریات کو پوری کرنے کی دُھن اور شب تاریک میں قندیل رہبانی کا فریضہ انجام دینے کی حوصلہ مندی کا بہترین موقع اور شاندار مثال ہیں۔

ندوۃ العلماء کے تحت جو اجتماعی علمی وفقہی خدمات انجام پائی ہیں اور اس طرح کے جو کارنامے اب بھی ستاروں کی مانند آسمان فقہ پر جھلملا رہے ہیں اور پوری دنیا کو اپنی ضیا گستری وضوفشانی سے فیض یاب کر رہے ہیں، وہ زیادہ تر ابناء ندوۃ العلماء کی ہی رہین منت ہیں، یہ حقیقت ہے کہ ان فکری خاکوں کو حقیقت کا روپ دینے اور اسے کامیابی کے ساحل سے ہمکنار کرنے میں علمی تعاون اور دیگر علماء کی پُرخلوص کاوشوں کا بھی بڑا کردار ہے جس کا ندوۃ العلماء ہمیشہ سپاس گذار رہا ہے، لیکن اصل محاذ کو سنبھالنے اور اس کی بقاء واستحکام میں ان مردانِ کار اور جواں سال فضلاء نے کلیدی رول ادا کیا ہے، پھر ذمہ داروں کی پوری نگرانی اور سرپرستی میں علم وفقہ کے یہ گل بوٹے برگ وبار لائے اور پروان چڑھے ہیں، جس سے اہل علم اور اصحاب نظر اپنی مشام جاں کو معطر کر رہے ہیں۔

ندوۃ العلماء کے تحت جو متعدد اور اہم اجتماعی کارنامے انجام پاتے ہیں، ان کو ذیل کے ابواب میں مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

دارالافتاء کا قیام

دارالافتاء کی ضرورت

تاریخ ندوۃ العلماء کے مصنف دارالافتاء کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں :

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا، جب علم دنیا سے اُٹھ جائے گا اور سیادت جاہلوں کے ہاتھ میں آجائے گی، وہ خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے، اس قسم کے فتنے اس زمانے میں بھی تھے، جسے ذرا شد بد ہوجاتی وہ اپنے کو فتووں کا اہل ک سمجھنے لگتا تھا اور جبہ و دستار پہن کر مخلوق کو اپنے دام تزویر میں گرفتار کرنے لگتا تھا، یہ دراصل دین کے نام پر ایک کاروبار تھا، یہ لوگ اپنے مفاد کی خاطر دوسروں کی تکفیر و تفسیق کرتے، نتیجہ یہ تھا کہ ملت کی زبوں حالی بڑھتی جارہی تھی اور خانہ جنگی جگ ہنسائی کا باعث تھی، اس کے علاوہ زمانے کے تغیر کی وجہ سے جو نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے تھے اور جن کا ذکر کتابوں میں صراحت کے ساتھ نہیں ان کے احکام پر غور و تحقیق کے لئے بھی علم دین میں رسوخ کے ساتھ نئے حالات تغیر کا باریک بینی سے مطالعہ ایک مفتی کے لئے ضروری تھا، غرض ایک عرصہ سے ایسے دارالافتاء کے قیام

کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی، جہاں مخلص ولائق علماء وفقہاء، افتاء کے فرائض انجام دیں اور عوام ان سے بسہولت رجوع کر سکیں"۔(۱)

اس دینی ضرورت اور شرعی تقاضہ کے مطابق ندوۃ العلماء نے اپنے دوسرے اجلاس میں دارالافتاء کے قیام کو مقصد قرار دیا اور ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے اس کی تجویز پیش کی، دیگر علماء اور اراکین انتظامیہ نے اس سے اتفاق کیا اور اس رائے کی تائید کی، البتہ یہ تجویز ایک خصوصی جلسہ کے لئے ملتوی ہوگئی۔

مولانا مونگیریؒ کی اثر انگیز تقریر

یکم محرم ۱۳۱۳ھ کو مجلس انتظامیہ کا جلسہ ہوا، اس میں مولانا مونگیریؒ نے دارالافتاء کی اہمیت وضرورت پر ایک مدلل اور پراثر تقریر کی، جس میں آپ نے اپنی فکر کو بڑے اچھے اور مؤثر انداز میں پیش کیا، آپ نے فرمایا:

"ایک اور دقت ہمارے علماء کی یہ ہے کہ زمانہ کے حالات پر ان کی نظر نہیں، دنیا کے حالات سے اکثر ناواقف، ان کی پیچیدگیوں کو سلجھانا دشوار، جب فقہاء تصریح کرتے ہیں کہ زمانہ بدل جانے سے احکام بدل جاتے ہیں، تو ضروری ہوا کہ مفتی زمانہ کی حالت سے بھی واقف ہو اور اس طرح جب تک معاملات سے واقف نہ ہوگا اور اس کی پیچیدگیوں پر مطلع نہ ہوگا تو صحیح کیوں کر جواب دے گا، یہاں محکمہ افتاء کی ضرورت دوسرے طور پر ثابت ہوتی ہے، کیوں کہ بغیر اس کی خاص توجہ

(۱) تاریخ ندوۃ العلماء:۱/۱۲۶

کے یہ مرحلہ طے نہ ہوگا اور یہ ہماری حالت کے لحاظ سے غیرممکن ہے، ہمارے علماء کوادھر توجہ ہے نہیں کہ زمانہ کی حالت اوراس کی موجودہ اشیاء کودریافت کریں، جب یہ حالت ہے تو انصاف کرنا چاہئے کہ دین کی حیثیت سے اس محکمہ کی کیسی ضرورت ہے"۔(۱)

اس مسئلہ میں ندوۃ العلماء کی ضرورت اور اس کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں :

"خاص وعام جانتے ہیں کہ یہ علماء کی انجمن ہے، اب بجز ان صاحبوں کے جوکسی خاص عالم سے خصوصیت رکھتے ہیں، تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی توجہ اس انجمن کی طرف ہے، جب کوئی ضرورت انھیں پیش آئے گی اور جب کوئی مسئلہ متعلق اعتقادیات یاعملیات دریافت کرنا ہوگا،توضرورندوہ سے سوال کریں گے"۔(۲)

اس جلسہ انتظامی میں یہ تجویز منظور ہوئی اور ندوۃ العلماء کادارالافتاء قائم ہوگیا۔

دارالافتاء کی طرف رجوع عام

ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاس کی رودادوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سال سرمایہ کی کمی کی وجہ سے دارالافتاء میں خاطرخواہ کام نہیں ہوا،لیکن دوسرے سال جب مولانا عبداللطیف صاحب جو مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے آخری شاگردوں میں سے تھے،کو باضابطہ اس کی ذمہ داری سپرد کی گئی، تواس کی طرف عوام کابڑا رجوع ہوااور بڑی تعداد میں لوگوں نے اس سے فائدہ اُٹھایا۔

---

(۱) کاروائی جلسہ انتظامی قلمی،ص:۱۱بحوالہ تاریخ ندوہ:۱/۱۳۷ (۲) حوالہ سابق

پانچویں اجلاس کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے مولانا مونگیریؒ نے دارالافتاء کے صرف ایک سال کی جو کاروائی پیش کی ہے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اتنی کم مدت میں دارالافتاء کو کتنی مقبولیت حاصل ہوئی اور کس طرح وہ فقہ وفتاوی کا ایک مرکز بن گیا، مولانا مونگیریؒ تحریر فرماتے ہیں:

''دارالافتاء میں امسال گذشتہ سال کی بنسبت زیادہ فتاویٰ
مرتب کئے گئے، امسال ۵۶۵ استفتاء کے جواب دیئے گئے،
جن میں سے ۴۷ فتوے نہایت مشکل اور پیچیدہ تھے، ان کے
علاوہ ۲۲ مسئلوں کی بطور خود تحقیق کی گئی''۔(۱)

ندوۃ العلماء کا دارالافتاء اپنے یوم قیام سے آج تک مفوضہ ذمہ داری کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف ہے، اس درمیان میں ایک مختصر وقفہ تعطل کا بھی گذرا ہے، جس کا ذکر سیرت مولانا مونگیریؒ میں ملتا ہے، (۲) لیکن حقیقتاً یہ صرف رسمی اور قانونی طور پر تھا، ورنہ دارالافتاء کا کام کبھی بھی عملاً بند نہیں ہوا، بلکہ اس کی علمی وعملی پیش رفت میں مستقل اضافہ ہوتا رہا اسی لئے رسمی طور پر دوبارہ اس کا آغاز کب ہوا، اس کی متعین تاریخ نہیں ملتی۔

بہر حال قانونی طور پر جب بھی اس کا آغاز ہوا ہو، اس سے استفادہ میں آج تک کوئی کمی نہیں آئی ہے، بلکہ استفتاءات کی کثرت کے ساتھ اس کی مقبولیت اور بھی بڑھتی گئی، یہاں تک کہ ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں کو اس کا دامن وسیع کرنا پڑا اور اب یہ حال ہے کہ دارالعلوم کی ایک وسیع عمارت میں یہ پورا محکمہ پھیلا ہوا ہے، جس میں مفتیان کرام کی پوری ٹیم سرگرم ہے، یہاں اندرون ملک کے علاوہ بیرون ممالک سے بھی کثرت سے سوالات آتے ہیں، خصوصاً نئے مسائل کثرت سے آتے ہیں، بیرونی ممالک سے اکثر سوالات انگلش میں آتے ہیں جن کا جواب انگلش میں ہی دیا جاتا ہے، اس کے علاوہ تحقیق طلب اشکالات بھی بڑی تعداد میں یہاں آتے ہیں، جن کا تفصیلی

---

(۱) روداد اجلاس پنجم، بحوالہ تاریخ ندوہ: ۱/۲۰۴ (۲) سیرت مولانا محمد علی مونگیریؒ، ص: ۲۲۱

اور تحقیقی جواب ارسال کیا جاتا ہے، جو اکثر اوقات کافی طویل ہوتے ہیں۔

چند خصوصیات

دیگر شعبہ جات کی طرح ندوۃ العلماء کے دارالافتاء کا علمی سطح پر ایک مقام اور انفرادیت ہے، ان کے فتووں کو ہمیشہ ماہرین فن و محققین نے سراہا اور تحسین کی نظر سے دیکھا ہے، دارالافتاء کے ریکارڈ پر نظر ڈالتے ہوئے اس کی چند امتیازی صفات جو نمایاں نظر آتی ہیں، وہ اس طرح ہیں:

۱- مسلکی اختلافات میں تشدد سے گریز

۲- زبان آسان و سہل اور عام فہم

۳- حسب ضرورت فتووں کے ساتھ دعوتی و تذکیری پہلو پر توجہ

۴- اصل ماخذ کے استفادہ کے ساتھ جدید و مستند علماء کی تحقیقات سے استفادہ

ان سب کے علاوہ ایک اہم ترین انفرادیت یہ ہے کہ جدید مسائل میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دارالعلوم کے بڑے اساتذہ کی ایک خصوصی بنچ بنائی جاتی ہے، جہاں یہ حضرات اجتماعی غور و فکر کرتے ہیں اور پھر بحث و تمحیص اور آپسی مذاکرہ کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچ کر اس سوال کا جواب تیار کرتے ہیں۔

موجودہ صورتِ حال

یہ دارالافتاء جو علمی سطح پر اپنی شناخت بنا چکا ہے اور اپنی معتدل فکر اور زمانہ شناسی و مستند فتاویٰ کی وجہ سے اکابرین اُمت سے خراجِ تحسین وصول کر چکا ہے، اب ''المعهد العالی للفقهاء والافتاء'' کے ایک متحرک اور فعال شعبہ کی حیثیت سے سرگرم عمل ہے، متعدد ماہرین و باصلاحیت مفتیان کرام کی خدمات حاصل ہیں، مفتی محمد ظہور صاحب ندوی مدظلہ جیسے بحر فقہ کے شناور اس کے ذمہ دار اور صدر مفتی ہیں، جو حافظ ہدایہ کے نام سے مشہور ہیں، جب کہ معاونین کی حیثیت سے

دار العلوم کے متعدد بڑے اساتذہ باضابطہ یہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔

فتاویٰ کا ذخیرہ

ندوۃ العلماء کا دار الافتاء ۱۳۱۳ھ میں قائم ہوا اور اس وقت سے آج تک اپنے میدان میں سرگرم ہے، یہاں سوالات کی کثرت ہمیشہ سے رہی ہے، لیکن ایک عرصہ تک فتویٰ لکھنے کا طریقہ یہ رہا کہ مستفتی نے استفتاء داخل کیا اور دار الافتاء سے اس کا جواب لکھ کر دے دیا گیا، نہ اس کی نقل رکھی جاتی اور نہ اس کو محفوظ کرنے کی طرف توجہ دی گئی، اس طرح علم کا بڑا سرمایہ ضائع ہو گیا۔

اس عظیم فقہی سرمایہ کو جمع رکھنے کا خیال ارباب ندوۃ العلماء کو تھا، لیکن کثرت اشغال کی وجہ سے اس کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ ہو سکی، ۱۴۱۱ھ میں یہ توفیق خداوندی میسر آئی اور ۲۲/شوال ۱۴۱۱ھ سے باضابطہ تمام فتاویٰ کی نقل محفوظ رکھنے کا سلسلہ شروع ہوا اور اب تک باضابطگی کے ساتھ اس پر عمل ہو رہا ہے، اس گیارہ سالہ مدت میں بھی فتاویٰ کا بڑا ذخیرہ جمع ہو چکا ہے، جو متعدد رجسٹروں میں محفوظ ہے اس کی مجموعی تعداد سولہ ہزار تینتالس (۱۶۰۴۳) ہے۔(۱)

یہ تعداد صرف ان سوالات کی ہے جو دار الافتاء میں داخل کئے گئے اور وہاں سے ان کا جواب جاری ہوا، ورنہ مفتی دار العلوم جنھیں فقہی جزئیات کے استحضار میں کمال حاصل ہے اور بالمشافہ بھی رہنمائی کرتے ہیں، اسی طرح بڑے اساتذہ جو فتاویٰ لکھا کرتے ہیں وہ اس تعداد کے علاوہ ہے اور اس کی بھی بڑی تعداد ہوتی ہے۔

''فتاویٰ ندوۃ العلماء'' کی ترتیب و تبییض

اس دار الافتاء کے فتاویٰ کی اہمیت اور مقبولیت کے پیش نظر اس کے ذمہ داروں نے بڑا خوش آئند قدم اُٹھایا ہے اور فتاویٰ کے عظیم ذخیرہ کو مرتب کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اس کی ترتیب و تبییض کا کام شروع ہو چکا ہے، جس کو تربیتِ افتاء کے ہونہار طلبہ بڑی محنت اور عرق ریزی کے

---

(۱) تعمیر حیات (سالانہ رپورٹ ۱۴۲۲ھ) ۱۰/ مئی، ۲۰۰۲ء، ص: ۵

ساتھ انجام دے رہے ہیں، اُمید ہے کہ جلد ہی ''فتاویٰ ندوۃ العلماء'' زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر اہل علم کے ہاتھوں میں ہوگا اور فتاویٰ کا قابل قدر مجموعہ اور جدید مسائل میں علماء ومفتیان کے لئے بیش بہا دولت اور مرجع ثابت ہوگا۔

وقف علی الاولاد کا مسئلہ اور اس کا حل

پریوی کونسل کا غلط فیصلہ

فقہ کا یہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی جائیداد اپنی اولاد پر اس طرح وقف کرے کہ اصل سرمایہ محفوظ رہے اور اس کے منافع سے اس کی اولاد مستفید ہوتی رہے تو یہ وقف شرعاً جائز اور صحیح ہوگا اور اس جائداد کو فروخت کرنے کا حق کسی کو حاصل نہ ہوگا۔(۱)

یہ طریقہ مذہب اسلام میں ہمیشہ سے جاری ہے اور اسلامی ممالک میں اس پر عمل ہوتا رہا ہے، خود ہندوستان میں بھی مدت تک یہ طریقہ رائج تھا، لیکن بیسوی صدی کے ابتدائی سالوں میں کچھ خاندانوں میں نزاع پیدا ہونے کی وجہ سے جب سرکاری عدالتوں میں یہ مقدمات دائر ہوئے تو پریوی کونسل نے فیصلہ دیا کہ ایسا وقف جائز نہیں ہے، جب کہ اس سے قبل انگریزی گورنمنٹ کا یہ اُصول تھا کہ وہ مذہبی احکام میں مداخلت نہیں کرتی تھی۔

یہ فیصلہ اسلامی شریعت کی رو سے غلط تھا اور دراصل یہ مذہب میں مداخلت تھی، اس لئے اس وقت کے مسلم قائدین ورہنما بشمول سید امیر علیؒ، مولوی یوسفؒ وکیل کلکتہ اور سرسید احمد خانؒ نے اس فیصلہ کو بدلوانے کی پوری کوشش کی، لیکن مختلف وجوہ کی بناء پر یہ کوشش کامیاب نہ ہوسکی۔(۲)

اربابِ ندوۃ العلماء کی کوشش

چنانچہ اس کے بعد ارباب ندوۃ العلماء جس میں سرفہرست علامہ شبلی نعمانیؒ تھے، اس کی طرف متوجہ ہوئے اور طویل جدوجہد اور جانکسل کاوشوں کے بعد اس حکم کو منسوخ کرانے میں

---

(۱) درالمختار مع درمختار: ۶/ ۶۷۶، فتح القدیر: ۵/ ۴۱۹ (۲) حیات شبلی ص: ۵۳۸

کامیابی حاصل کی، یہ دراصل شریعت اسلامی سے غیر معمولی شغف اور فقہ اسلامی کو اپنی حالت میں باقی رکھنے کی تڑپ تھی جس نے ان حضرات کو اس طویل و پر مشقت محنت اور جدوجہد پر آمادہ کیا، یہ بھی ندوۃ العلماء کا ایک کارنامہ اور عظیم دینی خدمت ہے کہ بروقت اس مداخلت کا نوٹس لے کر اپنی جدوجہد شروع کی اور اس فتنہ کو ختم کر کے ہی دم لیا، اس چار سالہ کاروائی کی پوری تفصیل علامہ سید سلیمان ندویؒ نے حیات شبلیؒ میں بیان فرمائی ہے، اسی کا خلاصہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

پہلا رسمی بیان

سرسید احمد خاںؒ وغیرہ کی کوششوں کی ناکامی کے بعد ۱۹۰۸ء میں علامہ شبلیؒ نے اس کی طرف دھیان دیا، چنانچہ اس کے متعلق ندوۃ العلماء کے ترجمان الندوہ میں تحریر فرماتے ہیں :

> ''بایں ہمہ وقف علی الاولاد کے مسئلہ میں قیصر ہند نے بمشورہ پریوی کونسل جو فیصلہ دیا ہے، وہ فقہ اسلامی کے خلاف ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض عدالتوں نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ اسلامی فقہ سے اولاد کے حق میں وقف کرنا صحیح نہیں ہوتا اور عام آدمی گمان یہی کرسکتا ہے کہ وقف خیرات کا نام ہے اور اولاد پر خیرات کرنے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں —— ''۔

اس کے بعد سابقہ کی ناکامی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> ''لیکن چوں کہ یہ مسئلہ فقہ اسلامی کا ایک مسلمہ مسئلہ ہے اور پریوی کونسل نے جو فیصلہ کیا ہے وہ صرف غلط فہمی کی بناء پر ہے، اس لئے یہ یقین دلا دیا جائے کہ یہ ایک مذہبی مسئلہ ہے اور اس میں مداخلت کرنا مذہبی احکام میں مداخلت کرنا ہے، تو یہ قطعی ہے کہ پریوی کونسل اپنے فیصلے کو مسترد کردے گی،

اس بناء پر تمام مسلمانوں کو اس کے متعلق ایک متفقہ کوشش کرنی

چاہئے''۔(۱)

کام کا آغاز

اس کے بعد آپ نے باضابطہ کام شروع کیا، اس سلسلہ میں سب سے پہلے اس وقت کے مشہور بیرسٹر و قانون داں حضرات مثلاً سید علیؒ امام بیرسٹر پٹنہ، مولانا مظہر الحقؒ بیرسٹر پٹنہ، مسٹر شفیعؒ بیرسٹر لاہور وغیرہ سے اس کے متعلق مشورہ کیا اور قانونی طور پر پریوی کونسل سے اس فیصلہ کو بدلوانے کے لئے ان حضرات سے رائے دریافت کی، ان میں سے اکثر لوگوں نے آپ کے خطوط کا جواب دیا اور متفقہ طور سے کامیابی کی اُمید ظاہر کی اور صحیح طریقہ سے اس تحریک کو جاری رکھنے کی سفارش کی۔(۲)

علامہ شبلیؒ کی جدوجہد

اس دوران اکتوبر ۱۹۰۸ء میں دار العلوم کے سنگ بنیاد کے سلسلہ میں ندوۃ العلماء کا جلسہ ہونے والا تھا، علامہ شبلیؒ نے اس مسئلہ کو تجویز کی صورت میں جلسہ انتظامی میں پیش کیا، مولانا خلیل الرحمٰن صاحبؒ کے علاوہ باقی سبھوں نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور طے پایا کہ تمام ہندوستان کے علماء سے پہلے فتاویٰ طلب کئے جائیں، اس کے بعد آگے کی کاروائی کی جائے۔

اس منظوری کے بعد حسب مشورہ کام شروع ہوا، پہلے عام اعلان کے لئے ۲۴/دسمبر ۱۹۰۸ء کو الندوۃ کے شمارہ میں ایک کھلا خط شائع کیا گیا، جس میں اس مسئلہ کی پوری وضاحت کی گئی، اس کے بعد تمام علماء سے اس مسئلہ کے متعلق فتویٰ طلب کیا گیا، اسی کے جواب میں عموماً دونوں مذاہب کے علماء نے لکھا کہ یہ مسئلہ شریعت اسلامیہ کا مسلّم مسئلہ ہے، جب اکثر فتاویٰ آچکے تو علامہ شبلیؒ نے اس مسئلہ پر ایک مدلل و مکمل رسالہ لکھا، جس میں پریوی کونسل کے تمام دلائل کا جواب دیا اور اس

(۱) الندوہ شمارہ:۴، ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ (۲) حیات شبلی:۵۴۱

مسئلہ کی شرعی مصلحتیں بیان فرمائی، پھراس کوندوۃ العلماء کے جلسہ انتظامی میں پیش کیا۔

''مجلس وقف زیرحمایت ندوہ'' کا قیام

ندوۃ العلماء کے جلسہ انتظامی منعقدہ ۲/ مئی ۱۹۰۹ء کواس کے متعلق حسب ذیل ریزولیشن منظور ہوئے۔

۱- رسالہ وقف علی الاولاد جواس مسئلہ پرلکھا گیاہے اس کا انگریزی ترجمہ کرایا جائے، مع ان فتوں کے جوعلماء نے لکھے ہیں، نیز علماء حرمین سے بھی فتویٰ حاصل کئے جائیں اور مصر میں اس کے متعلق جو فیصلے عدالتوں میں ہو چکے ہیں بہم پہنچائے جائیں۔

۲- ایک ''مجلس وقف زیرحمایت ندوہ'' قائم کی جائے اور ہندوستان کے تمام مقتدر مجالس سے اس میں مدد لی جائے۔

۳- ایک عرض داشت اس کے لئے تیار ہو، جس میں گورنمنٹ سے خواہش ظاہر کی جائے کہ وہ شریعت اسلامیہ کے موافق قانون تیار کرے۔

۴- اس عرض داشت پرتمام ہندوستان کے مسلمانوں سے دستخط کرائے جائیں اوردستخط کے بعد ایک معزز اور مقتدر ڈیپوٹیشن کے ذریعہ اسے وائے سرائے کی خدمت میں پیش کی جائے۔(۱)

ان ضروری امور کے طے ہونے کے بعد مئی ۱۹۰۹ء سے علامہ شبلیؒ نے اس کی عملی کاروائی شروع کی، بزرگان قوم سے مجلس وقف کی ممبری قبول کرنے کی درخواست کی، عرضداشت پردستخط کرانے کے لئے فارم طبع کرایا اورنہایت کثرت سے اسے شائع کیا۔

ان مختلف کوششوں کا اثر یہ ہوا کہ پورے ملک میں مسئلہ سے متعلق ایسی پرزور آواز پیدا ہوئی کہ گورنمنٹ اس کے سامنے انکار نہ کرسکی، جنوری ۱۹۱۰ء میں دہلی میں مسلم لیگ کے اجلاس میں ایک ریزولیشن منظور ہوا اور یہ طے کیا گیا کہ ندوۃ العلماء اور مسلم لیگ دونوں کی طرف سے الگ

---

(۱) رسالہ الندوہ، ۲۶/ مئی ۱۹۰۹ء شمارہ ۶:

الگ میمورنڈم گورنمنٹ کی خدمت میں جائے اور وائے سرائے کی خدمت میں ڈیپوٹیشن بھیجنا قرار پائے ، تو ندوۃ العلماء اور مسلم لیگ دونوں کے ممبران مساوی تعداد میں شریک ہوں اور مشترکہ ڈیپوٹیشن بھیجا جائے ، کیوں کہ یہ مسئلہ پولیٹیکل اور مذہبی دونوں حیثیت رکھتا ہے ،اس لئے دونوں حیثیتوں سے گورنمنٹ کی خدمت میں سفارشات جانی چاہئے۔(۱)

ایوان حکومت میں اس کی صدائے بازگشت

اس کے بعد ۱۹۱۰ء کے اجلاس میں جب مسٹر محمد علی جینا نے کونسل میں یہ سوال کیا کہ گورنمنٹ اس تحریک سے جو اس مسئلہ سے متعلق پیدا ہو رہی ہے، واقف ہے یا نہیں؟ اور اس کے لئے وہ کیا کرنا چاہتی ہے؟ تو گورنمنٹ نے صاف اعتراف کیا کہ یہ صدائیں ان کے کانوں تک آچکی ہیں، لیکن وہ خود قانون بنانا نہیں چاہتی ، بلکہ جو صورت اس کے متعلق مسلمان پیش کریں گے، اس پر غور کرنے کے لئے وہ آمادہ ہے، اس جواب سے لوگوں کی ہمت بندھی اور آخر مولانا مظہر الحق، مسٹر جینا اور دوسرے قانون داں ممبروں کے مشورے سے یہ طے ہوا کہ آئندہ مسئلہ کو ایک بل کی صورت میں کونسل میں پیش کیا جائے ، چنانچہ اس تجویز کے مطابق ۱۷/مارچ ۱۹۱۱ء کو مسٹر جینا نے اس مسئلہ کو وقف بل کی صورت میں کونسل میں پیش کیا اور اس پر ایک مفصل تقریر کی ، جس میں مولانا شبلیؒ مرحوم کی تحریک ، ندوۃ العلماء کی تجویز اور مسلمانوں کے احتجاجی جلسوں اور تجویزوں کا ذکر کیا اور علامہ شبلیؒ نے جو رسالہ پریوی کونسل کے جواب میں فقہی حیثیت کی تشریح میں لکھا تھا، اس کا خلاصہ پڑھ کر سنایا اور بتایا کہ مسلمانوں میں مولانا شبلیؒ کا علمی پایہ کتنا اونچا ہے اور مسلمانوں میں اس کی وقعت کس قدر ہے اور اس بناء پر ان کی رائے کا وزن کتنا ہو سکتا ہے، یہ کہہ کر اقتباسات جگہ جگہ سے پڑھ کر سنائے اور بتایا کہ مولانا کی نگرانی میں علماء ہند کی مشہور مجلس ندوۃ العلماء کی طرف سے گورنمنٹ کی خدمت میں ایک میمورنڈم بھیجا جا رہا ہے، جو یا تو پہنچ چکا ہوگا ، یا پہنچ رہا ہوگا اور جس پر

---

(۱) حیات شبلی ،ص:۵۴۴

ہزاروں مسلمانوں کے دستخط ثبت ہیں، آخر میں انھوں نے وقف اولاد کا بل پیش کیا اور اس کی دفعات کی تشریح کی۔(۱)

اس کے بعد سب سے پہلے مہاراجہ بردوان نے مختصر اور آنریبل مسٹر سچد انند سنہا (بیرسٹر پٹنہ) نے پوری تفصیل سے اس کی تائید کی، ان کے بعد نواب عبدالمجید صاحب بیرسٹر الٰہ آباد نے مولانا شبلی مرحوم اور ندوۃ العلماء کی کوششوں کا شکریہ ادا کیا۔

کامیابی کی منزل پر

اس طرح چار سال کی محنت، مستقل تگ ودو اور ندوۃ العلماء کی نگرانی و سرپرستی میں علامہ شبلیؒ کی بے مثال کاوش اور عظیم قربانی رنگ لائی، چنانچہ یہ توقع پوری ہوئی اور گورنمنٹ نے اصلاً وقف علی الاولاد کے مسئلہ کو وقف بل کی صورت میں تسلیم کرلیا اور اس طرح مسلمانوں کی ایک بڑی دینی ضرورت پوری ہوئی، جس سے ہزاروں گھر تباہی سے بچ گئے اور بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ :

> ''مولانا کی کوششوں سے ایسا کامیاب ہوا کہ حکومت وقت کو
> اس کے آگے سر جھکانا پڑا اور محمد علی جینا کی تحریک سے اسمبلی
> نے اس قانون کو بنانا منظور کرلیا''۔(۲)

---

(۱) حیات شبلی، ص:۵۴۴ (۲) مقالاتِ شبلی (مقدمہ):۴/۸

مجلس تحقیقات شرعیہ

اسلام عالمگیر مذہب ہے جو قیامت تک لوگوں کی رہنمائی کے لئے نازل کیا گیا ہے، اس کے سارے اُصول وضوابط قرآن وحدیث میں بیان کردیئے گئے ہیں، لیکن گردش ایام سے مسائل بدلتے رہتے ہیں اور حالات وواقعات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، اس لئے علماء اُمت کو انبیاء کا وارث بنا کر انھیں یہ ذمہ داری سپرد کی گئی ہے، کہ وہ ہر زمانہ کے مسائل کا حل قرآن وسنت کے اُصول وتصورات کی روشنی میں پیش کریں۔

اسلامی تاریخ کا یہ روشن باب اور تاریخی انفرادیت ہے کہ ہر زمانہ میں ایسے باکمال علماء پیدا ہوتے رہے، جنھوں نے وقت کے چیلنجوں کو قبول کیا اور ہر زمانہ میں پیدا ہونے والے مسائل کا حل پیش کیا، نیز اسلامی شریعت پر اُٹھنے والے اشکالات واعتراضات کا مدلل ومسکت جواب دیا، حقیقت یہ ہے کہ حق وباطل کی کشمکش سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں، لیکن اس آویزش میں غلبہ حق کے لئے علماء اسلام کی کاوشیں اور ان کی مساعی جمیلہ، اس قافلہ کی اولوالعزمی اور بیدار مغزی کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔

بیسویں صدی میں صنعتی انقلاب کے نتیجہ میں بے شمار مسائل پیدا ہو رہے تھے اور نت نئی چیزیں معاشرہ میں جنم لے رہی تھیں، اس وقت ضرورت تھی ایسے افراد کار کی جو باہم غور وفکر کے بعد ان مسائل کا حل پیش کریں اور نئے حالات میں اُمت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیں۔

اس بنیادی ضرورت کے پیش نظر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ہندوستان کے مایہ ناز وباکمال علماء اور صاحب نظر ارباب فتویٰ وماہرین فقہ کو ایک جگہ جمع کرنے

اور باہم غور وفکر کے بعد کسی مسئلہ کے نتیجہ تک پہنچنے کے لئے ستمبر ۱۹۶۳ء میں ''مجلس تحقیقات شرعیہ'' دارالعلوم ندوۃ العلماء کی بنیاد ڈالی۔

مجلس تحقیقات شرعیہ کا خاکہ

اس مجلس کا بنیادی خاکہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مئی ۱۹۲۳ء کے جلسہ انتظامی میں پیش فرمایا تھا، اس میں آپ نے اس مجلس کی ضرورت بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''کسی زمانے میں بھی کوئی بڑا علمی و تعلیمی ادارہ ان فقہی مسائل سے غیر متعلق نہیں رہ سکتا، جو جدید حالات، تمدن، علوم وسائنس کی ترقی اور نئے تنظیمی و اقتصادی نظاموں نے پیدا کردیئے ہیں، مسلمان بجا طور پر ان دینی مرکزوں سے جن میں اونچے پیمانہ پر فقہ اور اُصول فقہ کی تعلیم ہوتی ہے، ان مسائل میں رہنمائی کے طالب ہیں اور ایک بڑا طبقہ جو دینی احساس اور خوف خدا رکھتا ہے، ان کے بارے میں حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے مضطرب ہے، ندوۃ العلماء پر یہ ذمہ داری خاص طور پر اس لئے عائد ہوتی ہے کہ علماء کی اس انجمن کے قیام اور ایک بلند پایہ دارالعلوم کی تاسیس کے اہم مقاصد میں سے نئے مسائل پر غور اور جدید تبدیلیوں کے مطابق احکام وجزئیات کا استنباط اور مسلمانوں کی دینی رہنمائی کا فرض بھی شامل تھا، اگرچہ پرسنل لاء کے مسئلے نے مسلمانوں میں اس ضرورت کا عام احساس اور اس سے دلچسپی پیدا کردی ہے، لیکن درحقیقت صرف پرسنل لاء بلکہ جدید حالات ومدنی

مسائل پر غور وفکر کرنا اور اس کے بارے میں اپنی مثبت وواضح رائے دینا علماء کا اولین فرض تھا"۔

اس کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء میں اس طرح کے ایک شعبہ کے قیام کی سفارش کرتے ہوئے فرمایا :

"اس کا علمی وفکری پہلو ضرور ایسا ہے جس پر خالص علمی سطح پر کام ہونا چاہئے ، یہ فقہ کی تدوین جدید کا اہم کام ہے ، جس کو بلا تاخیر ہونا چاہئے ، ندوۃ العلماء کے لئے یہ بڑی سعادت کی بات ہوگی کہ وہ اپنے دار العلوم کے اندر یہ کام شروع کرے اور اس کے لئے ایک مستقل شعبہ قائم کرے ، دار العلوم میں بہت بڑا کتب خانہ ہے ، صاحب نظر علماء کی بھی ایک جماعت ہے ، اپنے خاص تعلقات کی بناء پر اس کو مصر وشام کے علمی اداروں اور مرکزی شخصیتوں سے رابطہ کرنے اور ان کے افکار وآراء سے استفادہ کرنے کا بھی بہترین موقع حاصل ہے ، اس لئے میری رائے اور تجویز ہے کہ دار العلوم میں اس علمی وفکری کام کی تکمیل کے لئے ایک شعبہ قائم کیا جائے اور اس کے لئے ضروری انتظامات منظور کئے جائیں"۔(١)

مجلس کے مقاصد

اس مجلس کے مقاصد کی تشریح کرتے ہوئے مجلس کے موجودہ ناظم مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب تحریر فرماتے ہیں :

---

(١) تعمیر حیات ، ٢٥/ نومبر ١٩٦٢ء جلد اول ، شمارہ : ٢

''مختلف مکاتب فکر کے بالغ نظر علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے شرعی اور فقہی حیثیت سے ان مسائل پر غور کرنا اور حتی الوسع کسی اجتماعی فیصلہ پر پہنچنا جو زمانہ کے نئے حالات اور ایجادات نے پیدا کئے ہیں اور ان کا واضح حکم ہماری فقہ میں موجود نہیں ہے اور جن مسائل سے اس نئے دور میں عامۃ المسلمین کے لئے ناقابل عبور دشواریاں پیدا ہو گئیں ہیں، فقہ کی مسلّم مگر وسیع حدود کی پابندی کرتے ہوئے غور و فکر کر کے ان میں آسانیاں پیدا کرنا اور مسلم پرسنل لاء کی اس طرح تنقیح و ترتیب اور قانونی شکل میں تدوین جس سے ان غلطیوں کی بھی تصحیح ہو، جو ہندوستان کے رائج الوقت ''محمڈن لاء'' میں داخل ہو چکی ہیں اور اسلامی شریعت میں ان کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے، مگر زمانہ حال کے پیدا کردہ مسائل کے حل کے نام سے نام نہاد ترقی پسندوں اور مغربی تمدن سے مرعوب ذہنوں کی تکمیل یا مسلم ملکوں کے بعض ''اصلاحی قوانین'' کی نقالی نہ کرنا، بلکہ صحیح اسلام کی روشنی میں وسعت نظر اور فراخی قلب کے ساتھ مسائل پر غور و فکر کیا جانا مجلس کا بنیادی اُصول قرار دیا گیا''۔(۱)

مجلس کے ذمہ داران واراکین

مجلس نے مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کے لئے ہندوستان کے تمام مکاتب فکر کے ممتاز علماء، دانشوران اور ماہرین فقہ وافتاء کی ایک مجلس تشکیل دی، اس کے سرپرست اور صدر عالم اسلام

(۱) تعمیر حیات: مئی ۱۹۷۲ء

کے مایہ ناز مفکر اور بالغ نظر عالم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ مقرر ہوئے، جب کہ بقیہ سارے حضرات اس کے اراکین بنے، اراکین کی فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مجلس نے کتنے ارباب فن کو اپنے پلیٹ فارم پر جمع کیا اور کس بلند معیاری کے ساتھ اس کا کام کا آغاز کیا۔

بنیادی ارکان جن کی منظوری حاصل ہوچکی تھی، کی فہرست جو ۲۵/ ستمبر ۱۹۶۳ء کے تعمیر حیات میں چھپی تھی، اس طرح ہے :

۱-	مولانا عبدالماجد دریابادیؒ	ضلع بارہ بنکی
۲-	مولانا منت اللہ رحمانیؒ	امیر شریعت بہار واڑیسہ وسجادہ نشیں خانقاہ مونگیر
۳-	مولانا منظور صاحب نعمانیؒ	مرکز تبلیغ واصلاح کچہری روڈ مدیر الفرقان لکھنؤ
۴-	مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی	مئوناتھ بھنجن
۵-	مولانا فخر الدین صاحبؒ	استاذ دارالعلوم دیوبند
۶-	مولانا شاہ معین الدین صاحب ندویؒ	دارالمصنفین اعظم گڑھ
۷-	مولانا عمران خان ندویؒ	تاج المساجد بھوپال
۸-	مولانا ابوالليث اصلاحی ندویؒ	سوئی والان دہلی
۹-	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب	ندائے ملت لکھنؤ
۱۰-	مولانا اویس نگرامی ندویؒ	استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء
۱۱-	مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ	صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
۱۲-	مولانا رضا احمد انصاریؒ	فرنگی محل لکھنؤ
۱۳-	مولانا تقی امینیؒ	سیحہ بارہ بنکی
۱۴-	مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ	ندوۃ المصنفین دہلی

۱۵- مولانا اسحٰق سندیلوی ندویؒ — استاذ ندوۃ العلماء

۱۶- مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ — مہتمم دار العلوم دیوبند

۱۷- مولانا عبد الصمد رحمانی صاحبؒ — نائب امیر شریعت امارت شرعیہ بہار واڑیسہ

۱۸- مولانا عبد الرحمٰن پالن پوریؒ — مہتمم دار العلوم چھاپی ضلع بناس کانٹھا گجرات

۱۹- مولانا شاہ عون احمد قادریؒ — خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

۲۰- مولانا مجیب اللہ ندوی — دار المصنفین اعظم گڑھ

۲۱- مولانا ظفیر الدین صاحب — مفتی دار العلوم دیوبند (۱)

مجلس کی بحث و تحقیق کا منہج

مجلس کے ذمہ داروں نے نئے مسائل پر غور وفکر کرنے کے لئے سب سے پہلے ان مشکل مسائل کی نہرست تیار کی، جن کا حل دریافت کرنا وقت کی اہم ضرورت تھی اور ملت اس کے لئے سرتاپا انتظار بنی ہوئی تھی، پھر ان میں سے کسی ایک مسئلہ کو منتخب کیا جاتا اور اس کی تفصیلی نوعیت سوالات کی شکل میں تمام اراکین کے پاس بھیج دیا جاتا، اس کے بعد جب تمام اراکین کی طرف سے اس کے جوابات جمع ہو جاتے، تو تمام اراکین مجلس کسی دن جمع ہوتے اور اس مسئلہ سے متعلق دئے گئے جوابات کی روشنی میں اجتماعی غور وفکر کرتے، دلائل کی تنقیح ہوتی اور بحث ومباحثہ کے بعد کسی ایک نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی، پھر اس کے بعد ایک اجتماعی فیصلہ کے طور پر اس کو عوام کے سامنے پیش کر دیا جاتا۔

یہ وہی اجتماعی وشورائی طریقہ تھا جو اس سے قبل بھی سلفِ صالحین کے عہد میں رائج رہا ہے اور بعض ائمہ مجتہدین نے اسی طریقہ سے فقہ کی تدوین کی، بس فرق اتنا تھا کہ پہلے یہی کام وسعت کے ساتھ انجام پاتا اور اب محدود دائرے میں، اس لئے علماء و محققین کے اس اجتماعی فیصلہ کو فقہی

(۱) تعمیر حیات: ۲۰/ ستمبر ۱۹۶۳ء

اصطلاح میں ''اجتماعی اجتہاد'' ضرور کہا جاسکتا ہے، مجلس کے ان محققین کی بحث وتحقیق کا انداز کیا تھا؟ اس کی وضاحت کے لئے بانی مجلس کی ایک عبارت پیش کردینا کافی ہوگا، جس میں نہ صرف بانی مجلس کی فکر نمایاں ہے بلکہ آئندہ انجام پانے والے کام کے سلسلہ میں اُصولی نقطہ نظر کی وضاحت بھی ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اس مجلس کے تاسیسی جلسہ میں اپنا قیمتی مقالہ پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''ہم اس حقیقت کا بھی برملا اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے لئے کوئی مسلم ملک قطعی وکلی طور پر واجب الاتباع اور قابل التقلید ہیں اور نہ کسی ملک کے جدید رجحانات، نئے قوانین اور حکومت کے فیصلے ہمارے لئے حجت بن سکتے ہیں، کہ یہ کوئی شرعی اور فقہی دلیل نہیں، قانون اسلامی کے ماخذ اور اس کی بنیادیں کتاب وسنت، اجماع وقیاس عالمگیر ودائمی ماخذ ہیں اوران ہی کی روشنی میں کام ہوا ہے اور آئندہ کام ہوگا، ایک مسلمان کے لئے کسی دوسرے مسلمان کا عمل یا رجحان حجت نہیں بن سکتا، حجت صرف اللہ کی کتاب ہے، اس کے رسول کی سنت صحیحہ، استنباط کے وہ ماخذ اور سرچشمے ہیں جن پر کسی ملک یا قوم کی اجارہ داری نہیں اور امام احمد بن حنبلؒ کی زبان سے نکلا ہوا یہ فقرہ اب بھی فضا میں گونج رہا ہے اور قیامت تک گونجتا رہے گا، کہ: **ائتونی بشئیٍ من کتاب اللہ و سنۃ رسول اللہ حتیٰ اقول بہ**، اس لئے کسی ایسے مسئلہ میں جس میں غلط تجدد، مغربی افکار واقدار سے مرعوبیت، قانون سازی میں

سطحیت وعجلت صاف جھلکتی ہو اور شرعی اُصول اس کی تائید نہ کرتے ہوں، ہمارے لئے کسی بڑے سے بڑے مسلمان یا عرب ملک کا کوئی فیصلہ یا قانون حجت نہیں بن سکتا، اگر سارا عالم اسلام کسی غلط چیزوں پر اتفاق کرے اور سارے مسلمان ممالک اور وہاں کے علماء کوئی غلط فیصلہ کرلیں یا اپنے حدود سے تجاوز کرلیں تو بھی ہم ہندوستانی مسلمان شریعت اسلامیہ کو اپنے سینے سے لگائے رکھنے اور خدا کے قانون کو آخری قانون سمجھتے رہنے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور اگر خدانخواستہ سارا عالم اسلام بھی دین وشریعت سے انحراف کرے تو بھی کسی چھوٹی سے چھوٹی اقلیت کے لئے بھی یہ انحراف حجت اور وجہ جواز نہ ہوگا"۔(۱)

مجلس کے چند اجتماعی فیصلے

مجلس نے جدید مسائل کے حل کے لئے اجتماعی اجتہاد کا جو طریقہ اختیار کیا تھا، اس کے مطابق چند اہم ترین مسائل کے متعلق بہت ہی معتدل ومتوازن فیصلے ہوئے، گرچہ یہ سلسلہ زیادہ آگے نہ بڑھ سکا، لیکن اس کے باوجود اس نوعیت کا جو کچھ کام ہوا وہ علمی دنیا کا عظیم کارنامہ ہے، اس کے علاوہ اس سے ہندوستان میں فقہی مسائل کے لئے اجتماعی غور وفکر کی نئی روایت قائم ہوئی، جو بعد کے سالوں میں تاریخی اعتبار سے بڑی مفید ثابت ہوئی اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نور اللہ مرقدہ کی قیادت ورہنمائی میں اسلامک فقہ اکیڈمی نے جو عظیم الشان کارنامے انجام دیئے اور اب اس کے تحت جو علمی وفقہی کام ہو رہے ہیں، اس کی تاسیس کی راہ دکھانے میں اس ادارہ کا بھی حق تھا، تو بے جا نہ ہوگا۔

---

(۱) تعمیر حیات: مئی ۱۹۷۲ء

مجلس کے زیر اہتمام جن چار مسائل پر تحقیق ہوئی، اس کا خلاصہ ذیل کی سطروں میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ مسائل اس وقت کے لحاظ سے کتنے اہم تھے، نیز ان کے متعلق جو فیصلہ کیا گیا وہ کتنا صحیح اور مناسب ثابت ہوا۔

انشورنس کا مسئلہ

ارباب مجلس نے سب سے پہلے بیمہ (انشورنس) کے مسئلہ کو غور وفکر کا موضوع بنایا، اس وقت مولانا اسحٰق سندیلوی ندویؒ استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء اس کے ناظم تھے، انھوں نے بیمہ سے متعلق ایک تفصیلی سوال نامہ تیار کیا، جس میں بیمہ کی حقیقت اور اس کے تحت پیدا ہونے والے مسائل اور اس کی صورتوں کی وضاحت کی، پھر تمام اراکین کے پاس اس سوال نامہ کو بھیج دیا۔

جب اس کے متعلق جوابات آ گئے تو ۱۶/۱۵/ دسمبر ۱۹۶۵ء کو تمام اراکین اس پر غور وفکر کے لئے جمع ہوئے، یہ حضرات بحث وتمحیص اور اور مذاکرہ کے بعد جس نتیجہ پر پہنچے وہ حسب ذیل ہے:

> ''مجلس یہ رائے رکھتی ہے کہ اگر سب شکلوں کے لئے ربوا وقمار لازم ہے اور ایک کلمہ گو کے لئے ہر حال میں اسلامی اُصول پر قائم رہنے کی کوشش کرنا واجب ہے، لیکن جان ومال کے تحفظ وبقاء کا جو مقام شریعت اسلامیہ میں ہے، مجلس اسے بھی وزن دیتی ہے، نیز مجلس اس صورتِ حال سے بھی صرف نظر نہیں کرسکتی کہ موجودہ دور میں نہ صرف ملکی بلکہ بین الاقوامی راستوں سے انشورنس انسانی زندگی میں اس طرح دخیل ہوگیا کہ اس کے بغیر اجتماعی کاروباری زندگی میں طرح طرح کی دشواریاں پیش آتی ہیں اور جان ومال کے تحفظ کے لئے بھی بعض حالات میں اس سے مفر ممکن نہیں ہوتا، اس لئے

ضرورت شدیدہ کے پیش نظر (جان یا اہل وعیال یا مال کے
ناقابل برداشت نقصان کا قوی اندیشہ ہو) اگر کوئی شخص اپنی
زندگی یا اپنی جائداد کا بیمہ کرائے تو مذکورہ بالا —— ائمہ کرام
کے قول کی بناء پر شرعاً اس کی گنجائش ہے"۔(۱)

اس فیصلہ پر دستخط کرنے والوں میں حسب ذیل علماء کرام شامل ہیں :

۱- جناب مولانا عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی

۲- مولانا ظفیر الدین صاحب دار العلوم دیوبند

۳- مولانا ابو اللیث اصلاحی ندویؒ

۴- مولانا محمد رضا انصاری صاحب فرنگی محلؒ

۵- جناب مولانا شاہ معین الدین صاحب ندویؒ

۶- جناب مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ

۷- جناب مولانا فخر الحسن صاحبؒ دار العلوم دیوبند

۸- مولانا محمد اسحٰق سندیلوی ندویؒ

۹- جناب مولانا شاہ عون احمد قادری خانقاہ مجیبیہ

۱۰- جناب مولانا اویس صاحب ندویؒ ۔(۲)

رویتِ ہلال کا مسئلہ

رویت ہلال کا مسئلہ اس زمانہ میں کچھ زیادہ ہی علماء کی توجہات کا مستحق بن چکا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ گذشتہ صدیوں میں مطلع کی بحث اس مسئلہ کی آخری منزل سمجھی جاتی تھی، لیکن اب جدید تحقیقات و اکتشافات کی وجہ سے اس میں چند در چند اضافہ ہو چکا تھا، ایک طرف ہوائی جہاز

(۱) تعمیر حیات: ۲۵/دسمبر ۱۹۶۵ء (۲) حوالہ سابق

اور راکٹوں کے ذریعہ چاند کے قریب پہنچ کر چاند دیکھنے کی خواہش پوری ہورہی تھی تو دوسری طرف چاند کی خبر سیکنڈوں میں دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچانے والے آلات وجود میں آچکے ہیں اور اپنی خدمت رویت ہلال کی اطلاع کے لئے پیش کر چکے ہیں۔

ایسے وقت میں ضرورت تھی کہ اس حساس مسئلہ کی طرف علماء متوجہ ہوں اور امت کی رہبری کے تعلق سے اپنا فریضہ ادا کریں، چنانچہ اس وقت کے اس اہم مسئلہ پر مجلس کے ارباب نے صدائے لبیک بلند کی، ۱۹۶۷ء کے کسی مہینہ میں اس کو غور وفکر کا موضوع بنایا گیا اور ابتدائی مراحل کی تکمیل کے بعد ۳/ ۴/ مئی ۱۹۶۷ء کو فیصلہ کے لئے علماء وارا کین مجلس کا اجتماع ہوا، اس میں سوال وجواب، بحث ومباحثہ اور ہر پہلو پر پوری ذمہ داری کے ساتھ غور وفکر کے بعد یہ حضرات جس نتیجہ پر پہنچے وہ فیصلہ کی شکل میں امت کے گوش گزار کر دیا گیا۔

اس فیصلہ کے چند اہم نکات اس طرح ہیں :

۱- ہندوستان و پاکستان کے بیشتر حصوں اور بعض قریبی ملکوں مثلاً نیپال وغیرہ کا مطلع ایک ہے، علماء ہند و پاک کا عمل ہمیشہ اس پر رہا ہے اور غالباً تجربہ سے بھی یہی ثابت ہے، ان ملکوں کے شہروں میں اس قدر بُعد مسافت نہیں ہے کہ مہینہ میں ایک دن کا فرق پڑتا ہو، اسی بنیاد پر ان دونوں ملکوں میں جہاں بھی چاند دیکھا جائے، شرعی ثبوت کے بعد اس کا ماننا ان دونوں ملکوں کے تمام اہل شہر پر لازم ہوگا۔

۲- ہوائی جہاز سے اتنی بلندی پر اُڑ کر چاند دیکھنا جس سے مطلع متاثر ہوتا ہے، معتبر نہیں ہے اور شریعت نے اس کا مکلّف بھی نہیں بنایا ہے، فقہی کتابوں میں جہاں اونچی جگہ چڑھ کر چاند دیکھنے کا تذکرہ ملتا ہے، اس سے مراد وہ اونچائی ہے جو عموماً شہر میں ہوا کرتی ہے —— لہٰذا ہوائی جہاز سے اس قدر اونچائی پر پہنچ کر اگر چاند دیکھا جائے جس سے مطلع بدل جاتا ہے، وہ وہاں کی زمین والوں کے لئے معتبر رویت قرار نہیں پائے گی۔

۳- ریڈیو سے رویت ہلال کا اعلان خبر ہے، شہادت اصطلاحی نہیں ہے، ریڈیو کی مطلقاً اجمالی خبر کہ فلاں شہر میں چاند دیکھا گیا ہے، یا کل عید منائی جائے گی، قابل قبول نہیں ہے اور صرف اس طرح کی خبر پر صوم یا افطار درست نہیں ہے، اسی طرح ایک ہی جگہ کی خبر کے متعلق مختلف شہروں کے ریڈیو کا اعلان بھی قابل توجہ نہیں ہے۔

۴- ریڈیو کے جس اعلان پر صوم یا افطار صوم کا حکم دیا جائے گا، اس کے لئے ضروری یہ ہے کہ تفصیلی ہو اور ذمہ دار علماء کی طرف سے ہو، یا کم از کم ان کی ذمہ داری کے حوالہ سے ہو کہ انھوں نے باضابطہ شرعی شہادت لے کر چاند کے ہو جانے کا فیصلہ کیا ہے۔

۵- ریڈیو پر اعلان کرنے والا اگر کوئی متدین مسلمان نہ ہو، بلکہ ریڈیو کا غیر مسلم ملازم ہو اور وہ خبر ذمہ دار ہلال کمیٹی یا جماعت علماء یا قاضی شریعت (بتصریحِ نام) کا اعلان کرے، تو یہ چیزیں قابل قبول ہوں گی اور صوم وافطار کا حکم درست ہوگا۔

۶- مختلف شہروں کے ریڈیو الگ الگ خبر دیں کہ یہاں یہاں چاند دیکھا گیا، تو اس تعدد خبر کی بنیاد پر غور کر کے فیصلہ کرنا کہ یہ خبر مستفیض ہے یا نہیں اور یہ اعلان قابل اعتبار ہے یا نہیں، علماء کا کام ہے، عوام کا فیصلہ نا قابل قبول ہوگا۔

۷- تار، خط، ٹیلی فون کی خبر معتبر نہیں ہے، ہاں اگر خصوصی انتظام کے تحت متعدد جگہوں سے تار ٹیلی فون یا خط آئیں اور علماء محسوس کریں کہ اس سے ظن غالب پیدا ہوتا ہے، تو اس بنیاد پر علماء کا فیصلہ قابل قبول ہوگا۔ (۱)

اس فیصلہ پر دستخط کرنے والوں کے نام اس طرح ہیں :

۱- جناب مولانا عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ

۲- جناب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

---

(۱) تعمیر حیات: ۱۰/ مئی ۱۹۶۷ء

۳- جناب مولانا عون احمد قادریؒ

۴- جناب مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مدظلہ

۵- جناب مولانا عمران خان صاحب

۶- جناب مولانا اُویس صاحبؒ

۷- جناب مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب

۸- جناب مولانا معین الدین ندوی صاحبؒ

۹- جناب مولانا منظور نعمانی صاحبؒ

۱۰- جناب مولانا اسحٰق سندیلوی ندوی صاحبؒ (۱)

نس بندی کا مسئلہ

ہندوستان کی تاریخ پر نظر رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ بیسویں صدی کی سترہویں دہائی میں مسلمانان ہند جن مسائل سے دوچار تھے، ان میں ایک نس بندی (فیملی پلاننگ) کا مسئلہ بھی تھا، جو زیر اقتدار حکومت کی سرپرستی میں قانون بننے کے قریب تھا اور پورے ہندوستان میں طاقت کے زور پر اس کو نافذ کیا جارہا تھا، گویا خاندانی منصوبہ بندی کی جو آواز چند سالوں قبل اُٹھائی جارہی تھی، اس کا دور شباب آچکا تھا اور یہ تحریک ہندوستان میں قانون بن کر اپنی انتہاء کو پہنچ گئی تھی۔

حالاں کہ گورنمنٹ کا یہ قانون صراحتاً شریعت اسلامی کے خلاف تھا اور تمام علماء کا متفقہ نقطہ نظر بھی یہی تھا کہ نس بندی جائز نہیں ہے، مجلس نے بھی وقت کی نزاکت کے پیش نظر اس مسئلہ کی طرف توجہ دی، چوں کہ جمہور علماء اس کے عدم جواز پر متفق تھے، اس لئے اجتماعی سطح پر غور وفکر کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی، بلکہ اس کے متعلق ایک فتویٰ مرتب کرکے جمیع اراکین مجلس کے پاس بھیج دیا گیا، جب ان حضرات نے اس سے اتفاق رائے کا اظہار کیا تو پھر اس کو شائع کردیا گیا۔

---

(۱) تعمیر حیات: ۱۰/ مئی ۱۹۶۷ء

اس فتویٰ کی عبارت اس طرح تھی :

''معاشیات کی کتابیں دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ان اُصول ونظریات کی بنیاد عموماً ناقص استقراء پر ہوتی ہے اوران کی صحت کا امکان پچاس فیصدی سے زائد نہیں ہوتا، مالتھس کا نظریہ آبادی بھی اسی قسم میں داخل ہے اور اسے یقینی کیا ظنی بھی نہیں کہا جاسکتا ہے، زیادہ سے زیادہ اسے ایک احتمال قوی کا درجہ دیا جاسکتا ہے، اس لئے اس کی بنیاد پر اجتماعی ضبط تولید کا اقدام بالکل غیر ضروری، نامناسب اور غیر عاقلانہ ہے، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اُمت محمدیہ علیہ الف الف تحیۃ کی تعداد بڑھنے سے روکنا اس حکم کی صریح خلاف ورزی ہے، علاوہ ازیں موت وزندگی کسی کے اختیار میں نہیں ہے، اگر دوتین بچوں کے بعد نس بندی کرائی جائے اور وہ بچے قضائے الٰہی سے فوت ہوگئے تو کیسی حیرت ہوگی، اس قسم کے واقعات خاص تعداد میں پیش آتے ہیں، ان دلائل سے یہ واضح ہے کہ مسلمانوں کے لئے اپنے اختیار سے نس بندی کرانا جائز نہیں ہے۔(۱)

اس فتویٰ کی تصدیق جن علماء کرام نے کی تھی ان کے اسماء گرامی جو تعمیر حیات میں شائع ہوئے تھے حسب ذیل ہیں :

۱) مولانا عبد الصمد رحمانی صاحب

۲) جناب مولانا مفتی کفایت اللہ، شاہجہاں پور

(۱) تعمیر حیات: ۲۵/نومبر ۱۹۶۷ء

۳) جناب مولانا شاہ عون احمد قادری پٹنہ

۴) جناب مولانا محمد میاں صاحب مدرسہ امینیہ دہلی

۵) جناب مولانا فخر الحسن صاحب دیوبند

۶) جناب مولانا مجیب اللہ ندوی اعظم گڑھ

۷) جناب مفتی ظفیر الدین صاحب مفتی دار العلوم دیوبند

۸) جناب مفتی ظہور صاحب ندوی مدظلہ (۱)

سرکاری قرضوں کا مسئلہ

وقت کے تقاضا کے مطابق ۱۹۷۱ء کے اوائل میں سرکاری قرضوں کے مسئلہ کو مجلس کے ارکان نے غور وفکر کے لئے منتخب کیا، اس موضوع سے متعلق سوالات بھیجے گئے پھر ۱۵/ مئی ۱۹۷۱ء میں اجتماعی غور وفکر کے لئے مجلس کے ارکان جمع ہوئے، اس کی تفصیلات اور ناظم مجلس کی تمہیدی کلمات ۲۵/ مئی ۷۱ء کے تعمیر حیات کے شمارے میں شائع ہوئی ہیں، لیکن اس کے بعد اس مسئلہ سے متعلق فیصلہ، تجاویز یا اس سلسلہ کی کوئی تحریر تعمیر حیات میں شائع نہیں ہوئی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید مسئلہ کی نزاکت کی وجہ سے اس اجتماع میں کسی فیصلہ پر ارکان کا اتفاق نہ ہوا ہو اور یہ مسئلہ آئندہ کے لئے مؤخر ہو گیا ہو۔ (۲)

مجلس کے فیصلوں پر ایک نظر

مجلس نے اجتماعی غور وفکر کا جو طریقہ اختیار کیا تھا اس میں کامیابی تو ضرور ہوئی، لیکن بعض اسباب کی بناء پر اس کا سلسلہ زیادہ آگے نہ بڑھ سکا، بلکہ اس کے بعد منہج تحقیق میں تبدیلی ہوئی اور پھر اس نئی روش کے ساتھ مجلس اپنی منزل کے جانب محوِ گام رہی، اس اجتماعی طریقہ سے جدید مسائل کے حل میں جو پیش رفت ہوئی وہ ہندوستان کے ارباب بحث وتحقیق کے لئے ایک

---

(۱) تعمیر حیات: ۲۵/ نومبر ۱۹۶۷ء (۲) حوالہ سابق: ۲۵/ مئی ۱۹۷۱ء

نمونہ اورنئی منزل کی تلاش میں ایک کامیاب وقابل تقلید نقش قدم ثابت ہوا، اس کے تحت جو چند فیصلے ہوئے وہ قدر کی نگاہوں سے دیکھے گئے اور اکابر اُمت نے خوش دلی کے ساتھ اس کو قبول کیا، اس قبول عام کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان کے جتنے بلند پایہ علماء اور فقہ وافتاء کے ماہرین ومتخصصین تھے ان سبھوں کا علمی تعاون مجلس کو حاصل رہا، پھر مجلس نے بحث وتحقیق کا جو طرز اختیار کیا وہ اپنے موضوع کے لحاظ سے بہترین طریقہ تھا، اس لئے مسائل کی تہہ تک پہنچنے اور بحر فقہ سے لعل وگہر نکالنے میں زیادہ مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑا، یہی وجہ ہے کہ اصابت رائے اور اعتدال وتوازن کا دامن کہیں بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ پایا۔

مجلس کے فیصلوں کی اہمیت اس لحاظ سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس کے بعد جن فقہی کمیٹیوں نے ان مسائل پر غور وخوض کیا یا مشہور اداروں سے جو فتاویٰ شائع ہوئے انھوں نے نہ صرف مجلس کے فیصلوں سے اتفاق کیا بلکہ اسی کے فیصلوں پر اعتماد کرتے ہوئے اپنا فیصلہ سنایا، اس کی ایک مثال اسلامک فقہ اکیڈمی کا بیمہ سے متعلق اجتماعی فیصلہ ہے، جس میں ''مجلس تحقیقات شرعیہ'' ندوۃ العلماء کے حوالہ سے اتفاق رائے ہوا تھا۔(۱)

مجلس کے کام کی وسعت

اس درمیان مجلس کی شہرت محدود دائرے سے نکل کر ہندوستان گیر بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ عالمگیر ہوگئی، مختلف ذرائع سے مجلس سے واقفیت اور اس کے مقصد قیام سے مطلع ہونے کے بعد نیز صدر مجلس کی عالمی شہرت کی وجہ سے نہ صرف ہندوستان کے گوشہ گوشہ بلکہ بیرون ہند مثلاً عرب ممالک، سری لنکا، انگلینڈ، امریکہ، کنیڈا وغیرہ دور دراز ملکوں سے پیچیدہ اور عصری مسائل سے متعلق سوالات کا ایک وسیع سلسلہ شروع ہوگیا، بعض سوالات اتنی تفصیل کے محتاج ہوتے کہ ان کے جوابات دس دس اور پندرہ پندرہ صفحات پر مشتمل ہوتے۔(۲)

(۱) مجلہ فقہ اسلامی (مسائل الزکاۃ، پانچواں سیمینار) ص: ۹۴۸ (۲) تعمیر حیات: اکتوبر ۷۵ء

اس کے علاوہ ملک و بیرون ملک کی فقہی و تحقیقی مجلسوں اور سیمیناروں میں مجلس کی ضرورت محسوس کی جانے لگیں، چنانچہ مجلس کی طرف سے نمائندگی کے لئے ناظم مجلس مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی مدظلہ نے اندرون ملک کے علاوہ انگلینڈ، ملیشیا، کنیڈا، الجزائر، امریکہ، جنوبی افریقہ، اور عرب ممالک کا متعدد سفر کیا اور وہاں کے علمی و فقہی کانفرنسوں میں شرکت کی اور زیر بحث مسائل میں اپنی معتدل و متوازن فکر اور محققانہ نقطہ نظر کے ذریعہ مجلس کی ترجمانی کی۔

اسی کے ساتھ ملک کے اندر متجددین اور روشن خیال افراد کی طرف سے قانون شریعت کے بعض حصوں پر الزام تراشیوں اور اس کی غلط یا من مانی توجیہوں کا سلسلہ آئے دن چلتا رہتا ہے، ایسے لوگوں کی پھیلائی ہوئی غلطیوں کی نشاندہی اور غیر صحیح توجیہوں کا تجزیہ اور اس کی تغلیط بھی علمی و تحقیقی انداز میں پیش کی گئی، جس کی ایک نمایاں مثال فیضی صاحب کے مقالہ ''مسلم پرسنل لاء'' کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ ہے، جسے ارباب علم و اصحاب بصیرت نے غایت درجہ پسند کیا، اور اسے اہم فریضہ کی ادائے گی سے تعبیر کیا۔

اجتماعی اجتہاد سے انفرادی تحقیق کی طرف

۱۹۷۲ء میں ناظم مجلس مولانا برہان الدین سنبھلی مدظلہ نے اس خیال کا اظہار کیا کہ:

> ''مجلس کے بعض اہم ذمہ داروں کا خیال ہے کہ پیش آمدہ پیچیدہ مسائل میں سے ہر ہر مسئلہ پر تحقیقی انداز میں رسالے لکھے جائیں اور اس طرح جدید مسائل کا حل پیش کیا جائے، مسائل کے حل کی یہ شکل زیادہ مؤثر ہونے کے علاوہ قدماء کے طرز سے ہم آہنگ بھی ہے''۔(۱)

مجلس کے طریقہ کار میں یہ عظیم تر تبدیلی کیوں کر واقع ہوتی، اس کی وضاحت کرتے ہوئے

---

(۱) تعمیر حیات: مئی ۱۹۷۲ء

موجودہ ناظم مجلس ۱۹۷۵ء کے تعمیر حیات میں تحریر فرماتے ہیں :

" مجلس کے بیدار مغز ذمہ داروں خصوصاً اس کے صدر محترم نے اس اہم ضرورت کا شروع ہی میں احساس کرلیا تھا کہ مختصر یا طویل وقفہ کے بعد علماء کا محض بحث ومباحثہ اور تبادلۂ خیالات کے لئے یکجا ہونا نہ صرف یہ کہ کافی نہیں ہے بلکہ بالغ نظری اور وسعت علمی کے باوجود بغیر کسی خاص تیاری اور موضوع بحث کے گہرے مطالعہ کے بدون، مجلس مذاکرہ میں شرکت کی تکلیف دینے سے ان جلیل القدر علماء کے قیمتی اوقات کی پوری قدر نہیں ہوتی، نہ اس سے مسائل کے حل میں کوئی حقیقی اور نتیجہ خیز مدد ملتی ہے، اس لئے یہ مہم سر کرنے کے لئے کسی ایک بالغ نظر، نکتہ رس عالم کا مستقل وقت لگنا ضروری ہے، جو اگر ایک طرف قانون اسلامی کے متداول وغیر متداول ماخذ پر گہری نظر رکھتا ہو، تو دوسری طرف حالات وزمانہ کی رفتار سے پوری طرح باخبر اور عصری تقاضوں کا پورا شعور رکھتا ہو، تاکہ اپنے عمیق مطالعہ، وسیع نظر اور تحقیق وتدقیق میں غیر معمولی انہماک کے ساتھ دیگر ممتاز قیمتی آراء اور ان کی علمی تحقیقات اور وسیع معلومات سے استفادہ کر کے مجلس کے مقاصد کی تکمیل کا مؤثر ذریعہ بنے۔(۱)

طریقہ کار کی اس تبدیلی کے اسباب خواہ جو بھی ہوں، لیکن یہ حقیت ہے کہ ۷۲ء کے بعد

---

(۱) تعمیر حیات: اکتوبر ۱۹۷۵ء

سے مجلس کے کام میں نمایاں تبدیلی آئی اور علم وفقہ کا یہ کارواں اجتماعی اجتہاد سے انفرادی تحقیق وتدقیق میں مدغم ہوگیااور اس کی ایک خصوصی وامتیازی حیثیت گم ہوکر رہ گئی۔

موجودہ صورت حال

اس کے بعد سے اب تک مجلس کی سرگرمیاں اسی طرح جاری ہیں، ناظم مجلس حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی شیخ التفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء اپنی ساری قوت جدید مسائل کی تحقیق میں صرف کررہے ہیں، شروع سے ہی آپ کی تحقیقات مقالات کی صورت میں اہل علم سے خراج تحسین وصول کررہے ہیں اور اب تک آپ کے قلم سے سینکڑوں مسائل کی تحقیق سامنے آچکی ہے اور ان علمی وتحقیقی مقالات کے کئی مجموعے شائع بھی ہوچکے ہیں، جن میں ''قضايا فقهية معاصرة'' (عربی میں) ''جدید طبی مسائل''، ''بینک، انشورنس اور سرکاری قرضے'' اور ''موجودہ زمانہ کے مسائل کا شرعی حل'' کافی اہم ہیں، مولانا مدظلہ کے مقالات کا بڑا حصہ اب تک زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہوسکا ہے، اگر یہ سب کتابی صورت میں آجائیں تو جدید فقہ اسلامی کے لٹریچر میں گراں قدر اضافہ ہوگا اور اس سے جدید مسائل کے حل میں بڑی مدد ملے گی۔

مجلس کی سرگرمیوں کا ایک بڑا حصہ ان فتووں کی شکل میں موجود ومحفوظ ہے، جو ناظم مجلس نے اہم فقہی سوالات کے جواب میں تحریر فرمائے ہیں، آپ کے اکثر فتاویٰ کافی طویل اور پورے تحقیقی انداز میں لکھے ہوتے ہیں ان میں بعض تو پندرہ اور بیس صفحات پر بھی مشتمل ہیں، اگر یہ بھی منظرِ عام پر آجائیں تو اہل علم کے لئے ایک بیش قیمت علمی تحفہ ہوگا۔

مجلس کے ذمہ داروں پر ایک نظر

اس بحث کو ختم کرنے سے قبل ایک نظر مجلس کے ذمہ داروں پر بھی ڈالنا مناسب ہوگا، تاکہ ظاہر ہوسکے کہ مجلس کے تحت جو کچھ کام ہوا ہے یا ہورہا ہے، وہ کن حضرات کی علمی وعملی کاوشوں کا مرہونِ منت ہے۔

مجلس کے بانی وصدر اور سرپرست اول، عالمی شہرت کے حامل حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تھے، لیکن آپ نے کام کی ساری ذمہ داری ناظم مجلس کے سپرد کی تھی، ذیل میں اس منصب پر فائز ہونے والے مؤقر حضرات کے مختصر حالات ذکر کئے جاتے ہیں:

مولانا محمد تقی امینی صاحبؒ

جناب مولانا تقی امینی صاحب ۵/ مئی ۱۹۲۶ء مطابق ۲۲/ شوال ۱۳۴۴ھ کو اتر پردیش کے ضلع بارہ بنکی، قصبہ سیجہ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد محترم کا نام عبدالحلیم تھا، ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی، پھر جامع العلوم کانپور میں تحصیل علم کیا، جہاں سے مدرسہ امینیہ بھیجے گئے، یہاں آپ نے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور اس وقت کے دیگر اکابر علماء سے اکتسابِ فیض کی سعادت حاصل کی۔

مدرسہ امینیہ سے فراغت کے بعد مدرسہ سبحانیہ دہلی، جامع العلوم کانپور، مدرسہ فرقانیہ، مدرسہ ثانویہ ناگپور اور دارالعلوم معینیہ اجمیر میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء تشریف لائے، پھر یہاں سے ۱۹۶۴ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بلائے گئے، جہاں آپ لکچرار اور ناظم سنی دینیات مقرر ہوئے اور ۱۹۸۴ء تک یہ خدمات انجام دیتے رہے، اس وقت کے وائس چانسلر سید حامد صاحب تھے، انھوں نے لکچررشپ کی مدت ختم ہونے کے بعد آپ کو پروفیسر شپ کی پیشکش کی، چنانچہ اس کے بعد اگست ۱۹۸۶ء تک صدر شعبہ سنی دینیات اور ڈین فیکلٹی آف تھیالوجی کی حیثیت سے تعلیمی وانتظامی فرائض انجام دیتے رہے، اس کے بعد پھر سابق وائس چانسلر سید ہاشم علی صاحبؒ نے آپ کی ملازمت میں ۱۹۸۹ء تک کی توسیع کی، اس طرح دین وملت کی بہترین خدمات انجام دیتے ہوئے ۳۱/ جنوری ۱۹۹۱ء کو اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی، انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم فقہ اسلامی کی تدوین جدید کے حامیوں میں سے تھے اور اس موضوع پر ان کی

تحریریں بہت وقیع سمجھی جاتی ہیں، جن میں ''اسلام کا زرعی نظام''، ''فقہ کا تاریخی پس منظر''، ''اجتہاد کا تاریخی پس منظر'' اور ''مسئلہ اجتہاد پر تحقیقی نظر'' بہت اہم ہیں، ان کے علاوہ ''حدیث کا درایتی معیار''''احکام شرعیہ میں حالاتِ زمانہ کی رعایت''، ''لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر''، ''تہذیب کی تشکیل جدید'' اور ''کائنات میں انسان کا مقام'' وغیرہ تصنیفات بھی دینی و علمی حلقوں میں بہت مقبول ہوئیں، اخیر عمر میں ''ہدایت القرآن'' کے عنوان سے قرآن پاک کی تفسیر بھی شروع کی تھی، لیکن سورہ مائدہ تک ہی پہنچے تھے کہ زندگی کا چراغ گل ہوگیا۔

مولانا مرحوم کی نظر فقہ اسلامی پر بڑی گہری تھی، قدیم وجدید دونوں ماخذ پر یکساں دسترس حاصل تھی، اسی کے ساتھ زمانہ کے انقلابات سے بخوبی واقف تھے، اس لئے دور حاضر کے لئے فقہ اسلامی کی تدوین جدید کے پرزور حمایت کرتے تھے، چنانچہ متعدد مدارس میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد جب دارالعلوم ندوۃ العلماء تشریف لائے تو یہاں اپنی فکر کو عملی جامہ پہنانے کا وسیع میدان میسر آیا، چنانچہ آپ پورے انہماک اور دلچسپی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوگئے، اس کا مکمل خاکہ تیار کیا، پھر دارالعلوم کے ذمہ داروں کو اس اہم دینی ضرورت کی طرف متوجہ کیا اور انھیں گفت وشنید کے ذریعہ عملی اقدام پر راغب کیا۔

آپ کی کاوش کے نتیجہ میں مجلس کی بنیاد تیار ہوئی اور ستمبر ۱۹۶۳ء میں مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء کے لبادہ میں جلوہ گر ہوئی، لیکن یہ عجیب واقعہ ہے کہ مجلس جلد ہی اپنے بڑے محسن اور اصل محرک سے محروم ہوگئی، البتہ مجلس کا جو خاکہ آپ نے تیار کیا تھا اس کے مطابق کام آگے بڑھتا رہا اور بعد میں جو سرگرمیاں انجام پذیر ہوئیں وہ سب آپ کی کوششوں کے رہین منت ہیں۔(۱)

مولانا اسحٰق سندیلوی ندوی صاحبؒ

مولانا تقی امینیؒ کے علی گڑھ جانے کے بعد مجلس کی نظامت کی ذمہ داری دارالعلوم کے ایک

---

(۱) ملخص از تعمیر حیات: ۱۰/ فروری ۱۹۹۱ء

موٴقر، بالغ نظر اور تجربہ کار استاذ حضرت مولانا محمد اسحٰق سندیلوی ندوی پر ڈالی گئی، آپ نے پورے انہماک کے ساتھ اس مشن کو آگے بڑھایا، اپنے تحقیقی ذوق اور وسعت مطالعہ کے ذریعہ اس کو وسعت دی، مجلس کو اپنے مقاصد سے ہمکنار کرنے میں پورا وقت صرف کیا اور اپنی جد وجہد، دینی جذبہ اور تحقیقی مزاج کے نتیجہ میں اس مبارک تخم کو شجر سایہ دار بنا کر اہل علم میں متعارف کرایا۔

مولانا تقی امینیؒ صاحب نے مسائل کی تحقیق کا جو طریقہ متعین کیا تھا اس میں نہ صرف مولانا نے رنگ وروغن بھرنے کا کام کیا بلکہ اپنی بلندی فکر، جدید وقدیم سے واقفیت اور عصری علوم سے آگاہی کی وجہ سے اس میں چار چاند لگادیئے، مجلس کے زیر اہتمام جو شروع کے تین اہم اجتماعی فیصلے ہوئے، وہ آپ کی ہی مخلصانہ کاوشوں کا نتیجہ ہیں، بیمہ سے متعلق جو سوال نامہ آپؒ نے تیار کیا تھا اس سے آپ کی نکتہ رسی، جزئیات سے واقفیت اور جدید اُصول ونظریات سے آگاہی پوری طرح نمایاں ہوتی ہے۔

مولانا اسحٰق سندیلوی ندویؒ لکھنؤ سے ۵۴ کلومیٹر دور مغرب میں واقع شہر ''سندیلہ'' کے رہنے والے تھے، آپ کے والد ماجد سندیلہ کے ایک معزز صدیقی خاندان کے چشم وچراغ تھے اور پولیس کے ایک بڑے عہدے پر فائز تھے، مولانا مرحوم نے کچھ مدت مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ میں تعلیم حاصل کیا، اس کے بعد ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا اور امتیازی نمبرات سے سند فراغت حاصل کی، اس کے بعد پرائیوٹ طریقہ سے عصری علوم کی تحصیل کی اور اس فن میں بھی مہارت پیدا کیا۔(۱)

اس طرح دینی وعصری علوم کی تحصیل کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء کے استاذ مقرر ہوئے، دار العلوم میں مولانا کے پاس دینیات کے مضامین کے علاوہ علوم اجتماعیہ کے بھی بعض مضامین تھے، مثلاً معاشیات اور سیاسیات کے بعض مضامین آپ پڑھاتے تھے، ترجمہ وتفسیر قرآن کے چند اسباق آپ کے ذمہ تھے، اس کے علاوہ حدیث شریف بھی پڑھاتے تھے، کئی سالوں تک بخاری

---

(۱) تعمیر حیات: ۱۰/ دسمبر ۱۹۹۵ء

شریف کا درس آپ نے دیا، اخیر زمانہ میں چند سالوں کے لئے مہتمم بھی بنائے گئے تھے، جس سے انھوں نے ۱۹۶۹ء میں علیحدگی اختیار کرلی۔(۱)

قاری فیوض الرحمٰن صاحب (پاکستان) آپ کے بارے میں اس تعلق سے لکھتے ہیں :

> ''۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء میں ندوۃ العلماء کے استاذ مقرر ہوئے اور تقریباً ۲۷/ سال مسلسل وہاں تدریس کے علاوہ مختلف الانواع خدمات انجام دیں ، جملہ علوم و فنون کی کتابیں پڑھائیں ، جیسے تفسیر ، حدیث ، فقہ ، اُصولِ فقہ ، منطق ، فلسفہ ، ریاضی ، ہیئت نیز علوم معاشیات و سیاسیات کا بھی درس دیا اور افتاء کی ذمہ داری بھی انجام دی ، پاکستان منتقل ہونے سے قبل چار ، پانچ سال صرف بخاری شریف پڑھائی اور جزوی طور پر افتاء کا کام انجام دیتے رہے''۔(۲)

اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر متعدد صفات جمع فرمادی تھی، آپ بیک وقت ایک کامیاب مدرس، حاذق طبیب، ریاضی داں، فنون عسکری کے ماہر اور علوم عصریہ کے جوہر شناس تھے، مختلف زبانوں مثلاً عربی، انگریزی، فارسی، اور اُردو میں مکمل دسترس رکھتے تھے اور چاروں زبانوں میں مضامین و مقالات تحریر فرماتے تھے۔(۳)

مولانا درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا ذوق بھی رکھتے تھے اور اس میں آپ کا طرز تحقیقی تھا، مولانا اپنی تحقیق سے بعض ایسے گوشے اُبھارتے جو عموماً نظروں سے مخفی رہ جاتے ہیں اور یہ چیزیں جدید تحقیقات کی رو سے صحیح اور ضروری معلومات میں اضافہ کا باعث ہوتی تھیں۔

---

(۱) تعمیر حیات: ۱۰/ دسمبر ۱۹۹۵ء (۲) علماء کی کہانی خود ان کی زبانی، بحوالہ: صحابہ رسول اسلام کی نظر میں، ص: ۳۷۲

(۳) البعث الاسلامی: فروری ۱۹۹۶ء

مولانا کا اصل موضوع دینی مضامین تھا، لیکن اس کے ساتھ انگریزی جاننے کی وجہ سے جدید فلسفہ اور نفسیات کا بھی مطالعہ کرتے تھے، انھوں نے ''اسلامی نظام سیاست'' کے نام سے ایک کتاب مرتب فرمائی تھی، جو طویل عرصہ کے بعد دارالمصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوئی، اس میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی رہنمائی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے مشورے بھی شامل تھے، مولانا نے ایک کتاب قرآن مجید کے نفسیاتی گوشوں سے متعلق لکھی تھی جس میں قرآنی مضامین میں آئی ہوئی نفسیاتی جھلکیوں کو پیش کیا گیا تھا، لیکن شاید یہ زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہوسکی، قادیانیت کے موضوع پر بھی ایک کتاب ''ختم نبوت — علم وعقل کی روشنی میں'' تصنیف کی، یہ ندوۃ العلماء کے دور میں ہی چھپ گئی تھی، ان کے علاوہ ''ایمان وایمانیات''، ''اسلامی عبادت''، ''تنویر العینین فی تفسیر المعوذتین'' اور ''تجدید سبائیت'' جو بعد میں ''اظہارِ حقیقت بہ حوالہ خلافت وملوکیت'' کے نام سے شائع ہوئی آپ کی اہم تصنیفات ہیں۔(۱)

غیر مسلموں میں دینی دعوت وتبلیغ کے لئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ''مجلس اشاعت اسلام'' کے نام سے ایک مجلس قائم کی تھی، جس کے مولانا مرحوم نہ صرف معاون تھے، بلکہ کچھ دنوں کے لئے اس کے ناظم بھی بنے اور اس کے لئے بہترین کام کیا، آپ کے دور نظامت میں مجلس نے ہندی وانگریزی میں متعدد مؤثر خطبات شائع کئے، یہ کام ایک مدت تک ہوتا رہا اور اس سے لوگوں کو بڑا فائدہ پہنچا۔

۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء میں مولانا کراچی (پاکستان) تشریف لے گئے اور پھر وہیں مقیم ہوکر جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی سے وابستہ ہوئے، یہاں ایک سال درجہ تخصص فی الفقہ کے نگراں رہے، پھر تخصص فی الدعوۃ والارشاد کے نگراں ہوئے، اسی کے ساتھ مجلس الدعوۃ والتحقیق الاسلامی کے رکن بھی منتخب ہوئے، جمادی الاخریٰ ۱۴۱۵ھ۔نومبر ۱۹۹۵ء کو عمر طبعی کی مدت پوری

(۱) علماء کی کہانی خودان کی زبانی، بحوالہ: صحابہ رسول اسلام کی نظر میں، ص: ۳۷۲

ہوئی اور دارِ فانی سے دار جاودانی کے لئے کوچ کر گئے۔ (۱)

مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب

حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب نے ضلع مرادآباد کے ایک مردم خیز قصبہ سنبھل میں ۴/ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ مطابق ۵/فروری ۱۹۳۸ء کو حیات کی آنکھیں کھولی، آپ کے والد بزرگوار جناب مولانا قاری حمید الدینؒ صاحب ممتاز عالم دین، دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور علامہ کشمیریؒ کے شاگردوں میں سے تھے، مولانا برہان الدین صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، اس کے بعد سنبھل کے مختلف مدارس میں زیر تعلیم رہے، پھر دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور ۱۹۵۷ء میں امتیاز کے ساتھ سندِ فراغت حاصل کی۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد بارہ تیرہ سال دہلی کے قدیم ترین ادارہ مدرسہ عالیہ عربیہ فتح پوری میں تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، پھر ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء میں ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی دعوت پر دارالعلوم ندوۃ العلماء تشریف لائے اور تفسیر، حدیث اور فقہ کے استاذ مقرر ہوئے اور اب تک اس مسند تدریس پر جلوہ گر ہیں۔

۷۱ء میں مولانا اسحٰق سندیلویؒ کے پاکستان منتقل ہونے کے بعد مجلس تحقیقات شرعیہ کی نظامت آپ کے سپرد کی گئی اور آپ سے ہی اس کا دوسرا دور شروع ہوا، اس مدت میں مجلس کو بڑی شہرت ملی، بیرونی ممالک میں اس کا تعارف ہوا اور ہر جگہ سے استفتاءات اور تحقیق طلب مسائل آنے لگے اس کے علاوہ بحیثیت ناظم مجلس آپ نے بیرونی ممالک کی متعدد کانفرنسوں میں شرکت کی اور مقالات پڑھے۔

مجلس کے اس دوسرے دور میں انفرادی تحقیق کے انداز میں جو کچھ کام ہوا ہے وہ سب آپ

---

(۱) علماء کی کہانی خود ان کی زبانی، بحوالہ: صحابہ رسول اسلام کی نظر میں، ص: ۳۷۲، تعمیر حیات میں پاکستان منتقل ہونے کا سال ۱۹۷۱ء اور تاریخ وفات: ۲۸/جمادی الاول ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۳/اکتوبر ۱۹۹۵ء لکھا ہے، دیکھئے: تعمیر حیات: ۱۰/دسمبر ۱۹۹۵ء

کے قلم گوہر بار کا نتیجہ ہے، آپ نے جدید مسائل کے موضوع پر فقہ کا بڑا سرمایہ جمع کردیا ہے، جس کا ایک حصہ مختلف کتابوں اور مجموعوں کی شکل میں سامنے آچکا ہے، لیکن اس کا بڑا حصہ اب بھی گوشہ گمنامی میں پڑا ہوا ہے، موجودہ تصنیفات وتالیفات کے علاوہ ایک سو سے زیادہ علمی وفقہی اور تحقیقی مقالات آپ کی یادگار ہیں۔

آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شیخ التفسیر، مرکزی دارالقضاء اترپردیش کی قاضی کونسل کے صدر، مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء کے ناظم اور اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی کے نائب صدر ہیں، اس کے علاوہ متعدد علمی، تعلیمی کمیٹیوں، تنظیموں، اداروں اور اکیڈمیوں کی ممبری حاصل ہے، جس میں دارالعلوم دیوبند کی نصاب کمیٹی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ دینیات کی بعض کمیٹیاں، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، دینی تعلیمی کونسل اترپردیش، ادارۃ المباحث الفقہیہ، اسلامی کلینڈر بورڈ ملیشیا اور بورڈ اسلامی انسائیکلوپیڈیا ملیالم شامل ہیں۔(۱)

(۱) ملخص از چند اہم دینی مباحث، ص:۱۱-۱۲

امارت شرعیہ کے قیام کی کوشش

ندوۃ العلماء کے دوسرے اجلاس میں بانی ندوۃ العلماء مولانا مونگیریؒ نے دارالافتاء کا جو خاکہ پیش کیا تھا وہ دراصل ایک امارت شرعیہ کا مکمل خاکہ تھا، دارالافتاء کی اس تجویز پر تبصرہ کرتے ہوئے تاریخ ندوہ کے مصنف رقمطراز ہیں :

> ''ہندوستان کے مسلم معاشرہ میں یہ ایک انقلابی اور تعمیری منصوبہ تھا، مسلمانوں کے تمام مسائل شریعت اسلامی کی روشنی اور ہدایت میں حل کرنے اور برسرِ اقتدار طبقہ سے انھیں مؤثر طریقہ سے منوانے کا اس سے بہتر کوئی منصوبہ نہیں ہوسکتا، ندوۃ العلماء کے بانیوں خاص طور پر اس کے ناظم اول کی یہ گہری بصیرت تھی کہ انھوں نے اس تجویز کے پس منظر میں مستقبل کے حالات کو پڑھ لیا تھا، یہ تجویز اپنے جلو میں امارت شرعیہ اور دینی نظام کا ایک نقشہ رکھتی تھی، جس کی رنگ آمیزی کا احساس ہندوستان کے تمام مسلمانوں میں عام ہوتا تو ان کے شخصی اور عائلی قوانین پر زد نہ پڑتی، ان کے مقدمات ان عدالتوں میں نہ جاتے جہاں انصاف گراں بھی ہے اور شریعت سے اس کا جوڑ بھی نہیں''۔(۱)

---

(۱) تاریخ ندوۃ العلماء:۱/۱۳۸

یہی وجہ ہے کہ ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں نے اس طرف ہمیشہ خصوصی توجہ دی ہے کہ مسلمانوں کے سارے معاملات قرآن وسنت کی روشنی میں انجام پائیں اوران کے جو عائلی مسائل ہیں وہ نہ تو عدالتوں میں جائیں اور نہ ہی حکومت یا عدلیہ اس میں مداخلت کرے، اس کی واضح ترین مثال وقف علی الاولاد کا مسئلہ ہے، جس کی تفصیل گذشتہ صفات میں گذر چکی ہے، اس کے علاوہ جب بھی ان مسائل میں سرکاری مداخلت یا عدم توجہی کا خطرہ پیدا ہوا ہے، تو ارباب ندوہ نے بڑھ کر اس خطرہ کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں، یہاں بطور نمونہ چند شواہد پیش کئے جاتے ہیں۔

سولہویں اجلاس منعقدہ مدراس کی تجاویز میں ایک یہ بھی تھی کہ :

> ''ندوۃ العلماء کا یہ جلسہ گورنمنٹ سے درخواست کرتا ہے کہ جنوبی ہند کے اوقاف کا انتظام ایک کمیٹی کے حوالے، یعنی ایسے مذہبی اوقاف کو جو گورنمنٹ کی نگرانی میں ہیں، مسلمانوں کی مقامی انجمنوں کو اس کا متولی بنایا جائے''۔(۱)

اسی طرح اٹھارہویں اجلاس میں مقامات مقدسہ سے متعلق ایک تجویز پاس کی گئی تھی، جو اس طرح ہے :

> ''ندوۃ العلماء کا یہ جلسہ جو علماء ومشائخ ہند کا قائم مقام جلسہ ہے، اپنا مذہبی فرض خیال کرتا ہے کہ یہ ظاہر کردے کہ از روئے احکامِ اسلام یہ ضروری ہے کہ مقامات مقدسہ،حجاز، بیت المقدس، کربلا، نجفِ اشرف وغیرہ جن سے تمام مسلمانانِ عالم کے تعلقات وابستہ ہیں، براہ راست خود مختار اسلامی حکومت کے قبضہ واقتدار میں رہیں، اس مجلس کا یہ بھی خیال ہے کہ مقامات مقدسہ کی تعیین

(۱) روداد اجلاس ندوہ سانزدہم مدراس: ۱۹۱۷ء

وتشخیص کا حکم صرف علماء اسلام کو حاصل ہے''۔(۱)

اکیسویں اجلاس منعقدہ کانپور ۱۹۲۶ء میں بھی مسلمانوں کے دینی اُمور سے متعلق ایک اہم تجویز پاس ہوئی، جو اس طرح ہے :

''چوں کہ صوبہ پنجاب اور ہندوستان کے بعض دیگر حصوں میں معاملات وراثت اور دیگر تنازعات کا فیصلہ عدالت ہائے حکومت میں شریعت اسلامیہ حقہ کے بجائے رواج ہائے مخالف شریعت کی رو سے صادر کیا جاتا ہے، ندوۃ العلماء کا یہ اجلاس تمام مسلمانوں کو نہایت درد کے ساتھ متوجہ کرتا ہے کہ اس طرح فصل خصومات کو بدلوانے اور شریعت اسلامیہ کے ان معاملات میں نافذ العمل کرنے کے لئے مناسب تدابیر عمل میں لائیں''۔(۲)

''ہندوستان میں شریعت اسلامیہ'' کانفرنس

اس طرح کی کوششیں مستقل ہوتی رہیں، یہاں تک کہ ۱۹۸۶ء کا مبارک سال آیا، جب مولانا سید سلمان حسینی ندوی صدر جمعیت شباب اسلام لکھنؤ کی شبانہ روز محنت اور جدوجہد کے ذریعہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی سرپرستی و قیادت میں ۱۰/ ۱۱/ ۱۲/ مارچ کو ''ہندوستان میں شریعت اسلامیہ'' کے عنوان سے انجمن شبابِ اسلام کی طرف سے لکھنؤ میں مدارس عربیہ کا ایک سہ روزہ کل ہند اجتماع منعقد ہوا، اس میں یوپی، بہار، مدھیہ پردیش، مہاراشٹر، کرناٹک وغیرہ سے نمائندے شریک ہوئے اور مذکورہ بالا عنوان پر سیر حاصل مقالات اور تفصیلی تقریریں کی گئیں اور اس سلسلہ میں مناسب اقدام کرنے کے لئے متعدد تجاویز پیش کی گئیں۔

---

(۱) روداد اجلاس سیزدہم: ۱۹۱۹ء (۲) روداد اجلاس بستم و یکم: ۷۲-۷۵

ہر صوبہ میں امارت کے قیام کی تجویز

اس اجتماع میں تجاویز مرتب کرنے کے لئے مختلف کمیٹیاں تشکیل دی گئی تھیں، اس میں ''کمیٹی قیام دار القضاء'' نے جو حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نور اللہ مرقدہ، مولانا برہان الدین سنبھلی اور ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث مولانا ناصر علی ندوی مدظلہ پر مشتمل تھی، نے جو تجاویز مرتب کیں اور اس اجتماع میں بالاتفاق منظور ہوئیں، وہ اس طرح ہیں :

۱- ہندوستان میں شریعت اسلامیہ کے تحفظ اور مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کو اسلامی خطوط پر استوار کرنے کے لئے کلمہ واحدہ کی بنیاد پر اُمت کی تنظیم، شرعی امارت کا قیام اور شرعی قضاء کا نظم بے حد ضروری ہے۔

۲- نیز یہ کہ مسلمانوں کے بہت سے معاشرتی مسائل ایسے ہیں جن کا انجام پانا بغیر قاضی شریعت کے ممکن نہیں ہے۔

۳- معاشرتی اور ازدواجی زندگی میں حقوق وفرائض، اختیارات وحدود سے متعلق شرعی احکام کی تنفیذ کے لئے اگر قضاء شرعی کا نظم قائم نہیں کیا جاتا تو مسلمانوں کی معاشرتی زندگی افراط وتفریط کا شکار رہے گی۔

اس احساس کے نتیجہ میں یہ اجتماع ضروری سمجھتا ہے کہ امارت شرعیہ کا قیام ریاستی پیمانہ پر ہر ریاست میں عمل میں لایا جائے، یہ اجلاس آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ سے اپیل کرتا ہے کہ وہ ریاستی پیمانہ پر امارت شرعیہ کے قیام کے لئے اقدام کرے کہ اس اجتماع کی نگاہ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ مسلمانانِ ہند کا وہ متفق علیہ ادارہ ہے، جسے مسلمانانِ ہند کا مکمل اعتماد حاصل ہے اور ان ارکان پر مشتمل ہے جو مجموعی طور پر اُمت اسلامیہ ہندیہ کے ارباب حل وعقد ہیں، جنھیں شرعاً نصبِ امیر کا اختیار ہے۔(۱)

---

(۱) ملخص از رپورٹ کانفرنس قلمی

ایک خواب جو شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا

اس اجتماع میں جب یہ تجویز پاس ہوگئی کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ارباب حل وعقد کو شرعاً نصب امیر کا اختیار حاصل ہے، تو پھر اس کے مطابق اس اجتماع میں ریاست یوپی کی سطح پر امارت شرعیہ یوپی کا قیام عمل میں لایا گیا اور حضرت مولانا قاری محمد صدیق صاحب باندویؒ کو یوپی کا امیر شریعت منتخب کیا گیا، (۱) اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے کل ہند صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو امیر الہند بنانے کی تجویز ہورہی تھی کہ ملت کا اجتماعی مسئلہ پھر اختلاف کی نذر ہوگیا اور بعض حلقوں سے نہ صرف اس کے خلاف صدا بلند ہوئی، بلکہ انھوں نے فوراً دوسرے ''امیر الہند'' کا انتخاب کر کے پوری ملت کو حیرت واستعجاب کے سمندر میں ڈال دیا۔

جب یہ صورت حال پیش آئی تو قاری صدیق صاحب نور اللہ مرقدہ نے امارت کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور اس کے بعد اس اجتماع کے اکابرین نے بھی اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ ترک کردیا، اس طرح امارت شرعیہ کے قیام کی ساری کوششیں مسلمانوں کے آپسی اختلاف کے طوفان میں خس وخاشاک کی طرح بہہ گئیں اور ملت کی منتشر صفوں کو متحد کرنے اور امارت اسلامی کے تحت اجتماعی زندگی گذارنے کا حسین خواب شرمندہ تعبیر ہوتے ہوتے رہ گیا۔

دار القضاء کا قیام

اس عظیم دینی اجتماع کے ذریعہ ''امارت شرعیہ اترپردیش'' کے قیام کی کوشش تو کامیاب نہ ہوسکی، البتہ جمعیت شبابِ اسلام کے زیر اہتمام دار القضاء لکھنؤ کا قیام عمل میں آگیا اور اس طرح بانی ندوہ نے قضاء کا جو خواب دیکھا تھا، (۲) وہ اب اس کے فرزندوں کے ذریعہ شرمندۂ تعبیر ہوسکا۔

اسی اجتماع میں مرکزی دار القضاء کا افتتاح ہوا اور اسی کے ساتھ لکھنؤ کے اطراف میں بھی متعدد دار القضاء قائم کئے گئے، لیکن گردشِ ایام اور افراد کی قلت کی وجہ سے یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا،

---

(۱) تذکرۃ الصدیق: ۲/ ۴۰۷ (۲) تجویز دار العلوم ندوۃ العلماء، ص: ۲

البتہ مرکزی دار القضاء روز اول سے اب تک اپنے فرائض کی تکمیل میں مصروف عمل ہے، اس کی شہرت چہار جانب پھیل چکی ہے اور پورے صوبہ سے مسلمانوں کے عائلی ومعاشرتی مسائل یہاں آتے رہتے ہیں، ان مسائل مین لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور شریعت کی روشنی میں اپنا فیصلہ کرواکے خوش خوش لوٹ جاتے ہیں۔

قیام کے بعد چند سالوں تک دار القضا کا نظام جمعیت شباب اسلام لکھنؤ کے زیر انتظام چلتا رہا، اس وقت اس مرکزی دار القضاء کا مرکزی دفتر لکھنؤ شہر میں تھا، پھر فروری ۱۹۹۲ء میں المعہد العالی للقضاء والافتاء کے قیام کے بعد اس کو دار العلوم ندوۃ العلماء کے احاطہ میں منتقل کرلیا گیا، یہ شعبہ اب ندوۃ العلماء کی چہار دیواری میں ہی پورے عملے کے ساتھ اس عظیم دینی فریضہ کی ادائے گی میں لگا ہوا ہے۔

اس مرکزی دار القضاء سے اب تک ۴۴۲ مقدمات فیصل کئے جاچکے ہیں جب کہ ۳۲ مقدمات فی الحال زیر سماعت ہیں، یہاں اکثر مقدمات فسخ نکاح، حقیت، حضانت، ولایت وغیرہ کے آتے ہیں اور اب تک جو بھی فیصلے یہاں ہوئے ہیں، سبھی کو فریقین نے بسر وچشم قبول کیا ہے اور احترام کی نظروں سے دیکھا ہے۔(۱)

اس دار القضاء کے نظم کے لئے قاضی کونسل بنائی گئی، جس کے صدر مولانا محمد برہان الدین سنبھلی صاحب مقرر ہوئے، جب کہ مفتی محمد ظہور صاحب ندویؔ مفتی دار العلوم ندوۃ العلماء، مولانا ناصر علی ندویؔ صاحب شیخ الحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء اور مولانا عتیق احمد بستوی استاذ فقہ دار العلوم ندوۃ العلماء کونسل کے ارکان قرار پائے (۲)، اس وقت بھی یہی نظم برقرار ہے، صرف استاذِ محترم مولانا ناصر علی ندوی دامت برکاتہ نے اس سے عملاً سبکدوشی اختیار کرلی ہے، جس کی جگہ حضرۃ الاستاذ مولانا نیاز احمد صاحب استاذ فقہ وحدیث ندوۃ العلماء قضاء کا کام انجام دے رہے ہیں۔

---

(۱) تعمیر حیات: ۱۰/ مئی ۲۰۰۲ء (۲) تعمیر حیات ۲۵/ جولائی ۱۹۹۲ء

المعہد العالی للقضاء والافتاء

فقہ وافتاء کی طرف توجہ ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں کی ہمیشہ سے رہی ہے، ندوۃ العلماء کے قیام کے بعد ہی دار الافتاء قائم کیا گیا، اس کے بعد جدید مسائل کے حل کے لئے مجلس تحقیقات شرعیہ کی بنیاد پڑی، تاکہ پیش آمدہ مسائل میں اُمت کی رہنمائی ہو سکے، لیکن اس کے باوجود عرصہ سے یہ ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ دار العلوم میں ایک ایسا شعبہ قائم کیا جائے، جہاں ایسے باصلاحیت افراد تیار کئے جائیں، جو افتاء وقضاء کی اہم اور نازک ذمہ داری کو ادا کر سکیں۔

اس ضرورت کے پیش نظر ۱۹۹۰ء میں تدریب افتاء کا درجہ کھولا گیا، پھر ۱۹۹۲ء میں جب دار القضاء دار العلوم کے احاطے میں منتقل ہوا تو باضابطہ ایک شعبہ اس کام کے لئے المعہد العالی للقضاء والافتاء قائم کیا گیا، جس کا افتتاح ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ہاتھوں ہوا۔

اس معہد کے تحت دار الافتاء اور دار القضاء کے علاوہ مجلس تحقیقات شرعیہ، تدریب افتاء اور اختصاص فی علوم الفقہ کے متعدد شعبے ہیں، جن کی نگرانی وسرپرستی دار العلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث مولانا ناصر علی ندوی دامت برکاتہ فرماتے ہیں۔

اختصاص فی علوم الفقہ

اس شعبہ کا کورس دو سالوں پر مشتمل ہے، عالمیت پاس کرنے کے بعد اس میں داخلہ لیا جاتا ہے، اس میں بخاری شریف، مسلم شریف، ابوداؤد شریف کی تکمیل کے علاوہ ہدایہ آخرین اور اُصول کی اہم اور بنیادی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، اس شعبہ میں اُصول فقہ پر خاص توجہ دی جاتی ہے اور فقہ حنفی کے اصل ماٰخذ ومصادر کا مطالعہ بھی کروایا جاتا ہے۔

اس شعبہ میں اُصول فقہ کی جو کتابیں داخلِ نصاب ہیں، وہ اس طرح ہیں :

۱— اُصول البزدوی :

(فخر الاسلام ابوالحسن علی بن محمد بن محمد حسین البزدوی (م:۴۸۲ھ)

۲— الاشباہ والنظائر :

(زین الدین بن ابراہیم بن محمد بن محمد بن بکر المصری المعروف بابن نجیم (م:۹۷۰ھ)

۳— شرح عقود رسم المفتی :

(محمد امین ابن عابدین المعروف بالشامی (م:۱۳۵۲ھ)

۴— احکام القرآن (منتخب ابواب) :

(ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص (م:۳۷۰ھ)

۵— تبصرۃ الحکام :

(ابن فرحون المالکی)

۶— السراجی فی المیراث :

(محمد ابوطاہر سراج الدین سجاوندی)

اس کے علاوہ مشق فتاویٰ کی تربیت دیجاتی ہے، جس میں سو سے زائد فتاویٰ ایک سال میں لکھنا ہوتا ہے، پھر فقہ اسلامی کے جدید موضوعات پر عربی میں ایک مقالہ تیار کرنا ہوتا ہے، جو عموماً دو سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہوتا ہے، یہ مقالہ کلیۃ الشریعہ کے ذمہ داروں کی نگرانی میں تیار کیا جاتا ہے۔

حقیقت میں اس شعبہ سے بڑا فائدہ پہنچا ہے، خصوصاً دورِ اخیر میں ندوی فضلاء میں جو فقہ کی طرف رجحان بڑھا ہے، اس میں سب سے اہم کردار اسی شعبہ اختصاص کا ہے، یہ شعبہ عرصہ سے قائم ہے اور اب تک ہزاروں طلبہ اس سے استفادہ کر چکے ہیں اور دنیا کے مختلف گوشوں میں اپنی بحث و تحقیق کی شمع فروزاں کئے ہوئے ہیں۔

تدریب افتاء

تدریب کا مستقل شعبہ ۱۹۹۰ء میں قائم کیا گیا، اس کا ایک سالہ کورس ہے، جس میں فضیلت یا اختصاصِ فقہ کے ممتاز طلبہ کا داخلہ لیا جاتا ہے، اس شعبہ میں طلبہ کی تعداد بہت محدود ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اس کی بڑی اہمیت ہے، تدریبِ افتاء کے طلبہ مستقل دار الافتاء میں بیٹھتے ہیں اور وہیں ان کو فتاویٰ لکھنے اور مسائل کی تحقیق کرنے کی تربیت دی جاتی ہے، اس کے علاوہ فقہ اسلامی واُصول فقہ کے اہم اور جدید موضوعات پر دار العلوم کے بڑے اساتذہ و دیگر ماہرین و متخصصینِ فن کے محاضرات ہوتے ہیں، اس شعبہ سے بھی بڑی تعداد میں طلبہ فیض یاب ہو چکے ہیں۔

باب پنجم

چند اہم شخصیات (حیات و فقہی خدمات)

علامہ سید سلیمان ندویؒ

ندوۃ العلماء کے گل سر سبد، علامہ شبلی نعمانیؒ کے مایہ ناز شاگرد، اور سرزمین ہند کے قابل فخر سپوت سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ولادت باسعادت صفر ۱۳۰۲ھ مطابق نومبر ۱۸۸۴ء بروز جمعہ صوبہ بہار، ضلع نالندہ کے ایک مردم خیز قصبہ دیسنہ میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام حکیم سید ابوالحسن ہے، پیدائش کے وقت آپ کے دادا میر محمدی صاحب حیات سے تھے، انھوں نے اس ہونہار پوتے کی تاریخ ولادت کہی ؎

چوں جستیم تاریخ او از خسرو یکایک سروشے زتاریخ و سال
بگفتا کہ بیدار شد مصرعہ شدہ مہر تاباں زبرج کمال (۱)

یہ تاریخ ایسی مبارک ساعت میں کہی گئی کہ اس کی پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی اور سید صاحب حقیقتاً برج کمال کے مہر تاباں بنے۔ (۲)

ابتدائی تعلیم

سید صاحب کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں ایک معلم سید مقصود علی اکھدوی سے ہوئی، اس کے بعد آپ نے بڑے بھائی سید ابوحبیب صاحب سے پڑھنا شروع کیا، جو جلد ہی تعلیم سے فارغ ہوئے تھے، ان سے سید صاحب نے فارسی کی درسیات اور عربی میں شرح ملا جامی تک پڑھی،

---

(۱) ترجمہ:- جب میں نے اپنے پوتے کی تاریخ ولادت تلاش کی تو ماہ وسال کے فرشتہ نے کہا کہ ان کی تاریخ ولادت کا مصرعہ یوں ہوا: مہر تاباں زبرج کمال (۲) حیات سلیمان، ص:۴

پھر ۱۸۹۸ء میں پھلواری شریف تشریف لائے ، یہاں امیر شریعت مولانا شاہ محی الدین صاحب پھلورویؒ سے ہدایہ اور مولانا عبدالرحمٰن کاکورویؒ سے شرح تہذیب کا درس لیا، اس کے بعد تقریباً ایک سال آپ کا قیام مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں رہا، جہاں آپ نے مولانا مرتضیٰ حسین چاند پوریؒ اور مولانا فدا حسین آرویؒ سے بعض کتابوں کا درس لیا۔(۱)

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ

اس وقت سارا ہندوستان ندوۃ العلماء کی تحریک سے گونج رہا تھا، پھر اسی زمانہ میں ندوۃ العلماء کا سالانہ اجلاس پٹنہ میں ہوا، جس میں دیگر اعزہ کے ساتھ سید صاحب نے خود شرکت کی اور اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، چنانچہ آپ نے اسی وقت ندوۃ العلماء کا فیصلہ کیا اور ۱۹۰۱ء میں لکھنؤ تشریف لائے اور دارالعلوم کے ابتدائی سالِ دوم میں داخلہ لے کر اکتسابِ فیض شروع کیا۔

اس وقت مولانا فاروق چریا کوٹیؒ صدر مدرس، مفتی عبداللطیف صاحبؒ اور مولانا حفیظ اللہ صاحبؒ جیسے نامور علماء اور یگانہ روزگار فن یہاں کے اساتذہ تھے، آپ نے مولانا فاروق چریا کوٹیؒ سے خصوصی فیض اُٹھایا، ان کے بارے میں خود ہی معارف کے ایک شمارہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ :

> ''ان کے طرز تعلیم نے چند ہی دنوں میں یہ کیفیت پیدا کردی کہ آنکھوں کے پردے ہٹ گئے اور وہ مسئلے جو استاذوں کے سمجھانے سے سمجھ میں نہیں آتے تھے وہ روز روشن کی طرح نظر آنے لگے، یہ پہلی شخصیت تھی جس نے میرے دل ودماغ پر اثر ڈالا''۔(۲)

اس کے علاوہ آپ نے فقہ کی ابتدائی کتابیں ندوۃ العلماء کے مفتی مولانا عبداللطیفؒ صاحب سے پڑھی۔(۳)

---

(۱) حیات سلیمان، ص:۴۰ (۲) حیات شبلی (حاشیہ)، ص:۳۸ (۳) حوالہ سابق

علامہ شبلیؒ سے استفادہ

۱۹۰۴ء میں علامہ شبلی نعمانیؒ حیدر آباد سے لکھنؤ تشریف لائے اور چند ہفتے دار العلوم میں قیام فرمایا، اس درمیان مولانا فاروق صاحب چریا کوٹیؒ نے سید صاحب کا تعارف علامہ سے کروایا، علامہ شبلیؒ کی گوہر شناس نظر نے فوراً ہی اس درِ نایاب کو پرکھ لیا اور ابتدائی ملاقات میں ہی ''گوہر قابل'' کے تمغۂ امتیاز سے سرفراز کیا۔(۱)

دوسرے سال جب علامہ شبلیؒ قیام کے ارادے سے دار العلوم تشریف لائے تو انھوں نے ہر حیثیت سے ندوۃ العلماء کو ترقی دی، لیکن آپ کے اس قیام سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ آپ کے علم رسا ہاتھوں سے یہاں ایسے ہونہار طلبہ کی علمی وفکری تربیت اور ذہن سازی ہوئی جو اپنے وقت کے آسمانِ علم وفن کے آفتاب و ماہتاب ثابت ہوئے اور ندوۃ العلماء کے حقیقی ترجمان اور کامیاب نمونہ سمجھے گئے، اس فہرست میں سب سے پہلا نام علامہ سید سلیمان ندویؒ کا ہے جو نہ صرف آپ کے فیضِ صحبت و کیمیا اثر تربیت سے ''علامہ'' بنے بلکہ اپنے استاذ کے صحیح جانشیں قرار پائے اور علمی دنیا میں بہت سی چیزوں کے موجد وخاتم ہوئے۔

سید صاحب نے علامہ شبلیؒ سے بھرپور استفادہ کیا اور علامہ شبلیؒ بھی اپنے اس قابل فخر شاگرد کو ہر طرح کے جوہر سے آراستہ کرتے رہے، اسی فیض نے سید صاحب کے علوم میں نکھار پیدا کیا اور مطالعہ میں وسعت اور قلم میں پختگی پیدا ہوئی، شاہ معین الدین ندویؒ رقمطراز ہیں:

> ''ان تینوں (مولانا ضیاء الحسن علوی ندوی، مولانا عبد السلام ندوی اور سید صاحب) میں سید صاحب اس سرچشمہ فیض سے زیادہ سیراب ہوئے اور درسِ قرآن کے علاوہ اوقات میں بھی استفادہ کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے، ان کی صلاحیت

---

(۱) حیات سلیمان، ص: ۲۵

اور ذوق وشوق کو دیکھ کر مولانا شبلیؒ نے ان کی تربیت کی جانب
توجہ کی، الندوۃ کے بہت سے کام ان کے سپرد کئے اور دوسرے
علمی کام بھی ان سے لیتے تھے"۔(۱)

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریسی خدمات

سید صاحب ۱۹۰۷ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فارغ التحصیل ہوئے، بعد فراغت ندوۃ العلماء کے ترجمان اور علمی رسالہ "الندوۃ" کے سب اڈیٹر مقرر ہوئے اور ۱۹۱۲ء تک الندوۃ کے صفحات پر علم وادب کے گل بوٹے کھلاتے رہے، ۱۹۰۸ء میں الندوۃ کی سب اڈیٹری کے ساتھ دارالعلوم میں عربی کے استاذ بھی بنائے گئے، پھر ایک سال کے بعد عربی ادیب کے منصب پر فائز ہوئے اور اس طرح ۱۹۱۲ء تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، اس مدت میں آپ نے الندوہ کے مضامین کے علاوہ "دروس الادب" کے نام سے عربی کی دو ریڈریں لکھیں، جو بہت مقبول ہوئیں اور دارالعلوم کے علاوہ دیگر عربی مدارس میں داخل نصاب ہونے کی حقدار قرار پائیں، اسی کے ساتھ "لغات جدیدہ" کے نام سے عربی کے نئے الفاظ کی ایک لغت بھی تیار کی۔(۲)

دارالمصنفین کی تعمیر اور سیرت النبی کی تکمیل

علامہ شبلی مرحوم نے دارالمصنفین کا جو علمی وعملی خاکہ تیار کیا تھا اس کی تکمیل کے لئے ان کی زندگی نے وفا نہ کی، البتہ ان کے شاگرد رشید علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنے استاذ کے اس حسین تخیل کو عمل کا روپ دے کر شاگردی کا حق ادا کر دیا۔

دارالمصنفین کو قائم کرنے اور اس کے نصب العین کے مطابق پورا سرمایہ تیار کرنے میں سید صاحب نے جس بلند ہمتی سے کام لیا اور دور اندیشی کے ساتھ اس کو منزلِ مقصود تک پہنچایا، وہ برصغیر ہندو پاک کی علمی تاریخ کا ایک روشن باب ہے، جس کی وجہ سے سید صاحب کو دارالمصنفین کا معمار

(۱) حیات شبلی (حاشیہ)، ص:۳۸ (۲) حیات سلیمان، ص:۳۴

اصلی کہنا بالکل بجا ہے، سید صاحب اور آپ کے رفقاء کے خلوص اور جانفشانی کے نتیجہ میں صرف چند سالوں کے اندر دارالمصنفین کو وہ شہرت ملی جو دوسرے علمی اداروں کو کم ہی نصیب ہوئی ہے۔

۱۹۱۶ء میں دارالمصنفین کا اپنا پریس قائم ہوا، پھر اسی سال "معارف" کے نام سے وہ علمی رسالہ منصۂ شہود پر آیا جواب تک علم و تحقیق کے میدان کا شاہکار بنا ہوا ہے، اس کے علاوہ اسی چمنستانِ علم اور دانش کدہ شبلی میں سید صاحب کے گہر بار قلم سے سیرت النبی علیہ الف الف تحیہ کے جلوہ ہائے ہزار رنگ کا خوشنما و عطر بیز گلدستہ تیار ہوا، تاریخ اسلام کی مکمل کڑیاں یہیں تیار ہوئیں، تازہ دم اہل قلم کی بے مثال کھیپ نے جوہر قلم سے آراستہ ہو کر ملک و ملت کی عظیم خدمات انجام دیا اور خود بانی استاذ کی ساری تصنیفات یہیں سے شائع ہو کر منظرِ عام پر آئیں اور لائق شاگرد کا پورا علمی اثاثہ اسی کوچہ علم میں تیار ہوا۔

سید صاحب کی علمی و تعلیمی خدمات

سید صاحب ہمہ جہت شخصیت اور ہشت پہل طبیعت کے مالک تھے، ان کی زندگی عمل پیہم سے عبارت تھی جس میں علم و فن کے نادر و نایاب گلدستے، سیاسی و قومی خدمات کے بلند مینارے، دینی و مذہبی مسائل میں رہبری و قافلہ سالاری کے انمول نمونے قرینے سے سجے ہوئے نظر آتے ہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

> "علامہ سید سلیمان ندویؒ کا ایک اہم امتیازی وصف علم و تحقیق کی وادی میں ان کی جامعیت و ہمہ جہتی ہے، وہ علوم قدیمہ وجدیدہ دونوں سے واقف تھے، اگر وہ ایک طرف ایک مؤرخ، ادیب، ناقد و محقق تھے تو دوسری طرف بیک وقت فقیہ اور محدث بھی تھے اور ان علمی مشاغل کے ساتھ تحریک آزادی اور مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد کے رہنما اور قائد بھی تھے، اسی

طرح وہ ایک طرف زبان و ادب کے جلسوں کی صدارت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، تو اسی کے ساتھ طبقہ علماء کے فقہی و دینی اجتماعات کے صدر نشیں بھی نظر آتے ہیں، وہ تحریک خلافت کے اس مؤقر وفد کے ایک رکن بھی تھے جو ۱۹۲۰ء میں رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کی قیادت میں برطانیہ گیا تھا اور جس نے وہاں کے ذمہ دارانِ سلطنت وار بابِ علم و دانش کو یہ بتایا تھا کہ خلافت کے تئیں مسلمانوں کے جذبات واحساسات کیا ہیں، پھر ۱۹۲۶ء میں شاہ عبدالعزیز نے جو پہلی اسلامی کانفرنس رکھی تھی، اس میں ہندوستان کے وفد خلافت کی قیادت ان ہی نے کی تھی، والی افغانستان نادر خان نے اپنے ملک کے نظام تعلیم کا خاکہ مرتب کرنے کے لئے جو سہ رکنی وفد افغانستان بلایا تھا اس کے ایک رکن وہ بھی تھے"۔(۱)

یہ گونا گوں صفات سید صاحب کی ذات میں اس طرح جلوہ گر تھے جیسے آپ کی شخصیت ایک کہکشاں ہو جس میں علم وفن کے ہزاروں تارے چمک رہے ہوں اور جس کی نیر تابی وضوفشانی سے ہمہ آہو وانِ منزل اپنے کام و دہن کو شاد کر رہے ہوں، لیکن اصلاً آپ محقق تھے اور تحقیق وتدقیق آپ کے مزاج میں اس طرح رچ بس گیا تھا کہ آپ کا کوئی عمل بھی اس کے اثر سے خالی نہیں ہوتا، علم وادب کے میدان میں سید صاحب نے جو تحقیقی جوہر دکھائے ہیں، اس کا قلمی نقشہ سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحبؒ کے جادو نگار قلم نے زبردست انداز میں کھینچا ہے، آپ رقمطراز ہیں :

(۱) افکار سلیمانی، ص:۱۰

''قرآنی علوم پر جب کوئی مضمون لکھتے تو معلوم ہوتا کہ ان کے علم وفن کے شالیمار میں قرآن پاک کی آیتوں کی نہر بہشت بہ رہی ہے، احادیث پر کوئی تحریر قلمبند کرتے تو ظاہر ہوتا کہ اس شالیمار میں حدیث کے رموز و نکات کے گل کدے دکھائی دے رہے ہیں، کلامی رنگ کی کوئی چیز لکھتے تو ان کے خیالات کے سوسن و یاسمین کھلتے نظر آتے، تاریخ کا کوئی موضوع اختیار کرتے تو تحقیق وتدقیق کے سرو روشمشاد نظر افروز ہوتے، شعر وادب پر کچھ لکھنے کے لئے مائل ہوتے تو نکتہ سنجی ونکتہ وری کے پھول بکھرے دکھائی دیتے، معاصر مشاہیر کی موت پر نوحہ کرتے تو ان کی سوگواری وغم ناکی کی گھٹائیں چھاتی دکھائی دیتیں، کسی کانفرنس کے لئے خطبہ لکھتے تو یہ ان کے نظر وفکر کا شیش محل بن جاتا''۔(۱)

قلمی سرمایہ

غرض یہ کہ سید صاحب نے تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، زبان وادب، جغرافیہ، علم اثریات، لغت، سیرت وسوانح وغیرہ کے تمام ہی موضوعات پر قلم اُٹھایا ہے اور اپنے مخصوص انداز میں علم وتحقیق کا دریا بہایا ہے، اس طرح آپ نے علم کا بہت بڑا سرمایہ لٹریچر کی صورت میں جمع کردیا ہے، آپ کی تمام تحریریں اپنے اپنے فن میں مستند سمجھی جاتی ہیں، آپ کی جملہ مؤلفات کی تعداد بہت زیادہ ہیں، جن میں زیادہ مشہور اور اہم حسبِ ذیل ہیں:

۱) سیرت النبی ﷺ کا تکملہ (پانچ جلدوں میں)

---

(۱) مولانا سید سلیمان ندوی کی تصانیف: ۱/۷

۲) تاریخ ارض القرآن ۳) عرب وہند کے تعلقات

۴) خطباتِ مدراس ۵) خیام

۶) سیرت عائشہؓ ۷) حیات امام مالکؒ

۸) عربوں کی جہاز رانی ۹) حیات شبلیؒ

۱۰) نقوشِ سلیمانی ۱۱) رحمتِ عالم

۱۲) سفر نامہ افغانستان۔

ان کے علاوہ اور بھی کئی کتابیں ہیں جو بار بار چھپ چکی ہیں، معارف میں آپ نے جو شذرات لکھے تھے وہ ''شذرات'' کے نام سے تین جلدوں میں چھپ چکے ہیں، آپ کے مختلف مقالات پانچ جلدوں میں'' مقالات سلیمانی '' کے نام سے چھپے ہیں ، اسی طرح معارف میں وفیات کے عنوان سے جو تعزیتی مضامین تحریر فرماتے تھے وہ ''یادرفتگاں'' کے نام سے چھپ چکے ہیں، مستشرقین سے متعلق آپ کی منتشر تحریریں تھیں وہ ''اسلام اور مستشرقین'' جلد نہم کی شکل میں شائع ہوئی ہیں اور ''سلوک سلیمانی '' کے نام سے آپ کی وہ تحریریں جمع کی گئی ہیں جو تصوف سے متعلق تھیں۔

اس کے علاوہ بھی آپ کے سینکڑوں علمی وتحقیقی مقالات ہیں جو مختلف رسالوں کی زینت بنے ہوئے ہیں، ان میں صرف فقہی موضوعات ومسائل سے متعلق ستر مقالات ہیں، یہ مضامین اسلام کے انفرادی واجتماعی اُمور، معاشرت اور معاملات، بعض جزئی مسائل اور چند اُصولی احکام سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ اپنے وقت کے مشہور ومعروف رسائل الہلال ، البلاغ (کلکتہ) ، الجامعہ (مونگیر) ، الندوہ (لکھنؤ)، مستقبل (کراچی) اور معارف (اعظم گڑھ) میں شائع ہوئے ہیں ، ان میں زیادہ تر مضامین وہ ہیں جن میں عصری ضرورتوں کے پیش نظر فقہ اسلامی کی تشریح وتوضیح اور تفہیم کی کوشش کی گئی ہے ، ان مضامین میں سید صاحبؒ کی فقہ اسلامی سے گہری واقفیت

اوران کی بصیرت اور مہارت کا بھی اندازہ ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ سید صاحب نے مختلف مسائل اور معاملات میں فقہ اسلامی کی روشنی میں جو رہنمائی فرمائی ہے اس کی افادیت واہمیت میں اب اور زیادہ اضافہ ہو گیا ہے۔(۱)

وفات

۲۳/ نومبر ۱۹۵۳ء کی شام سید صاحب کی کتابِ زندگی کا ورق پلٹ گیا اور لاکھوں محبین ومعتقدین کو افسردہ چھوڑ کر آپ پاکستان کی سرزمین میں مدفون ہوئے۔

(۱) مطالعہ سلیمانی، ص: ۱۳۸

سید صاحبؒ کے فقہی افکار وخیالات

علامہ سید سلیمان ندویؒ بہ قول علامہ اقبال ''علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کے فرہاد تھے'' (۱) اسلامی علوم وفنون کی بحر ناپیدا کنار میں انھوں نے جس مہارت، ذہانت اور کمالِ فن کے ساتھ شناوری کی ہے اس کی وجہ سے علامہ اقبالؒ نے بجا طور پر ان کو استاذ الکل قرار دیا تھا، (۲) علوم اسلامیہ میں جن موضوعات سے سید صاحبؒ کو بطور خاص دلچسپی تھی ان میں ایک فقہ کا موضوع بھی ہے۔

فقہی بصیرت اور مجتہدانہ مزاج

سید صاحبؒ فقہ کے میدان میں بھی اپنے معتدل مسلک، امتیازی اوصاف، تحقیقی مزاج اور فقہی بصیرت کے لحاظ سے ممتاز تھے، فقہ کے اُصول وقواعد اور کلیات وجزئیات پر گہری نظر تھی اور مسائل پر مجتہدانہ ومحققانہ نظر رکھتے تھے، پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب رقمطراز ہیں:

> ''مولانا سید سلیمان ندویؒ مسائل فقہ پر مجتہدانہ نظر رکھتے تھے، وہ عصری رجحانات پر غور وفکر کرتے تھے اور مسائل پر رائے قائم کرنے میں بڑی احتیاط اور تدبر سے کام لیتے تھے، علامہ اقبالؒ نے جب بھی فقہی مسائل پر ان کی رائے معلوم کی، ان کے جواب کو نہ صرف شافی پایا بلکہ ان میں فکر کی نئی روش محسوس کی، اجماع، قیاس، نص، ناسخ ومنسوخ وغیرہ پر اقبالؒ نے ان کے خیالات سے استفادہ کیا اور شاہ ولی اللہؒ کی حجۃ اللہ کے بعض

---

(۱) مشاہیر کے خطوط بنام مولانا سید سلیمان ندوی، ص: ۹۸ (۲) حوالہ سابق، ص: ۱۳۴

اجزاء کا مفہوم بھی ان سے سمجھا ، علامہ اقبال نے
(Reconstruction of Religious Thoughts in
islam) میں جس انداز سے بعض مباحث کو اٹھایا ہے، اس پر
مولانا سید سلیمان ندویؒ کے افکار کا اثر محسوس ہوتا ہے، بعض
جگہ علامہ اقبالؒ کا فکری اجتہاد منزلوں کو قطع کرتے کرتے اک
دم رک گیا ہے، ممکن ہے سید صاحبؒ نے بعض مسائل میں
ایک حد سے آگے بڑھنے سے روکا ہو، علامہ اقبالؒ کی نظر میں
مولانا سید سلیمان ندویؒ کے افکار کی جو اہمیت تھی اس کا اندازہ
اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی عادت کے خلاف
سید صاحبؒ کے مکتوبات کو بڑی حفاظت سے رکھتے تھے‘‘۔(۱)

سید صاحبؒ کی فقہی فکر و خدمات کا موضوع ہندوستان کے مشہور شہر اور ایک علم پرور اسلامی ریاست کے دار الخلافہ بھوپال سے بھی جڑی ہوئی ہے، بھوپال ان کے مجتہدانہ فکر کے سفر کی ایک منزل تھی، مولانا مسعود عالم ندویؒ کو ۲۶/دسمبر ۱۹۴۷ء کے ایک خط میں بھوپال سے لکھتے ہیں کہ
’’یہاں بھی بفضل الٰہی کچھ دینی کام انجام پا رہے ہیں‘‘۔(۲)

اس لئے مفتی نسیم احمد صاحب قاسمیؒ نے بالکل بجا لکھا ہے کہ :

’’سید صاحبؒ کو قرآن وحدیث، ناسخ و منسوخ، لغت، عربی
ادب اور دیگر اسلامی علوم وفنون میں دست گاہ کامل اور مہارت
تامہ حاصل تھی، فقہی بصیرت، دقت نظر میں نمایاں حیثیت کے
مالک تھے، فقہ اسلامی میں مہارت، کتب فقہ اور مذاہب ائمہ پر

---

(۱) اقبال نامہ، مرتب شیخ عطاء اللہ، ص:۱۴۶
(۲) حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کی علمی ودینی خدمات پر ایک نظر، ص:۵۴

گہری نظر رکھنے کی وجہ سے اپنے وقت کے فقیہ تھے، ان کا طرہ امتیاز یہ تھا کہ قدیم علوم کے ساتھ جدید علوم وافکار پر بھی حاوی تھے، انھوں نے قرآن وحدیث کے چشمہ صافی سے فیضیاب ہونے کے ساتھ انگریزی، سائنس، جغرافیہ اور دیگر جدید عصری علوم میں بھی کمال مہارت پیدا کی تھی"۔(۱)

اجتہاد وتقلید کے بارے میں سید صاحبؒ کا نقطۂ نظر

اجتہاد اور تقلید کے بارے میں سید صاحبؒ کی رائے بالکل معتدل تھی، آپ جس طرح اندھی تقلید کو ناپسند فرماتے، اسی طرح اجتہاد کے باب بھی میں اعتدال کو ضروری سمجھتے تھے اور موجودہ دور میں جدید مسائل کے لئے اجتہاد کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے بھی ہر کس وناکس کو میدان اجتہاد کی پُر خار وادی میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے، بلکہ اس سلسلہ میں آپ کی فکر یہ تھی کہ اجتہاد کے لئے دین کے اصل سرچشموں سے گہری واقفیت اور معاملات سے باخبری ضروری ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں :

"کسی کلام کی صحیح تشریح اس کلام کے صرف مفرد الفاظ کے معنی جان لینے سے نہیں ہوسکتی، بلکہ ضروری ہے اس عہد اور زمانہ کے ماحول کو سمجھنے کی، متکلم کی خصوصیت اور حالات کو جاننے کی، اس کے خیالات سے کافی واقفیت کی، اس کے مجموعہ کلام کی روح اور جوہر سے آگاہی کی، اسی خاص مضمون کے ساتھ کافی میلان طبع اور ذوق پیدا کرنے کی اور متکلم کے ساتھ عقیدت اور نیازمندی کی، تب جا کر کہیں اس کلام کا اصل مدعا اور مقصد واضح اور روشن ہوتا ہے"۔(۲)

---

(۱) افکار سلیمانی، ص:۱۶۳ (۲) معارف مئی:۱۹۲۹ء

تقلید کے بارے میں بھی آپ کا یہی مزاج تھا اور تقلید کی ضرورت اور اس کی مصلحت وحکمت کے احساس کے ساتھ اس میں غلو سے نفرت بھی تھی، آپ متاخرین کے مسلک پر آنکھ بند کر کے عمل نہیں کرتے بلکہ دلائل کی روشنی میں مسالک کی تنقیح کرتے، اس کے بعد اس کو عمل کے قابل سمجھتے تھے، چنانچہ آپ نے متعدد مسائل میں فقہاء متاخرین سے اختلاف کیا ہے اور اس اختلاف کو آپ غلط نہیں سمجھتے تھے، البتہ اس کے لئے دینی علوم میں مہارت کے ساتھ ائمہ کرام کے احترام کو ضروری قرار دیتے تھے اور سلف صالحین کے ساتھ کسی بھی طرح کا استہزاء و مذاق روا نہیں سمجھتے تھے۔

اجتہاد اور تقلید کے بارے میں سید صاحبؒ نے معارف کے صفحات میں بارہا لکھا ہے، جس کی بعض عبارتیں ندوۃ العلماء کے مسلک کے بیان میں گذر چکی ہیں، اس کے علاوہ آپ کی شخصیت اور ساری تصنیفات اس کی بہترین دلیل ہے کہ کس طرح آپ ہر مکتبِ فکر میں مقبول و منظور نظر بنے رہے اور آپ کی کتابوں کو سبھوں نے یکساں قبول کی نظروں سے دیکھا اور شوق کے ہاتھوں لیا۔

فقہ اسلامی کی تدوین جدید کی طرف توجہ

بدلتے ہوئے حالات اور مسائل ومشکلات کے حل کے لئے سید صاحبؒ کی خواہش یہ تھی کہ فقہ اسلامی کی ازسرنو تدوین کی جائے اور اصحاب بصیرت علماء و محققین فقہ اسلامی کی تدوین کا فریضہ انجام دیں، تا کہ دنیا کو یہ باور کرایا جاسکے کہ اسلام ایک زندہ ومتحرک مذہب ہے، جو ہر دور اور ہر عہد کے مسائل ومشکلات کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، سید صاحب تحریرؒ فرماتے ہیں :

''زمانہ کا رنگ پلٹ رہا ہے، انقلاب کی لہریں ان دیواروں تک پہنچ گئی ہیں جن کے رہنے والے زمانہ کے اس سیلاب سے اپنے گوشہ عافیت کو محفوظ سمجھتے تھے، علماء کے خیالات بھی

بدل رہے ہیں، اختلاط، میل جول، دینداری، اسلام کی روح
کی حفاظت اور دوسری طرف نئے نئے مسئلے اور نئے نئے
فتوے اور نئے نئے سوال آرہے ہیں، مغربی تمدنی قوانین
اوراسلامی فقہ واحکام کے درمیان تطبیق اگر ممکن ہو، اور قانون
اسلامی کی ترجیح اگر تطبیق ناممکن ہو، حد درجہ نازک لیکن ساتھ ہی
حد درجہ ضروری بھی ہے"۔(۱)

سید صاحبؒ کا اس پر کامل یقین تھا کہ حالات خواہ کتنے ہی بدل جائیں اور دنیا جتنی ہی ترقی کر لے، انسانوں کے تمام مسائل کا حل اسی مذہب میں ہے، اس سلسلہ میں مغرب زدہ روشن خیالوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اسلام کے قانون کی بنیاد کتاب وسنت اوران سے ماخوذ ائمہ
سلف کی فقہ پر ہے، یہ کہنا کہ اسلامی فقہ موجودہ سلطنتوں کے
لئے ناکافی ہے، انتہائی جہالت ہے، ابھی ہماری نئی سلطنتیں تو
چوتھائی صدی کی عمر بھی بسر نہیں کرسکی ہیں، لیکن ہماری گذشتہ
سلطنتیں جو صدہا سال سے دنیا کے طول وعرض میں قائم رہیں
اوران کا مدار انھیں اسلامی قانون پر رہا اور انھوں نے وہ عروج
وترقی حاصل کی اور وہ عدل وانصاف اور رعایا کی خوشحالی
اور فارغ البالی کا سامان کیا، جس کی نظیر نہیں مل سکتی، خلافت
راشدہ، بنوامیہ، خلافت عثمانیہ میں جب تک دم رہا، براہِ
راست کتاب وسنت اور ائمہ کے فیصلوں پر عمل رہا، لیکن تیسری

---

(۱) معارف دسمبر: ۱۹۲۸ء

صدی کے بعد جب فقہی فرقے پیدا ہوئے اور تقلید کا آغاز ہوا
تب بھی شافعی، مالکی اور حنفی فقہیں بڑی بڑی سلطنتوں کا قانون
رہیں، اسپین اور مراکش، مغرب کی عظیم سلطنتیں فقہ مالکی پر چلیں،
سلطان صلاح الدین ایوبی کی حکومت فقہ شافعی پر قائم تھی،
سلجوقیوں، مصری چرکسیوں، عثمانی ترکوں اور پیٹھانوں کی تمام
سلطنتیں فقہ حنفی کے اُصولوں پر حکمراں رہیں، مگران کی دنیاوی
ترقیوں، فتوحات، مالی خوشیوں اور عدل و انصاف میں یہ
اسلامی قانون کبھی عائق نہیں ہوئے''۔(۱)

یہ نظری چیزیں تھیں جن کا اظہار آپ نے معارف کے صفحات اور علماء کرام کے اجتماعات میں بار ہا کیا اور محققین و باکمال حضرات کو اس کی طرف متوجہ کرتے رہے، لیکن عملی طور پر بھی آپ نے اس مبارک میدان میں قدم اُٹھایا اور جدید فقہ کی تدوین و تنقیح میں ہاتھ بٹایا، جو آپ کی فقہی بصیرت اور دوراندیشی کی روشن دلیل ہے۔

۱۹۳۳ء میں حکومت حیدرآباد نے دارالمصنفین کو فقہ حنفی کی رو سے ایک ضابطہ جنایات کی ترتیب وتدوین کی خدمت سپرد کی، سابق دولت عثمانیہ (ترکی) کے مجلة الاحکام کی طرح یہ قانون جنایات بھی دفعہ وار مرتب کیا گیا اور اس کا مسودہ سید صاحبؒ نے حکومتِ حیدرآباد کو پیش کیا۔(۲)

۱۹۳۵ء میں پھر ریاست کے ضابطہ فوجداری پر نظر ثانی کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی، جو حکومت حیدرآباد کی طرف ایک سابق جج، مفتی ریاست اور سید صاحب پر مشتمل تھی، اس کمیٹی نے ایک مہینے میں اپنا پورا کام کیا، اس کام کے لئے سید صاحبؒ بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے جزئیات پر نظر ثانی کرتے تھے، وہ اس کام کے لئے ایک زندہ کتب خانہ اور جیتی جاگتی کتاب کا

(۱) خطبہ صدارت اجلاس ہفتم جمعیۃ علماء ہند کلکتہ ۱۹۲۶ء (۲) معارف سلیمان نمبر، ص:۲۶

کام دیتے تھے، اس کام میں آپ کی بصیرت، طریقہ کار، تحقیقی انداز اور ناقدانہ بصیرت کی بناء پر یہ تاثر پیدا ہوا کہ سید صاحبؒ مسلک کے اعتبار سے تو حنفی ہیں لیکن ایسے حنفی جیسے امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام زفرؒ تھے، وہ یہ خیال نہیں کرتے تھے کہ کسی ایک مسئلہ میں امام اعظم کی رائے سے اختلاف کرنا جرم ہے، یا اس اختلاف کی وجہ سے آدمی حنفی مسلک کا نہیں رہتا —— وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ نہ فقہ کے ابتدائی مرتبین نے اور نہ ان کے بعد ان کے عظیم المرتبت جانشینوں نے کبھی فقہ کو ہر زمانہ میں یکساں طور پر بغیر ترمیم کے واجب العمل قرار دیا تھا اور نہ آج یہ ممکن ہے۔(۱)

اسی طرح ۱۹۴۰ء میں جب مسلم لیگ کا طوطی بولتا تھا، ہندوستان میں پورے شد و مد کے ساتھ اسلامی حکومت کے قیام کا مطالبہ ہو رہا تھا، اس وقت اربابِ مسلم لیگ کو خیال ہوا کہ اسلامی حکومت کے لئے اسلامی دستور ضروری ہے، اس لئے انھوں نے اس وقت کے مشاہیر علماء جو شریعت کے ماہرین تھے، کی ایک جماعت بنائی تھی، اس میں علامہ سید سلیمان ندویؒ بھی شامل تھے، اس کی پہلی میٹنگ ندوۃ العلماء میں سید صاحبؒ کے زیر صدارت ہوئی اور پھر اسلامی دستور کا مسودہ تیار کرنے کی ذمہ داری مولانا اسحٰق سندیلوی ندویؒ کے سپرد کی گئی، مولانا اسحٰق صاحب نے سید صاحبؒ کے مشورہ سے اس کا مسودہ تیار کیا، جو عرصہ بعد اسلام کا سیاسی نظام کے نام سے شائع ہوئی، اس مسودہ کو سید صاحبؒ نے جا بجا ملاحظہ فرمایا تھا اور کئی جگہوں پر حاشیہ بھی لگایا اور اس پر نظر ثانی فرمائی۔(۲)

۱۹۵۲ء میں عراق سے لے کر الجزائر تک بیس ملکوں کے علماء اور اہل علم کی جو کانفرنس پاکستان میں ''احتفالِ علماء'' کے عنوان سے منعقد ہوئی، اس کے پہلے اجلاس کی سید صاحبؒ نے صدارت فرمائی اور اپنے صدارتی خطاب میں سید صاحبؒ نے احتفالِ علماء کے جو اغراض و مقاصد بتائے ان میں دو اہم نکات یہ بھی تھے :

---

(۱) ماہنامہ ریاض کراچی سلیمان نمبر، ص:۳۱ (۲) اسلام کا سیاسی نظام (مقدمہ)، ص:۲

۱- دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق فقہ اسلامی کی تحقیق وتدوین کے لئے ادارہ کا قیام۔

۲- ممالک اسلامیہ کے مروجہ شہری وملکی قوانین کی جگہ فقہ اسلامی کی ترویج کے لئے مؤثر جدوجہد کرنا۔(۱)

سید صاحب کی یہ خواہش تھی کہ ''اسلام کے نظام کاشتکاری'' اور کتب فقہ سے ''زراعت اور آب پاشی کے مسائل'' کو یکجا کردیا جائے، پھر مولانا تھانویؒ سے اس کا ذکر کیا تو یہ طے پایا کہ شروع سے پورے سلسلہ فقہ کو اردو میں مدون کردیا جائے، سید صاحبؒ کو اس سلسلے کی تکمیل کا بے حد خیال تھا، اپنی وفات سے چند ماہ بیشتر ہندوستان تشریف لائے تو بار بار فرماتے تھے :

> ''اس وقت نئے نئے مسائل پیش آرہے ہیں اور ایسے علماء کی ضرورت ہے جو ان مسائل کا تشفی بخش جواب دے سکیں، اس لئے فقہ کی تعلیم پر بہت زیادہ توجہ کرنا چاہئے''۔(۲)

انھوں نے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے طلبہ کے سامنے جو تقریر فرمائی تھی اس میں بھی طلبہ کو اس بات کی طرف متوجہ فرمایا تھا۔(۳)

فقہ اسلامی کی تنفیذ میں سید صاحبؒ کا کردار

فقہ کی تدوین کی طرح اس کی تنفیذ کے لئے بھی سید صاحبؒ ہمیشہ کوشاں رہتے تھے اور جب بھی کوئی ایسا موقع ہاتھ آتا، آپ اس سے ضرور فائدہ اٹھاتے، چنانچہ بھوپال میں قاضی القضاۃ کے منصب کے علاوہ پاکستان منتقل ہونے کے بعد وہاں بھی متعدد ایسی کمیٹیوں کے رکن اور صدر بنے اور اسلامی احکام کی تنفیذ کی راہ میں موجود مشکلات کو حل کرتے ہوئے، اسلامی شریعت کو نافذ کرنے کی پوری جدوجہد فرمائی۔

۱۹۴۶ء میں نواب حمید اللہ خاں والی ریاست بھوپال نے آپ کو دعوت دی کہ بھوپال کے

---

(۱) ریاض سلیمان نمبر، ص: ۱۴۱ (۲) حوالہ سابق (۳) معارف سلیمان نمبر، ص: ۲۴۷

دار القضاء اور عربی مدارس کو اپنی نگرانی میں لے کر خالص مذہبی اور شرعی رنگ میں رنگ دیں، چنانچہ سید صاحبؒ جون ۱۹۴۶ء میں بھوپال کے قاضی القضاۃ کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے، اس زمانہ میں قاضی ریاست کو وہی درجہ حاصل تھا جو ریاست کے ہائی کورٹ کا ہوتا ہے، آپ نے وہاں دو سال تک اس عظیم دینی خدمت کو خود سے انجام دیا اور اس دورِ ترقی میں بھی شرعی قوانین کو نافذ کر کے تنفیذِ شریعت کی ایک مثال قائم کی۔

جب سید صاحبؒ پاکستان تشریف لے گئے تو نومبر ۱۹۵۱ء میں دستور ساز اسمبلی کے بنیادی حقوق کی ''سب کمیٹی'' کے ممبر منتخب ہوئے، اس کمیٹی میں سب سے بڑا کام یہ ہوا کہ اس کے ارکان کے سامنے آپ نے بار بار قرآن وسنت کی اہمیت واضح فرمائی، چنانچہ کمیٹی کے ممبران کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آ گئی اور انھوں نے اپنی رپورٹ میں یہ دفعہ رکھی کہ کوئی ایسا قانون نہ بنایا جائے جو قرآن اور سنت کے خلاف ہو۔(۱)

''تعلیمات اسلامیہ بورڈ'' کی صدارت

پاکستان کے آئین کے سلسلہ میں وہاں کی حکومت نے ''تعلیمات اسلامیہ'' کے نام سے ایک بورڈ قائم کیا تھا اور حکومت کے ذمہ داران اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تجویز پر سید صاحبؒ کی عدم موجودگی میں یہ طے پایا کہ دستوری سفارشات کو اُصول شرع پر قائم اور حدودِ شرع میں باقی رکھنے کے لئے جو بورڈ بنایا جائے اس کی صدارت حضرت سید صاحبؒ کے سپرد کی جائے۔(۲)

سید صاحب جب پاکستان تشریف لے گئے تو تعلیمات اسلامیہ کا یہ بورڈ قائم ہو چکا تھا، اس کی صدارت آپ کو بار بار پیش کی جاتی رہی، لیکن آپ نے اس کو قبول نہیں کیا، البتہ ہجرت کے ستائیس سال بعد کچھ شرائط کے ساتھ آپ نے یہ عہدہ قبول کیا، اس بورڈ کی صدارت کے زمانہ میں سید صاحبؒ کے مشوروں کو قبول کیا جاتا رہا، جس کا اعتراف اس طرح کیا گیا کہ :

---

(۱) معارف سلیمان نمبر، ص:۴۳ (۲) ریاض سلیمان نمبر، ص:۱۳۴

''انھوں نے تعلیمات اسلامیہ بورڈ کے صدر کی حیثیت سے
پاکستان کے دستور سے متعلق علماء اور جدید پود کی جو رہنمائی
فرمائی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم افراط و تفریط سے بچ گئے''۔(۱)

''لاء کمیشن'' کی رکنیت

۱۹۵۰ء میں پاکستان گورنمنٹ نے ''لاء کمیشن'' قائم کیا، جس کا فریضہ یہ تھا کہ وہ مروجہ قانون پر نظر ثانی کر کے اس کو اسلامی قانون کے حصار میں لے آئیں، سید صاحب بھی اس کمیشن کے ایک رکن تھے اور اس کے تحت آپ نے خاموشی کے ساتھ بڑا ٹھوس کارنامہ انجام دیا، سید صاحبؒ کا جب انتقال ہوا تو اس کمیشن کے صدر چیف جسٹس پاکستان ابو صالح محمد اکرام نے فرمایا کہ :

''مولانا ندویؒ قانون کمیشن کے رکن تھے، حکومت پاکستان
نے یہ کمیشن ملک کی عدالتوں میں اسلامی قانون جاری کرنے
کے سلسلہ میں مقرر کیا تھا، ان کی موت نے ہمیں جو نقصان
پہنچایا ہے اس کی تلافی ناممکن ہے''۔(۲)

''دستوری خاکہ'' کی تیاری

دسمبر ۱۹۵۰ء میں سید صاحبؒ کی رہنمائی اور صدارت میں ۳۱ علماء کا اجتماع کراچی میں منعقد ہوا، جس میں دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور شیعہ علماء نے شرکت کی اور تین دنوں کی مستقل کوشش میں ایک دستوری خاکہ تیار کیا گیا، علماء کے اس متحدہ کارنامے پر اہل حکومت حیران تھے اور سبھوں نے اس کا اعتراف کیا کہ یہ کارنامہ سید صاحبؒ کی مرکزی شخصیت کا رہین منت ہے، چنانچہ حضرت کے نام مبارک بادی کے رقعوں اور خطوط کا تانتا بندھ گیا۔(۳)

---

(۱) معارف سلیمان نمبر، ص:۳۹۴ (۲) حوالہ سابق، ص:۳۹۱
(۳) تذکرہ سلیمان، ص:۱۴۰

امارتِ شرعیہ — سید صاحبؒ کی نظر میں

جن ملکوں میں مسلمان اقلیت میں ہونے کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے محکوم ہیں، ان میں قومی تعمیر اور تنظیم ملی کا آغاز کس طرح کیا جائے؟ تعمیر ملت کے لئے مسلمانوں کی منصوبہ بندی کس طرح کی ہو اور آغاز کار کے طور پر بنیادی اہمیت کے لحاظ سے اصل کرنے کا کام کیا ہے جس سے آہستہ آہستہ تمام مشکلات کے حل کی راہیں آسان ہوتی چلی جاتی ہیں اور ملت مستحکم سے مستحکم تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

اس سلسلہ میں سید صاحب کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ ایسے ممالک میں شرعی تنظیم قائم کی جائے، جس کے تحت افتاء، قضاء، اوقاف، مدارس، مساجد، عشر و زکوۃ اور تبلیغ و نشر و اشاعت وغیرہ کا انتظام ہو، آپ نے یہ نظریہ ۱۹۱۷ء کے معارف میں ''ہندوستان میں مسلمانوں کے اُمورِ مذہبی کی تنظیم'' کے عنوان سے ایک مشہور مضمون کے ذریعہ پیش فرمایا تھا۔

آپ نے جمعیۃ العلماء ہند کے اجلاس میں خطبہ صدارت پیش کرتے ہوئے پھر اس خیال کو دہرایا، آپ نے فرمایا:

> ''مسلمانوں کی حقیقی، اصل جوہری تنظیم وہی ہے جو آج سے تیرہ سو برس پہلے قائم ہوئی تھی اور وہ یہ کہ ہر ایسے ملک میں جہاں مسلمانوں کی حکومت نہیں اور اکثریت بھی نہیں، ایک امارت قائم کی جائے، خاص قواعد شرعی کے ساتھ انتخاب ہو، اس کے لئے ایک مجلس شوریٰ ہو اور تمام افراد اس کے ہاتھ پر بیعت ہوں اور اس کے ہر شرعی حکم کو واجب التعمیل سمجھیں، جس کا مخالف مذہباً عاصی اور گنہگار اور ملت کے راستے سے کٹ جانے والا ہوگا''۔(۱)

---

(۱) خطبہ صدارت اجلاس ہفتم جمعیۃ علماء ہند منعقدہ کلکتہ، ص:۵۱

سید صاحبؒ کے خیال میں صرف مسلمانوں کی شرعی تنظیم یا امارت نہ ہونے کی وجہ سے پوری ملت انتشار سے دوچار ہے اور اس کے تمام مسائل روز بروز بھیانک شکل اختیار کرتے جارہے ہیں، اجتماعی ومعاشرتی پریشانیوں سے نجات کا طریقہ صرف یہی ہے کہ امارت کا قیام عمل میں لایا جائے، آپ تحریر فرماتے ہیں :

''اس نظم ملت کے نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے تمام اعلیٰ وادنیٰ طبقے میں، نکاح و طلاق ، وراثت کی سخت معاشرتی مشکلات ہیں، آج کل آپ میں سے جن صاحب کے پاس ملک کے اطراف سے فتوے آتے ہوں گے، وہ گواہی دیں گے کہ اعلیٰ طبقہ کی عورتیں خلع کے رواج پذیر نہ ہونے کے باعث کس قدر مصیبت میں ہوتی ہیں، ظالم شوہروں سے نجات پانے کے لئے انتہاء یہ ہے کہ اعلیٰ خاندان کی عورتیں سوئے قسمت سے تبدیلی مذہب تک کی جرأت کرلیتی ہیں ، نیچے طبقہ کی مسلمان عورتوں میں فوری بدعی طلاق کی صورتیں، مفقود الخبری، عدم ادائے نفقہ اور فسخ نکاح کی متعدد صورتیں پیش آتی ہیں، جن کے علاج سے ہم اس طرح نظم وامارت کے بغیر قطعاً مجبور ہیں کیا امت محمدیہ کی یہ حالت علماء کرام اور مسلمانوں کی توجہ کے لائق نہیں ، اوقاف کی بے ترتیبی، مساجد کی کسمپرسی ، اماموں کی جہالت اصلاح کی محتاج نہیں، جدید اقتصادی و مالی مشکلات کو حل کرنا بھی نظم ملت کے فرائض میں سے ہے''۔(۱)

(۱) خطبہ صدارت اجلاس ہفتم جمعیۃ علماء ہند منعقدہ کلکتہ، ص:۵۹

ہندوستانی مسلمانوں کے لئے امارت کا قیام

سید صاحبؒ ہندوستان کے صورت حال کے پیش نظر یہاں کے مسلمانوں کے لئے امارت کا قیام ضروری سمجھتے تھے اور اُسے نہ صرف مسلمانوں کے معاشرتی مسائل قرار دیتے بلکہ مسلمانوں کی بقاء کو اسی میں مضمر سمجھتے تھے، آپ تحریر فرماتے ہیں :

''ہندوستان کے ہر طبقہ کے مسلمانوں کو یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہئے کہ آئندہ ہندوستان کی جو شکل وصورت بھی ہو، بہر حال یہاں کی حکومت اسلامی نہ ہوگی، بہتر سے بہتر جو صورت حال خیال میں آسکتی ہے وہ ایک متحدہ جمہوریت کی ہے، اس لئے ہر حال میں مسلمانوں کے لئے ضروری ہوگا کہ اپنے قومی ومذہبی ضروریات کے اپنے آپ کفیل ہوں اور یہی ضرورت بعینہ اس وقت بھی ہے، مسلمانوں کی اسلامی ومذہبی تعلیم، ان کے مدرسے، ان کی مسجدیں، ان کے اوقاف، ان کے نکاح وطلاق وراثت وغیرہ خاص محکموں کے محتاج ہیں اور آئندہ رہیں گے — علی ہذاالقیاس اس کے ماتحت دارالافتاء ہوں، جہاں سے جدید ضروریات سے متعلق فتوے صادر ہوں''۔

آپ مزید فرماتے ہیں :

''مسلمان ڈرتے کیوں ہیں، وہ اپنا نظام نامہ خود بنا کر اس وقت خود کیوں نہیں پیش کرتے، جمعیۃ العلماء اس طرف قدم کیوں نہیں بڑھاتی اور اس کے قبول ومنظور کے لئے پوری کوشش وجدوجہد نہیں کرتی اور اس کے لئے مسلمان پبلک کو

دے دی، تو امام ابوحنیفہؒ اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی، لیکن امام مالکؒ اور اکثر اصحاب حدیث اس کے قائل ہیں کہ طلاق واقع نہ ہوگی، اس مسئلہ کے متعلق سید صاحبؒ اپنی کتاب ''حیات امام مالکؒ '' کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں :

''اس مسئلہ کے متعلق مجھے اپنے زمانہ طالب علمی کا ایک مناظرہ یاد آ گیا — طلاق مکرہ کے مسئلہ میں ہماری جماعت میں اختلاف ہوا، میرے سواء تمام طلبہ وقوع کے قائل تھے، میں حضرت عائشہؓ کی حدیث (لا طلاق ولا عتاق فی اغلاق، حالت اکراہ میں طلاق وعتاق نہیں) پیش کرتا اور ان کی طرف سے '' ثلاث جدھن جد وھزلھن ھزل '' پیش کی جاتی ہیں، میں کہتا تھا کہ طلاق مکرہ نہ جد (واقعیت) ہے، نہ ہزل (مذاق) ہے، ہزل تو متفقاً نہیں ہے، مگر جد بھی نہیں، کیوں کہ جد نام ہے خواہش حقیقی و واقعی کے اظہار کا، جو بحالت اکراہ غیر ممکن ہے، بالآخر یہ معاملہ جناب مفتی صاحب (استاذ فقہ مولانا عبداللطیف صاحبؒ) کی خدمت میں پیش کیا گیا، مفتی صاحبؒ نے استدلال عقلی کے طور پر فرمایا کہ زبان سے لفظ طلاق ادا کرنا انسان کا ایک فعل ہے اور افعال کا اثر محتاج نیت وادارہ واظہار واقعیت وغیر واقعیت نہیں ہے، مثلاً کسی کو تم ایک طمانچہ مارو جو تمہارے ہاتھ کا ایک فعل ہے، تو اس کا اثر یعنی چوٹ اور صدمہ محسوس اور واقع ہوگا، خواہ مارنے والے کے لئے تمہارا ارادہ واقعی ہو یا نہ ہو، اسی طرح لفظ طلاق کے نطق کا

> حق کے خلاف ہوئی ہوں، صدق دل سے توبہ کرتا ہے اور اپنے قصور کا اعتراف اور اپنی ہر اس رائے سے جس کی سند کتاب وسنت میں نہ ہو اعلان برأت کرتا ہے، **وما توفیقی الا باللہ** ۔

پھر اس کے اخیر میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ :

> یہ باتیں کسی معترض کے خوف سے نہیں بلکہ اللہ کے حضور میں اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے کر رہا ہوں اور دعاء کرتا ہوں کہ بار الہا مجھے صراط مستقیم پر قائم رکھ اور جب کبھی تقاضائے بشری سے مجھ سے غلطی ہو تو مجھے متنبہ اور معاف فرما اور مسلمانوں کو اس شر سے محفوظ رکھ اور مجھے راہِ ثواب دکھا"۔(۱)

چند فقہی آراء اور تحقیقی مسائل

سید صاحبؒ حقیقتاً ایک محقق تھے اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے طریقہ کار "تفریعات فقہیہ را بر کتاب وسنت عرض نمودن" (۲) پر پوری طرح عامل تھے، چنانچہ فروعی مسائل کو کتاب وسنت کے دلائل کی روشنی میں پرکھتے، پھر جو اس کے مطابق ہوتا اس کو قبول فرماتے، اس طرز تحقیق کی وجہ سے چند مسائل میں آپ کی رائے فقہاء احنافؒ سے الگ بھی ہوگئی ہے، جو آپ کی فقہی بصیرت ، دقیقہ سنجی، فقہ اسلامی پر عبور، اصول اور قواعد شرع سے واقفیت اور اس فن کی باریکیوں پر گہری نظر کی بہترین دلیل ہے، ذیل میں سید صاحبؒ کی چند تحقیقی آراء پیش کی جاتی ہیں جو آپ کی طرز تحقیق کی آئینہ دار ہیں۔

۱- طلاق مکرہ :

شوہر کو زبردستی مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور اس نے بجبر واکراہ طلاق

---

(۱) معارف جنوری: ۱۹۴۳ء (۲) وصیت نامہ مع رسالہ دانش مندی، ص:۱-۲

سید صاحبؒ کا یہی اعتراف حق اور خود شکنی اس وقت سامنے آئی جب انھوں نے معارف جنوری ۱۹۴۳ء میں اپنے رجوع و اعتراف کا اعلان شائع فرمایا، اس اعلان میں انھوں نے دو فقہی مسائل (زیورات پر وجوب زکوٰۃ اور تصویر کی حرمت) پر اپنی گذشتہ رائے سے رجوع کا اعلان کیا تھا، بقیہ دو باتوں کا تعلق معراج نبوی اور بقاء نار سے تھا، اس میں بھی سید صاحبؒ نے گذشتہ تحقیقات کے بجائے جمہور علماء ہی کے مسلک کی تائید کا واضح اعلان فرمایا، اس مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:

''تحریری زندگی کے چالیس سال پورے ہو گئے، یاد نہیں ان چالیس برسوں میں قلم نے کیا کیا لکھا اور کہاں کہاں غلطی کی، اتباع حق کے بجائے اتباع ہویٰ کے مواقع کہاں کہاں پیش آئے اور اب بھی اپنی موجودہ حالت پر بزبان حال یہ صدائے غیب آتی ہے:

چہل سال عمر عزیزت گذشت
مزاج تو از حال طفلی نہ گشت

کتابوں اور مضمون کے ہزارہا صفحات اتنے دنوں میں سیاہ کئے گئے، کہا نہیں جا سکتا کہ کہاں کہاں حق کا ساتھ چھوٹا ہے اور کس باطل کی تائید میں قلم نے لغزش کی ہے، جس سے اتباع حق کے بجائے اتباع ہوی کا ارتکاب ہوا ہو، بندہ ہر حال میں قصوروار ہے، خطا و نسیان اس کا خمیر ہے اور اس کا عمل کی لغزش گاہوں سے ٹھیک بچ نکلنا بہت مشکل ہے، اس لئے یہ خاکسار ہیچمداں علی الاعلان اپنی ان تمام غلطیوں سے جو دانستہ یا نادانستہ

اور علامہ ندویؒ کے درمیان کوئی ربط قائم نہیں ہوا تھا، مولانا سید سلیمان ندویؒ نے مولانا ظفر احمد صاحب کے خط اور رسالے کا جواب حضرت تھانوی ہی کے نام بھیجا، جس میں لکھا تھا کہ :

> ''حضرت مستفتی (مولانا عبداللطیف صاحب) میرے استاذ وشیخ ہیں، یہ رسالہ انھوں نے مجھے حیدر آباد میں خود دیکھنے کے لئے دیا تھا اور میں نے اس کو بغور پڑھنے کے لئے ساتھ لایا تھا، پڑھ کر میں نے ان کو ان الفاظ کے ساتھ واپس کیا کہ آپ جس کو مکروہ سمجھتے ہیں میں اس کو ربوا کہتا ہوں اور میرے نزدیک تو قیل وقال وروایت سے زیادہ مستحکم دلیل عمل سلف کرام ہے کہ یہ ایسا اور شدید الاحتیاج مسئلہ ہونے کے باوجود کسی نے اس کو جائز نہیں بتایا اور نہ اس پر کبھی عمل کیا، لفظ بیع ودَین وقرض کے اصطلاح سے بڑھ کر لغت کا فیصلہ ہے''۔(۱)

سید صاحبؒ کے یہاں یہ جرأت اپنی رائے اور فیصلہ پر نظر ثانی کی صورت میں بھی ظاہر ہوتی ہے، انھوں نے ایک صاحب کو صحیح فتویٰ دیا، مگر بعد میں انھیں استفتاء اور اس کے جواب کا پوری طرح خیال نہیں رہا، وہ مولانا غلام محمد کے قریبی لوگوں میں سے تھے، چنانچہ ان کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ :

> ''اگر آپ ان کو جانتے ہوں یا یہ کر سکتے ہوں تو ان کے پتہ سے مطلع کر دیں یا ان کو یہ خبر کر دیں کہ جو مسئلہ انھوں نے پوچھا تھا، وہ مجھے لکھ کر بھیجیں، مجھے شبہ ہوتا ہے کہ ان کے جواب میں غلطی کی ہے''۔(۲)

---

(۱) تذکرہ سلیمان، ص:۲۸۰ (۲) حوالہ سابق، ص:۵۴۶

جیسے ایک باادب شاگرد کو اپنے شفیق استاذ سے ہونا چاہئے،
وہ علامہ کو ایک غیر جانبدار محقق دین مانتے تھے اور فقہی مسائل
میں جہاں دیوبندی اور بریلوی اسکول میں اختلاف نظر آتا،
ان ہی کے قول کو قولِ فیصل سمجھتے تھے"۔(۱)

حجاز مقدس پر شریف حسین کے بجائے آل سعود کی حکومت قائم ہوئی تو اس کے اثرات ہندوستان پر بھی پڑے، فرنگی محل اور بعض دیگر علماء کی طرف سے ایک فتویٰ التواء حج کا شائع ہوا، سید صاحبؒ التواء حج کے کسی طرح روادار نہ تھے، اس جھگڑے میں پورے ہندوستان خصوصاً شمالی ہند میں جو قلمی جنگ و پیکار جاری تھی، اس کی وجہ سے مولانا محمد علی جوہر کا "ہمدرد" اور مولانا ظفر علی خاں کا "زمیندار" ایک دوسرے کے مخالف کیمپوں میں تھے اور اپنے اپنے حریف پر الفاظ و معانی کی آگ اور تیر برسا رہے تھے، لیکن سید صاحب اس معرکہ میں بھی دونوں کے لئے محترم اور "ممدوح الطرفین تھے"۔(۲)

افتاء اور توضیح مسائل کے موقعوں پر سید صاحبؒ کی جانب سے مروت یا رعایت کے بجائے جرأت اور صاف گوئی کا طرز سامنے آتا ہے، مفتی عبداللطیف صاحب مفتی ریاست حیدرآباد دکن نے ایک رسالہ صدارت عالیہ اور محکمہ شرعیہ دولت آصفیہ سے "الاستفتاء" کے نام سے شائع فرمایا، اس میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ ربوا صرف بیع وشراء میں پایا جاتا ہے، قرض کی صورت میں نفع لینا جائز ہے اور وہ ربوا نہیں ہے، مولانا تھانویؒ نے اس کے جواب میں اپنے خواہر زادہ مولانا ظفر احمد تھانویؒ سے "کشف الدجی عن وجہ الربوا" کے نام سے ایک رسالہ لکھوایا اور ان کو یہ ہدایت فرمائی کہ اس پر علمائے عصر کی تصدیقات بھی حاصل کر لی جائیں، انھوں نے ایک نسخہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی خدمت میں اس غرض سے بھیجا، اس وقت حضرت تھانویؒ

---

(۱) تذکرہ سلیمانی، ص:۳۸۱ (۲) مکتوبات سلیمان (حواشی)، ص:۶۲۴

چاہئے، اس پر حضرت مفتی صاحبؒ نے برملا فرمایا کہ یہ جواب
حضرت ہی لکھ سکتے ہیں ہم چوں کہ فقہ حنفی کے مفتی ہیں، اس
لئے نہیں لکھ سکتے، پھر مفتی اعظم پاکستان نے بھی اس کی تائید
فرمادی"۔(۱)

فقہی جزئیات پر نظر اور قوت استدلال کے سلسلہ میں مولانا صبغت اللہ فرنگی محلی کا بیان سید صاحبؒ کے بارے میں ایک چشمِ دید شہادت کی حیثیت رکھتا ہے، شاہ جہاں پور میں ۱۹۲۱ء میں حضرت سید صاحبؒ کی زیر صدارت تحریک خلافت کی جانب سے ایک بڑی کانفرنس ہورہی تھی، تحریک خلافت کی مخالفت اور تکفیری اشتہارات کی اشاعت خوب زور و شور سے کی گئی، وہ اشتہارات سید صاحبؒ کو دیئے گئے، تو انھوں نے اپنا خطبہ صدارت پڑھنے کے بعد ان کا بھی تذکرہ کیا، مگر بقول مولانا فرنگی محلیؒ:

"ان اشتہارات کے ذکر میں سید صاحبؒ کی ضرب المثل
متانت برقرار رہی، حد یہ ہے کہ لہجہ تک نہیں بدلا، اس کے بعد
ان کے مضبوط و متین جوابات نے —— ان لوگوں کو انگشت
بدنداں کردیا، جو ان کو آج تک صرف ایک ادیب و مورخ ہی
جانتے تھے، جزئیات فقہ پر عبور، مسائل کا استحضار اور قوت
استدلال سب ہی سے خراج تحسین وصول کررہی تھی"۔(۲)

سید صاحبؒ اپنے اعتدال اور توازن کی وجہ سے ان لوگوں کا بھی مرجع تھے جو دیوبندی و بریلوی اختلاف کی وجہ سے قول حق کی جستجو میں رہتے۔ چنانچہ:

"نواب بہادر جنگ جن کو حضرت علامہ سے ایسا ہی تعلق تھا

---

(۱) رسالہ برہان دسمبر: ۱۹۸۴ء (مضمون غلام احمد)　　(۲) ماہنامہ ریاض سلیمان نمبر، ص: ۷۷

تمہارا تو نکاح ہی فسخ ہو گیا، اب تو مسلم میاں بیوی بھی پریشان اور اس کے دوست بھی حیران ، احتیاطاً ان کے دوست نے بعض معتبر مفتیوں سے رُجوع کیا، مگر جواب طلاقِ قطعی ہی کا ملا، پھر وہ حضرت علامہ کی خدمت میں آئے، سارا ماجرا سنایا، علامہ نے فرمایا کہ مفتی صاحب (مولانا محمد شفیع صاحبؒ) سے پوچھئے، انھوں نے عرض کیا کہ وہاں سے تو یہی جواب ملا ہے، علامہ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: تو آپ کا کیا جی چاہتا ہے کہ جواب برعکس ملے، اس پر وہ چپ رہے، تب علامہ نے ان سے فرمایا کہ کہ آپ ایک استفتاء لکھ کر کل مفتی صاحبؒ کے سالانہ اجلاس میں لائیے ، مجھے جو کچھ لکھنا ہوگا ، وہیں لکھ دوں گا، چنانچہ دوسرے روز جلسہ جب ختم ہوا او رمخصوص علماء جن میں مفتی محمد حسن امرتسریؒ، مولانا ادریس کاندھلویؒ اور خود مفتی محمد شفیع صاحبؒ تھے، چائے نوشی کے لئے ایک کمرہ میں بیٹھ گئے، تو علامہ نے ان صاحب سے استفتاء لے کر ایک ایک کو دکھلایا، متفقہ جواب تھا کہ طلاق واقع ہوگئی، پھر حضرت علامہ نے اس پر اپنے قلم سے یہ فتویٰ تحریر فرمادیا کہ اہل سنت والجماعت میں مسلک اہل حدیث کی رو سے طلاق واقع نہیں ہوئی، رجوع کرادیا جائے، پھر علماء کرام کو یہ دکھلاتے ہوئے فرمایا کہ وہ نومسلم بیچارے تو ابھی نہ حنفی ہیں ، نہ شافعی ، لہٰذا قانون میں کوئی بھی گنجائش نکلتی ہو تو اس کا فائدہ انھیں ملنا

اسی طرح دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں :

''اس راہ میں جو سب سے زیادہ مسائل ہیں، وہ اطاعت کی کمیابی ہے اور اسی سے ہمارا سارا نظام درہم برہم ہے''۔(۱)

سید صاحبؒ کے فتاویٰ نویسی کا انداز

فتاویٰ نویسی میں اصابت رائے لئے جہاں قرآن وحدیث میں گہری بصیرت، علوم عربیہ میں کمال اور اجتہادات فقہاء سے گہری واقفیت کی ضرورت ہے، وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ مفتی اور فقیہ اپنے عہد کے علوم وافکار سے بھی اچھی طرح واقف ہو، توازن واعتدال، تحمل وبرداشت، حریتِ فکر اور اصابت رائے کی صفات سے آراستہ ہو، نیز اس کی شخصیت اپنے علم وعمل میں باوقار ہو اور اس میں قول حق کے لئے جرأت واظہار حق کی صفت بھی پائی جاتی ہو، سید صاحبؒ کی شخصیت میں یہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں۔(۲)

حالات زمانہ کے پیش نظر سید صاحب فتویٰ لکھنے میں اپنی تحقیقی شان کو باقی رکھتے، ایسا نہ ہوتا کہ واقعی ضرورت کے باوجود ایک ہی فقہ کے پابند ہوں، اس سلسلہ میں حکمت سلیمانی کا آئینہ دار ایک واقعہ ہے جو قیام پاکستان کے عرصہ میں سید صاحبؒ کی عمر کے بالکل آخری دنوں میں پیش آیا تھا، یہ اس بات کی وضاحت کے لئے قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے کہ سید صاحبؒ عامی مقلد تھے یا محقق فقیہ، اس واقعہ کے راوی مولانا غلام محمد (عثمانیہ) مسترشد حضرت علامہ ندویؒ فرماتے ہیں :

''ایک انگریز میاں بیوی مسلمان ہوئے، چند ہی دنوں میں آپس کی ناچاقی میں شوہر نے بیوی سے ایسے کلمات کہہ ڈالے کہ مذہب حنفی کی رو سے طلاق مغلظہ واقع ہوگئی، یہ ماجرا ان کے ایک مسلمان دوست نے سنا تو انھوں نے شوہر سے کہا کہ

---

(۱) شذرات: ۱/ ۳۰۷ (۲) مطالعہ سلیمانی، ص: ۱۲۵

فریضہ ہے اور دار الکفر یا دار الامان میں رہتے ہوئے امیر شریعت جتنے احکام کا نفاذ کر سکتا ہے وہ اسی کا مکلّف ہے اور اس پر اسی قدر احکام شرعی کی تنفیذ لازم ہے، جو اس کی استطاعت میں ہے اور تنفیذی قوت کی سعی اسی قدر لازم ہے جتنا ممکن ہے، آپ تحریر فرماتے ہیں :

''یہ کہنا کہ امامت کے لئے نفوذ و اقتدار ضروری ہے، صحیح ہے، لیکن یہ کامل امامت کی شرط ہے، مسئلہ کی صورت تو یہ ہے کہ اگر مسلمان کسی امر واجب کے ادا کرنے کی کما حقہ اور اس کے پورے شرائط کے ساتھ ادا کرنے پر قادر نہیں ہے، تو آیا وہ واجب اس سے ساقط ہو جائے گا، یا حسب استطاعت جہاں تک اس کی وسعت و قدرت ہو، اس کو ادا کرنا ضروری ہے، نماز کے لئے قیام و قعود اور قرآن پڑھنا تو ضروری ہے، لیکن اگر کوئی بیمار ہو یا اپاہج ہو، یا گونگا اس پر قدرت نہ رکھے تو اس سے نماز ساقط ہو جائے گی، یا نماز واجب رہے گی اور اس کو ادا کرنا اس کی طاقت اور وسعت کے مطابق فرض ہوگا، **لایکلف اللہ نفساً الا وسعھا**''۔(۱)

قوتِ تنفیذ کے بارے میں سید صاحبؒ نے بڑا اچھا نکتہ بیان کیا ہے کہ تنفیذی قوت صرف آلاتِ حرب و جنگ سے ہی حاصل نہیں ہوتی، بلکہ کسی بھی نظام میں اصل طاقت سمع وطاعت اور اخلاقی قوت ہے، آپ تحریر فرماتے ہیں :

''مسلمانوں کا اخلاقی و معاشرتی دباؤ اس کی تنفیذی قوت کا کام دے سکتا ہے۔''(۲)

---

(۱) شذرات:۳۰۶/۱ (۲) حوالہ سابق، ص:۳۰۵

آمادہ نہیں کرتی، آسمان کو دیکھ کر موسم کے انقلاب کی پیشگوئی اگر جائز ہے تو موجودہ حالات کو دیکھ کر مجھے یقین ہے کہ اس قسم کی کوئی تدبیر اختیار نہیں کی گئی تو مسلمانوں کی ممتاز ہستی اس ملک میں قائم نہیں رہ سکتی"۔(۱)

صوبائی سطح پر امارت کا قیام

سید صاحبؒ نے ارباب حکومت اور مسلمانوں کے سامنے ۱۹۱۷ء میں مذہبی تنظیم کا جو خاکہ پیش کیا تھا وہ ہندوستان گیر سطح کا تھا، لیکن جب یہ تجویز روبہ عمل نہ آسکی تو اس کے بعد آپ نے صوبائی سطح پر امارت کے قیام کو آخری حل قرار دیا، چنانچہ ۱۹۲۴ء کے معارف کے شذرات میں تحریر فرماتے ہیں:

"مسلمان کسی ایک شخص یا ایک مجلس کی اطاعت کا حلف اُٹھائیں اور اس طرح خلافت کی اصل روح کو زندہ کریں، اس سے تنظیم کا ہر شعبہ درست ہوسکتا ہے اور خلع اور فسخ نکاح اور طلاق اور عدم ادائے نفقہ اور اوقاف و مکاتب اور تحصیل زکوۃ کا تمام نظام پورا ہوسکتا ہے اور مسلمان اس ملک میں ایک منظم طاقت بن سکتے ہیں، اس لئے ضرورت ہے کہ آل انڈیا کا تخیل چھوڑ کر پہلے ایک صوبہ میں اس کام کو شروع کیا جائے"۔(۲)

امارت کے قیام کے لئے قوت تنفیذ کا مسئلہ

فقہاء نے یہ اُصول بتایا ہے کہ "الطاعة بقدر الاستطاعة" کہ طاعت، استطاعت کے بقدر واجب ہوتی ہے، اس کے مطابق سید صاحبؒ کی رائے یہ تھی کہ نظام شرعی کا قیام ایک

---

(۱) معارف: نومبر ۱۹۲۹ء (۲) شذرات: ۱/۳۰۷

جو اثر ہے وہ ہر حال میں واقع ہوگا، اس استدلال کو سن کر میں تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوگیا، پھر علی الفور خدا نے مجھے ایک حجت القاء کردی، میں نے عرض کیا کہ افعال کے اثر دو قسم کے ہوتے ہیں، اعتباری اور واقعی، واقعی وہ جو ہماری تسلیم واعتبار پر موقوف نہ ہو، بلکہ وہ حقیقتاً بلا اعتبار معتبر ہو، مثلاً ضرب کے لئے احساس صدمہ، دوسرا اعتباری، اگر اعتبار رکھئے تو اثر ہے اور نہ اعتبار کیجئے تو اثر نہیں ہے، مثلاً ایک مجنون کی لفظ طلاق کے ساتھ حرکت زبان، اگر شرع اعتبار کرے تو طلاق ہے، نہ اعتبار کرے تو طلاق نہیں ہے، اس لئے بجائے استدلال عقلی کے صرف یہ ثابت کرنا چاہئے کہ مکرہ کے اس فعل کے اس اثر کا شریعت اعتبار کرتی ہے یا نہیں اور اس کا فیصلہ حدیث عائشہؓ نے کردیا کہ نہیں کرتی"۔ (۱)

۲- اُردو میں خطبہ :

مولانا مونگیریؒ بانی ندوۃ العلماء و دیگر علماء کی طرح سید صاحبؒ کی بھی رائے یہ تھی کہ اس دور میں جب کہ خطبہ سننے والوں کی اکثریت عربی زبان سے ناآشنا ہوتی ہے اور خطبہ کا مقصد پورا نہیں ہوتا، اس لئے اُردو زبان میں خطبہ دینا چاہئے، یا کم ازکم عربی خطبہ کے ساتھ اُردو میں بھی خطبہ دیا جائے۔

جمعیۃ العلماء ہند کے اجلاس ہفتم منعقدہ کلکتہ ۱۹۲۶ء کی صدارت سید صاحبؒ نے فرمائی، اس موقع پر علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور دوسرے بڑے بڑے علماء شریک اجلاس تھے، اس اجلاس میں

(۱) حیات امام مالکؒ (حاشیہ)، ص: ۴۷-۴۸

سید صاحبؒ نے جو خطبہ صدارت پڑھا اس میں آپ نے خطبہ جمعہ پر بھی روشنی ڈالی، آپ نے فرمایا کہ :

''جمعہ کے خطبوں کی اصلاح بھی ضروری ہے، اہل حدیث اصحاب اور بہت سے دیگر علماء نے اُردو میں خطبہ دینے کے جواز کو تسلیم کرلیا ہے، تاہم بہت سے علماء کو صرف اُردو زبان میں خطبہ دینے مین کچھ تامل ہے، اگر اتنا بھی تسلیم کرلیا جائے کہ عربی کے ساتھ اُردو میں بھی دینا جائز ہے تو بہت کچھ اصلاح ہوسکتی ہے، کسی اختلافی مسئلہ کو چھیڑنے کا جرم عائد نہ کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ غیر مجوزین کے پاس سوائے عمل سلف کے غیر عربی زبان میں خطبہ کے عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں ہے، عمل سلف کے استدلال کے متعلق عرض ہے کہ طریقہ سلف کے مطابق خطبہ میں حسب ذیل خصوصیتیں ہوتی تھیں، وہ عربی زبان میں ہوتا تھا، وہ زبانی پڑھا جاتا تھا، کسی کتاب میں دیکھ کر نہیں پڑھا جاتا تھا، اس کی صورت تلاوت اور قرأت کی نہیں ہوتی تھی، بلکہ مختصر زبانی تقریر کی ہوتی تھی، اس میں آیات اوراحادیث کے التزام کے ساتھ مسائل حاضرہ و متجددہ پر مسلمانون کی فہمائش ہوتی تھی، ایک خطبہ لکھا یا رٹا ہوا صدیوں تک پڑھا نہیں گیا، وہ سلاطین کی مدح وستائش سے پاک ہوتا تھا، اس میں تغنی نہیں ہوتی تھی، وہ مقفع و مسجع بے معنی عبارت نہیں ہوتی تھی، مگر ان تمام خصوصیات کو بلانکیر ترک کر دینا

اورعربی کی خصوصیت پر زور دینا قرین صواب نہیں ،اگرعربی کی
قیدنہیں رہے تو حصول فوائد کے علاوہ محض ایک بدعت کو قبول
کر کے متعدد بدعات سے ہم محفوظ ہو جائیں گے،،۔(۱)

۳- نابالغ کا نکاح

۱۹۲۸ء میں ہندوستان کی آئینی مجلس میں ہندوؤں کی جانب سے شاردا بل پاس ہوا، جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ بلوغ سے پہلے نکاح قانوناً جرم قرار دیا جائے ، ہندوستانی علماء اور قانون اسلامی کے ماہرین کی طرف اس بل کی پرزور مخالفت کی گئی ، جس میں سید صاحبؒ بھی پیش پیش تھے۔

نومبر ۱۹۲۹ء کے معارف میں نابالغ کے نکاح کے بارے میں اپنے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :

''میرا مسلک اس مسئلہ میں بالکل یکساں اور صاف ہے ،
نابالغوں کا نکاح میرے نزدیک شرعاً جائز ہے ، لیکن بعض
خاص حالتوں کو چھوڑ کر عام طور سے قرآن پاک اور احادیث
کے اشارات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ عدم بلوغ کی حالت میں
بلا کسی سبب کے نکاح کرنا مناسب نہیں''۔(۲)

۴- لاؤڈ اسپیکر پر نماز

لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اذان ونماز درست ہے یا نہیں؟ ابتداء میں اس مسئلہ میں ہند و بیرون ہند کے علماء کے مابین اختلاف تھا کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہ امام اور مؤذن کی آواز نہیں ہے، بلکہ اس کی آواز بازگشت ہے، اس لئے اذان ونماز کے لئے اس کا استعمال درست نہیں ہوگا، جب کہ

---

(۱) خطبہ صدارت، ص:۵۰-۶۰ (۲) شذرات:۲۵۵/۱

بعض علماء کی رائے یہ تھی کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہ متکلم کی آواز ہوتی ہے، جو زیادہ بلند ہوکر اس آلہ کے ذریعہ باہر آتی ہے، اس لئے اذان ونماز کے لئے اس کا استعمال درست ہوگا، سید صاحبؒ کا شمار بھی ان ہی علماء میں سے تھا، جن کو ابتداء سے اذان ونماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے جواز پر شرح صدر حاصل تھا۔

۱۹۴۹ء میں آپ نے حج کے ارادے سے حجاز مقدس کا سفر کیا، حرمین شریفین میں لاؤڈ اسپیکر پر اذان ونماز ہوتی تھی، علماء حجاز جواز کے قائل تھے، مگر ان کے پاس مستحکم دلائل کے بجائے سطحی قسم کے دلائل تھے اور اس میں بھی عصری تقاضوں اور دباؤ کی آمیزش تھی، اس موقع پر سید صاحبؒ نے یہ حکمت عملی اپنائی کہ اس مسئلہ سے متعلق ایک استفتاء ترتیب دے کر علماء حجاز سے اس کا جواب طلب فرمایا، سبھوں نے جواز کا فتویٰ دیا، مگر ان کے دلائل کمزور وناقص تھے، بعض نے اس کے استعمال کو عینک کے استعمال پر قیاس کرتے ہوئے جواز کا فتویٰ دیا تھا۔

سید صاحب چوں کہ مستفتی تھے، اس لئے فتویٰ لکھنا تو مناسب نہ تھا، اس لئے انھوں نے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے (جو پاکستان سے شریک سفر تھے) یہ فرمایا کہ وہ جواب تحریر کریں، مولانا ظفر احمد عثمانی نے حسب حکم مضبوط فقہی دلائل کے ساتھ جواز کا فتویٰ لکھا، سید صاحبؒ نے یہ جواب علماء حجاز کی خدمت میں پیش کر کے ان سے فرمایا کہ آپ حضرات مرکزِ اسلام میں رہتے ہیں، اس لئے فقہی مسائل میں آپ کو زیادہ محتاط رہنا چاہئے، اس تحریر کا غیر معمولی اثر ہوا، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے بقول ——: ''حضرت سید صاحب نے تو علماء حجاز میں تہلکہ مچادیا''۔(۱)

۵- ریڈیو اور فون پر رویت ہلال کا اعلان :

رویت ہلال کا ثبوتِ شرعی ہوجانے کے بعد ریڈیو یا ٹیلی فون سے اس کے اعلان کو بھی ثبوت شرعی کے معیار پر اُترنا چاہئے یا نہیں؟ اس کے متعلق بعض حلقوں نے یہ بات کہی کہ آلاتِ

---

(۱) تذکرہ سلیمان: ۲۰۷

جدیدہ شہادت کے قائم مقام نہیں ہیں، یا یہ آلات، ذرائع شہادت کے قائم مقام نہیں ہیں، لیکن سید صاحبؒ کی فقیہانہ نکتہ سنجی کے مطابق ان اعلانات کو شہادت نہیں نتیجہ شہادت سمجھنا چاہئے اور ان کی حیثیت قضائے قاضی کے فیصلے اور اعلان کی ہے، جس کے لئے شہادت کے مطلوبہ معیار کے پائے جانے کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ ۲۱/اگست ۱۹۴۸ء میں بھوپال میں ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

> (الف) کوئی قاضی ریاست اسلامیہ یا غیر اسلامی ریاست میں مسلمانوں کا مقرر کردہ قاضی یا امام شرعی شہادت لینے کے بعد رویت ہلال صوم یا فطر کا اعلان بذریعہ تار یا ٹیلی فون کرے، تو اس کے قضاء کے مطابق عمل کرنا درست ہے، کیوں کہ یہ شہادت نہیں، بلکہ نتیجہ شہادت ہے، قضائے قاضی کا اعلان ہے، مگر ضرورت ہے کہ ان آلاتِ نشر کی پوری نگرانی کی جائے اور اس کا سارا کام مسلمانوں کے ہاتھوں انجام پائے۔
>
> (ب) رویت ہلال کا فیصلہ اور اعلان کرنے کے لئے تنہا عالم دین، امام جامع مسجد ہونا کافی نہیں، اس کا مسلمانوں کی جماعت کا مقرر کردہ یا عملاً مسلّم (تسلیم کیا ہو) ہونا ضروری ہے، اگر ایسا شخص ہلال فطر اور ہلال صوم کی شہادت شرعی لے کر کسی آلہ نشر سے شائع کرے یا ٹیلی فون سے ارسال کرے تو اس کے مطابق عمل کرنا درست ہے، جب کہ آج بھی توپ یا گولہ یا نقارہ یا گھنٹہ سے ہلال یا چاند کے طلوع وغروب کا اعلان حکومت یا کسی مسلم جماعت کی طرف سے کیا جاتا ہے

اور اس پر عمل کیا جاتا ہے۔(۱)

۶- جمع بین الصلوٰتین :

جمع بین الصلوٰتین کے بارے میں سید صاحبؒ نے حنفی مسلک کی وضاحت کی ہے، لیکن آپ کا تحقیقی رجحان دوسری طرف ہے، آپ تحریر فرماتے ہیں :

''اوقات نماز سے متعلق آیتوں پر غور کی نظر ڈالنے سے ایک عجیب نکتہ حل ہوتا ہے، پہلی آیتوں میں ظہر اور عصر کی نمازیں مجمل ہیں، یعنی دونوں کو ایک لفظ ''قبل الغروب'' یا ''اصل'' یا ''طرف النہار'' کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے، آخری آیت میں جو سورہ روم کی ہے، ظہر وعصر کی نمازوں کا نام تصریح کے ساتھ آتا ہے، مگر شام کی نماز میں اجمال ہے، یعنی مغرب و عشاء دونوں کو ''حین تمسون'' (جب رات کرو) کے ذریعہ سے ادا کیا گیا ہے، اس سے اس جانب ایک لطیف اشارہ نکلتا ہے کہ یہ دونوں مل کر ایک بھی ہیں اور علیحدہ بھی ہیں، اس بناء پر کسی اشد ضرورت اور سفر کی بے اطمینانی کے وقت ظہر وعصر کو ایک ساتھ اور مغرب وعشاء کو ایک ساتھ ملا کر بھی ادا کر سکتے ہیں، صبح کی نماز چوں کہ ہر آیت میں علیحدہ ذکر کی گئی ہے، اس لئے اس کا کسی دوسری نماز کے ساتھ ملانا جائز نہیں ہے، احادیث میں جمع بین الصلوٰتین کے عنوان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی مثالیں اس نکتہ قرآنی کی

---

(۱) معارف سلیمان نمبر، ص:۳۲۱

تشریح میں موجود ہیں''۔(۱)

۷- مصارف زکوٰۃ اور تملیک :

قرآن مجید میں جو آٹھ مصارف زکوٰۃ بیان کئے گئے ہیں، ان میں ایک مصرف ''فی سبیل اللہ'' بھی ہے، اکثر فقہاء نے فی سبیل اللہ سے مراد جہاد لیا ہے، لیکن سید صاحبؒ اس سے تمام نیک کام مراد لیتے ہیں، آپ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں :

> ''**وفی سبیل اللہ** (خدا کی راہ میں) ایک وسیع مفہوم ہے، جو ہر قسم کے نیک کام کو شامل ہے اور حسب ضرورت کبھی اس سے مذہبی لڑائی، سفر حج، یا دوسرے نیک کام مراد لئے جاسکتے ہیں''۔

پھر اس کے حاشیہ میں رقمطراز ہیں :

> ''اکثر فقہاء نے فی سبیل اللہ سے مراد جہاد لیا ہے، مگر یہ تحدید صحیح نہیں معلوم ہوتی، ''**للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ**'' میں فی سبیل اللہ سے مراد بالاتفاق صرف جہاد نہیں بلکہ ہر نیکی اور دینی کام مراد ہے، اکثر فقہاء نے یہ بھی کہا کہ زکوٰۃ میں تملیک یعنی کسی شخص کی ذاتی ملکیت بنانا ضروری ہے، مگر ان کا استدلال جو للفقراء کے لام تملیک پر مبنی ہے، بہت کچھ مشتبہ ہے، ہوسکتا ہے کہ لام انتفاع ہو، جیسے ''**خلق لکم مافی الارض جمیعاً**''۔(۲)

سید صاحبؒ اور قضاء

سید صاحب کا ریاست بھوپال سے علامہ شبلیؒ کے جانشیں ہونے کی حیثیت سے دیرینہ تعلق

---

(۱) سیرت النبی: ۹۱/۵-۹۲ (۲) حوالہ سابق: ۱۷۶/۵

تھا، سرکار عالیہ بیگم صاحبہ آپ کی بڑی قدر دان تھیں اور دارالمصنفین کی تعمیر و ترقی میں اس نے بڑا کردار ادا کیا تھا، ان کے بعد نواب حمید اللہ خاں فرماں رواء بھوپال سے بھی سید صاحبؒ کے تعلقات اسی طرح قائم رہے، نواب صاحب سید صاحب کے علمی کمال کے بڑے قدر شناس تھے اور ان کے دل میں سید صاحبؒ کی عظمت کا نقش بٹھا ہوا تھا، انھوں نے کئی بار سید صاحبؒ کو قاضی القضاۃ کے منصب کو قبول کرنے کی دعوت دی، لیکن سید صاحبؒ دارالمصنفین کی ذمہ داری کا حوالہ دے کر معذرت کرتے رہے، لیکن آخری بار قصر سلطانی بھوپال سے جو خط نواب صاحب نے لکھا، اس کے اندر ایسا پیرایہ اختیار کیا کہ سید صاحبؒ اس کو رد نہ کرسکے، نواب صاحب نے لکھا تھا کہ :

> ”میں نے اپنی ریاست کے دار القضاء اور یہاں کے مدارس عربیہ کی اصلاح کا عزم کیا اور اس کام کے لئے میری نظر میں علامہ سید سلیمان ندویؒ سے موزوں شخصیت کوئی نہیں تھی، لیکن میری دعوت کو آپ قبول نہیں فرماتے، اب میں بریٔ الذمہ ہوں، اگر اللہ تعالیٰ قیامت میں مجھ سے اس بارے میں پوچھے گا تو صاف عرض کردوں گا کہ بار الٰہا میں نے اس کام کے لئے جس ہستی کو موزوں سمجھا بہ اصرار اس کو بلانا چاہا، مگر میرا اصرار کارگر نہ ہوا۔ (۱)

بھوپال کے مسند قضاء پر

نواب صاحب نے جو اُسلوب اختیار کیا تھا سید صاحبؒ اس سے بے حد متاثر ہوئے اور بھوپال آنے کے لئے رضامند ہوگئے، چنانچہ ۱۶/ جولائی ۱۹۴۶ء کو بھوپال تشریف لائے اور مسند قضاء اور امارت جامعہ مشرقیہ کو زینت بخشی، اس کے متعلق ایک مکتوب میں فرماتے ہیں :

---

(۱) مطالعہ سلیمانی، ص:۴۶۶

''١٦/ جولائی کو میں نے دار القضاء اور مدارس عربیہ کا چارج لیا ہے ، دار القضاء میں زیادہ تر مقدمات نکاح و طلاق ، خلع وتفریق اور ولایت اور کبھی کبھی قصاص کے ہوتے ہیں''۔(١)

سید صاحبؒ کے فیصلہ کا انداز

سید صاحبؒ مقدمات فیصل کرنے سے پہلے اس بات کی پوری کوشش فرماتے کہ اگر فریق اور سائل کو شرعی اعتبار سے کوئی آسانی مل سکتی ہو اور اس کے لئے یقین کا پہلو نکل سکتا ہو تو بمصداق حدیث نبوی ''یسروا ولا تعسروا و بشروا ولا تنفروا'' (٢) کے اس پہلو کو اُجاگر کرتے تاکہ فریق یا سائل کو اس کا فائدہ پہنچے۔

سید صاحبؒ کے اجلاس میں ایک قتل کا مقدمہ پیش ہوا، (ریاست میں قتل کے مقدمہ کے سلسلہ میں جب تک قاضی ریاست کے دستخط نہ ہو جائے ، عدالت مجاز کا فیصلہ نافذ نہ ہوتا، آخری اپیل دار القضاء میں پیش ہوئی تھی) مقتول کی ماں اپنے لڑکے کے قتل پر اس قدر آتش زیر پا تھی کہ ہزار سمجھانے پر بھی معافی کے لئے تیار نہ ہوئی، آخری میں معاملہ سید صاحبؒ کے اجلاس میں پہنچا، سید صاحب نے ہر چند اس کو فہمائش کی ، لیکن وہ قصاص پر اڑی رہی ، جب قاتل کے باپ نے قصاص کا فیصلہ سنا تو بے ہوش ہو کر گر گئے ، سید صاحبؒ نے آخری بار پھر کوشش کی ، جس پر وہ معاف کرنے پر آمادہ ہوگئی ، جب قاتل کے باپ کو یہ خوش خبری سنائی گئی تو وہ ایک دم جوانوں کی طرح اُٹھ کھڑا ہوا، گویا اس کو ایک نئی زندگی ملی ۔ (٣)

اسی طرح سید صاحبؒ فریقین میں صلح کرانے کی آخری لمحہ تک کوشش کرتے اور اس سلسلہ میں عرفی طریقوں سے ہٹ کر بھی معاملہ کرتے ، کہ شاید فریق مخالف کے اندر خوف وخشیت پیدا

---

(١) حیات سلیمان، ص:٥٧٩ (٢) صحیح بخاری کتاب العلم، حدیث نمبر:٦٨

(٣) مطالعہ سلیمانی، ص:٤٨٥

ہو جائے اور معاملہ رفع دفع ہو جائے۔

اس طرح کے ایک مقدمہ میں ایک عبرت ناک سانحہ پیش آیا، فریقین اور اس کے گواہوں کے بیانات ایک دوسرے سے ایسے متضاد تھے کہ صحیح فیصلہ تک پہنچنا دشوار ہو گیا، دونوں فریق اپنے اپنے بیانات پر قائم رہے، تب سید صاحبؒ نے پیشکار کو حکم دیا کہ ان کو مسجد میں لے جا کر قرآن ہاتھ میں دے کر بیانات لے لئے جائیں، وہاں جب بیانات لئے گئے تو اس وقت بھی اپنے پچھلے بیانات پر اڑے رہے، لیکن جب فریقین نے باہر قدم رکھا، تو جس نے غلط بیانی سے کام لیا تھا اس کی ناک سے خون بہا اور وہیں جان بحق ہو گیا۔(۱)

سید صاحبؒ کے اجلاس کی ایک جھلک

ارشد تھانوی جنھیں بحیثیت وکیل سید صاحبؒ کے اجلاس میں اکثر حاضر ہونا پڑتا تھا اور جنھوں نے اٹھارہ، انیس سال ہائی کورٹ میں وکالت بھی کی تھی، تحریر فرماتے ہیں:

> ”علامہ سید سلیمان ندویؒ نہ صرف ایک بلند پایہ مصنف اور دنیائے اسلام کے ایک وسیع النظر تھے، بلکہ ان کی ذات گرامی عملی زندگی میں اور بہت سی خصوصیات کی حامل تھی، منجملہ ان کے فقہی مسئلہ میں صحیح نتائج کا استخراج اور مقتضیات ظاہرہ کے مطابق ان کا جرأت مندانہ نفاذ بھی ان کا بڑا وصف تھا، اس کا انداز مجھے اس زمانہ میں ہوا جب وہ ریاست کے صدر دارالقضاء مقرر ہوئے، ان کے اجلاس پر بحیثیت وکیل مجھے اکثر حاضر ہونا پڑا، سید صاحبؒ بڑے ٹھنڈے دل سے وکلاء کے دلائل سنتے اور قانونی موشگافیوں پر توجہ دیتے تھے، مگر

---

(۱) مطالعہ سلیمانی، ص: ۴۸۵

درمیان میں ایسے ایسے سوالات ہلکے انداز میں کرتے جاتے تھے جو پرجوش فریق کے استدلالات کی راہ میں سنگ آمد وسخت آمد کی حرارت پیدا کر دیتے تھے، سماعت مقدمات کے سلسلہ میں قاضی ریاست کو ضابطہ دیوانی اور ضابطہ فوجداری کے ضروری اختیارات دیئے گئے تھے، جن کو سید صاحبؒ ہمیشہ ان حدود تک استعمال فرماتے تھے جو ایک محتاط قاضی شرع برت سکتا ہے، انھوں نے کبھی اجرائے وارنٹ یا کسی شخص کی گرفتاری کی نوبت نہیں آنے دی، بایں ہمہ کسی فریق کو حصول انصاف میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی اور پیچیدہ سے پیچیدہ معاملات میں بہت آسانی کے ساتھ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیتے تھے اور کبھی کسی ناکام فریق نے یہ شکایت نہیں کی کہ وہ بے انصافی کا شکار ہو گیا، مجلس العلماء میں اپیل ہوسکتی تھی، مگر میرے علم میں کبھی اس کی نوبت نہیں آئی اور نہ کبھی ان کا فیصلہ منسوخ ہوا، زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ ان ہی کی اجلاس پر نظر ثانی کی درخواست پیش ہو کر معاملہ اور چھن گیا۔

ایک دفعہ بہت ہی اُلجھا ہوا مقدمہ ان کے اجلاس پر پیش تھا اور سابق قاضی کے زمانہ سے مسل مرتب ہوتے ہوتے اتنی ضخیم ہوگئی تھی کہ اس کو پڑھنے کے لئے ہفتوں کی ضرورت تھی، فریقین کے وکلاء اور تھے، میں کسی ضرورت سے بیٹھا ہوا تھا، مسل پیش ہوئی، سید صاحبؒ نے پیشکار سے کہا عرضِ دعویٰ

نکالئے، اسے پڑھا، جواب دعویٰ نکلوا کر دیکھا، ہر دو فریق سے چند سوالات کر کے جواب میں تتمۂ بیان قلم بند کیا اور یہ کہہ کر کہ اس صورت میں شہادت کی ضرورت نہیں، ایک صفحہ کا فیصلہ لکھ کر سنا دیا، عجیب بات یہ ہے کہ فیصلہ سن کر فریقین آپس میں صاف ہو گئے اور ساتھ ساتھ مسکراتے ہوئے باہر چلے گئے، میں نے سید صاحبؒ سے کہا اس صفت کا نام فن شعر میں سہل ممتنع ہے، مسکرا کر فرمایا کبھی کبھی شعر بھی تو کہتا ہوں''۔(۱)

دارالقضاء کے فتاویٰ

بھوپال میں دارالقضاء سے فتاوے بھی دیئے جاتے تھے اور دارالقضاء سے متعلق جو فتاویٰ ہوتے ان کا بھی مستقل ریکارڈ ''فتاویٰ دارالقضاء'' کے نام سے ہوتا تھا، سید صاحبؒ کے زمانہ کا وہ علمی ذخیرہ آج بھی موجود ہے، فتاویٰ کے پانچ رجسٹر ہیں، (۲) جو ریکارڈ دستیاب ہو سکے ہیں ان پانچوں رجسٹروں میں فتاویٰ کی کل تعداد ۵۱۷ ہیں، ہر موضوع پر الگ الگ فتاویٰ کی تعداد درج ذیل ہے:

- میراث سے متعلق ۲۰۱ • طلاق سے متعلق ۹۶
- نکاح سے متعلق ۶۵ • مہر سے متعلق ۲۴
- عدت سے متعلق ۱۱ • تفریق سے متعلق ۲۱
- نان ونفقہ سے متعلق ۱۵ • ہبہ سے متعلق ۲۵
- حظر واباحت سے متعلق ۱۴ • امامت سے متعلق ۱۶
- وصیت سے متعلق ۹ • رویت سے متعلق ۸

اس کے علاوہ عقائد، طہارت، بدعت، سن بلوغ، خیار بلوغ، ایصال ثواب، عنین،

---

(۱) ماہنامہ ریاض ۱۹۵۴ء ص:۶۳ (۲) ماہنامہ نشان منزل سلیمان نمبر: ۱۹۸۷ء

مجبوب، تعبیر رؤیا، سجدہ سہو، جمعہ فی القریٰ، ولیمہ، یتیم، نکاح خوانی، فاتحہ، تثویب و دیگر مسائل پر فتاوئ ہیں، اسی طرح تین رجسٹر اقرارناموں کے ہیں، جن میں شوہر اپنی بیوی سے حسن سلوک اور مہر کی ادائے گی کا اقرار کرتا ہے، اس کے علاوہ کئی متفرق اقرار نامے غیر مجلد منتشر اوراق میں ہیں ،جن پر سید صاحبؒ کے دستخط موجود ہیں، تین رجسٹر قبول اسلام کے ہیں، دو خلع وطلاق بائن اور تین نکاح کے رجسٹر موجود ہیں، جن پر سید صاحبؒ کے دستخط ہیں اور ان پر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۴۹ء تک کی تاریخیں درج ہیں۔(۱)

سید صاحبؒ ریاست بھوپال میں قاضی القضاۃ کی حیثیت سے ۱۶/ جولائی ۱۹۴۶ء سے کام کرنا شروع کیا، جون ۱۹۴۹ء میں یہ ریاست انڈین یونین میں ضم ہوگئی، تو سید صاحبؒ ۲۶/ اگست ۱۹۴۹ء کو حج کے لئے تشریف لے گئے، پھر ۹/ جنوری ۱۹۵۰ء کو حج سے واپسی پر بھوپال تشریف لائے اور یکم جون کو ہمیشہ کے لئے اس کو خیر آباد کہا۔

سید صاحبؒ کا مسلک

سید صاحبؒ کے فقہی مسلک کے بارے میں عام طور سے دو رائیں نظر آتی ہیں، کچھ لوگوں کے خیال میں ان کا مسلک وہی تھا جو اپنے اپنے دور میں اکابر محدثین نے اختیار کیا تھا، انھوں نے کسی ایک فقہ کی پورے طور پر تقلید نہیں کی، سید صاحبؒ کے یہاں چوں کہ تقلید جامد نظر نہیں آتی اس لئے ان کو بھی غیر مقلد سمجھ لیا گیا، لیکن دوسری طرف ایسے لوگ بھی ہیں جو ان کو مقلد اور حنفی المسلک سمجھتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حنفی گھرانے میں پیدا ہوئے، وہ حنفی طریقے کے مطابق نماز پڑھتے تھے اور تقلید ائمہ کے خلاف ان کی زبان وقلم سے کبھی کوئی بات نہیں سنی گئی۔

اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ ہم خود سید صاحبؒ ہی کے بیانات اور نگارشات سے کسی نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

---

(۱) افکار سلیمانی، ص: ۱۸۳-۱۸۲

سید صاحبؒ نے اپنی پہلی تصنیف حیات امام مالکؒ میں اپنے دورِ طالب علمی کا ایک واقعہ لکھا ہے، اس میں اپنے ذوق و مسلک کے بارے میں لکھتے ہیں :

''مجھے اپنے زمانۂ طالب علمی کا ایک مناظرہ یاد آ گیا، ہمارے استاذ فقہ مولانا عبداللطیف صاحب مدرس اول دارالعلوم ہیں، جناب مفتی صاحب کو فقہ حنفی کی صحت کلی میں نہایت شدت کے ساتھ غلو ہے اور جس سے میں بدءِ طفولیت سے محروم ہوں''۔(۱)

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحبؒ فقہ حنفی سے تو نہیں البتہ اس کی ''صحت کلی'' اور اس میں ''نہایت شدت کے ساتھ غلو'' سے اتفاق نہیں کرتے، وہ اپنے دور طالب علمی ہی کے بارے میں ایک جگہ اور لکھتے ہیں :

''آخری سال تھا، صحیح بخاری کا آغاز تھا، ہم درس ساتھیوں میں کچھ غالی حنفی تھے اور کچھ مائل الی الحدیث تھے، آخری لقب کا اطلاق خود مجھ پر تھا''۔(۲)

غالی حنفیوں کے مقابلہ میں مائل الی الحدیث ہونا سید صاحبؒ کے ذوقِ تحقیق کا نتیجہ ہے، انھوں نے ۱۹۳۰ء میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نام ایک خط میں اپنے مسلک کی وضاحت اس طرح کی تھی :

''فقہ میں متاخرین کا متبع نہیں، مگر اہل حدیث بالمعنی المتعارف نہیں ہوں، ائمہ رحمہم اللہ کا دل سے ادب کرتا ہوں اور کسی رائے میں کلیۃً ان سے عدول حق نہیں سمجھتا''۔(۳)

---

(۱) حیات امام مالک: ص ۴۷ (۲) الندوۃ: نومبر ۱۹۴۰ء

(۳) تذکرہ سلیمان: ص ۸۹، خطوط سلیمانی، ص: ۱۱۳

اس کے جواب میں حضرت تھانویؒ نے لکھا تھا کہ :

''جناب نے جو بے تکلف اپنا مسلک تحریر فرمادیا، اس سے میری عقیدت میں زیادہ اضافہ ہوگیا، دووجہ سے، ایک صدق وخلوص پر دال ہونے کی وجہ سے اور دوسرے خود مسلک کے پاکیزہ ہونے سے، تمام اہل حق کا یہی مسلک ہے، کسی جزئی تفاوت سے حقیقت نہیں بدلتی، صرف رنگ بدلتا ہے، چنانچہ احقر پر دوسرا رنگ غالب ہے کہ میں بوجہ اپنی قلت روایت ودرایت کے متاخرین کا بھی متبع ہوں''۔(۱)

سید صاحبؒ نے اپنے انتقال سے دس برس قبل جنوری ۱۹۴۳ء کے معارف میں ''رجوع واعتراف'' کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا تھا اور چند فقہی مسائل میں اپنی گذشتہ رائے سے رجوع کا اعلان کیا تھا، اس میں اپنے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

''مذہبی مسائل کی تحقیقات میں میرا یہ عمل رہا ہے کہ عقائد میں سلف صالحین کے مسلک سے علیحدگی نہ ہو، البتہ فقہیات میں کسی ایک مجتہد کی تقلید تامہ نہ ہوسکی، بلکہ اپنی بساط بھر دلائل کی تنقیح کے بعد فقہاء کے کسی ایک مسلک کو ترجیح دی ہے، لیکن کبھی کوئی ایسی رائے نہیں اختیار کی جس کی تائید ائمہ حق میں سے کسی ایک نے بھی نہ کی ہو، خصوصیت کے ساتھ مسائل کی تشریح میں حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ علیہم پر اکثر اعتماد کیا ہے''۔(۲)

---

(۱) تذکرہ سلیمان: ص۸۹
(۲) معارف جنوری ۱۹۴۳ء

سید صاحبؒ کی مذکورہ بالا عبارتوں سے ان کے مسلک کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے، وہ تقلید محض کے قائل نہیں تھے، بلکہ بالغ نظر اور بابصیرت علماء کے لئے اجتہاد و تحقیق کا دروازہ کھلا سمجھتے تھے، مسلک میں وہ عامی مقلد ہونے کے بجائے محقق تھے، انھوں نے کبھی بھی مسلکی تعصب کو پسند نہیں کیا، البتہ دلائل کے لحاظ سے جو بہتر مسلک نظر آتا اس کو اختیار کرتے اور سلف صالحین کی رائے سے خروج کو پسند نہیں کرتے تھے۔

مولانا عبدالسلام ندویؒ

علامہ شبلیؒ کی فطرت شناس طبیعت اور فیض صحبت نے جن ذروں کو آسمانِ علم وادب میں آفتاب و ماہتاب اور سہیل و کہکشاں کے مانند چمکنے کے قابل بنایا، ان میں ایک نمایاں نام مولانا عبدالسلام ندویؒ کا بھی ہے۔

مولانا کی پیدائش یوپی کے زرخیز و مردم خیز ضلع اعظم گڑھ کے ایک چھوٹے گاؤں علاء الدین پٹی میں ۱۶/ فروری ۱۸۸۳ء مطابق ۸/ ربیع الثانی ۱۳۰۰ھ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، فارسی درسیات کی تکمیل اپنے خسر مولوی عبد اللہ صاحب سے کی، اس کے بعد عربی واسلامیات کی تعلیم کے لئے کان پور تشریف لے گئے پھر آگرہ اور چشمۂ رحمت غازی پور کے علمی سرچشموں سے بھی استفادہ کیا، ۱۹۰۶ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا اور چار سال مسلسل اس چمنستانِ علم وادب کے پھولوں سے اپنی جیب ودامن بھرنے کے بعد جب ۱۹۱۰ء میں یہاں سے فراغت حاصل کی تو آپ کے اندر وہ تمام صفات جمع تھیں، جو کسی بڑے سے بڑے ادیب اور شاعر ونقاد میں ہوسکتی ہیں۔(۱)

علامہ شبلیؒ کی توجہ

مولانا عبدالسلام صاحب ندویؒ کی علمی وادبی زندگی کا آغاز ندوہ ہی سے شروع ہوتا ہے، جب آپ وہاں داخل ہوئے تو علامہ شبلی کی جوہر شناس طبیعت نے جلد ہی اس جوہر قابل کو پہچان لیا، چنانچہ جن طلبہ نے علامہ سے خصوصی فیض اُٹھایا ان میں آپ بھی شامل تھے، علامہ شبلیؒ نے بھی آپ

---

(۱) تعمیر حیات: ۲۵/ نومبر ۱۹۸۴ء

کی تعلیم وتربیت کی طرف خصوصی توجہ مرکوز فرمائی، آپ کی خوابیدہ صلاحیتوں کو جلا بخشا اور آپ کے حقیقی گوہر کو سراہا اور کھل کر داد دی، ایک مکتوب میں مہدی افادی کو لکھتے ہیں کہ ''ندوہ میں عبدالسلام نہایت قابل لڑکا ہے، جو غالباً خالی ہونے والی کرسیوں کا مستحق ہوگا'' ایک دوسرے خط میں ان ہی کو تحریر کرتے ہیں، ''عبدالسلام نہایت ہونہار ہے، وہ پورا مصنف ہوسکتا ہے اور ہوگا، انگریزی نہیں جانتا، لیکن پڑھ رہا ہے، ندوہ اس قسم کے جوہر کو چمکانے والا ہے''۔(۱)

اول اول جب علامہ شبلیؒ کو آپ کی صلاحیت کا اندازہ ہوا تو حیرت واستعجاب سے انھوں نے ندوۃ العلماء کے مہتمم مولانا عبدالحفیظ صاحبؒ کو لکھا کہ ''عبدالسلام کون لڑکا ہے، اس کی قابلیت پر مجھے حیرت ہوئی، یہ تو بہت اونچا جاسکتا ہے''۔(۲)

علامہ شبلی کا یہ حسن ظن حقیقت بن کر رہا، اس جوہر قابل نے علمی دنیا میں ایک کامیاب مصنف، مؤرخ، محقق اور ادب ونقاد کی حیثیت سے شہرت ومقبولیت حاصل کی اور بڑے بڑے اہل قلم اور اساتذہ فن سے اپنی صلاحیت اور انشاء پردازی کا لوہا منوایا۔

مضمون نگاری کا آغاز

آپ کی مضمون نگاری کا آغاز ''تناسخ'' جیسے اہم موضوع سے ہوتا ہے، ندوہ میں داخل ہوتے ہی اس موضوع پر ایک مضمون لکھا، علامہ شبلیؒ اسے دیکھتے ہی فرط مسرت سے جھوم اُٹھے، پھر بطور انعام پانچ روپئے عنایت فرمائے اور بغیر اصلاح کے ''الندوۃ'' جیسے علمی، ادبی اور تحقیقی رسالہ میں چھاپ دیا، اس کے بعد برابر آپ کی انشاء پردازی جاری رہی، مختلف موضوعات پر مضامین لکھتے رہے اور مختلف رسالوں میں بھیجتے رہے، چند ہی سالوں میں علامہ شبلیؒ کی نظر میں اتنے معزز ہوگئے کہ زمانہ طالب علمی میں ہی الندوۃ کے سب ایڈیٹر پھر ایڈیٹر بنادئے گئے، پھر جب علامہ شبلیؒ نے اپنی بے نظیر کتاب سیرت النبی ﷺ کی تالیف کا آغاز کیا تو مولانا کو اپنا لٹریری اسسٹنٹ بنایا۔(۳)

---

(۱) حیات شبلی، ص:۴۴۶ (۲) تعمیر حیات:۲۵/نومبر ۸۴ء (۳) حیات شبلی، ص:۴۶۴

دارالمصنفین کی تعمیر وترقی میں حصہ

دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد آپ دارالعلوم میں عربی ادب کے استاذ مقرر ہوئے اور دو برس تک یہ خدمت انجام دیتے رہے، اس کے بعد ۱۹۱۲ء میں مولانا ابوالکلام آزاد کی دعوت پر کلکتہ تشریف لے گئے اور الہلال کی ادارت سنبھالی، یہاں بھی دو سال رہے، پھر علامہ شبلیؒ کے انتقال کے بعد اعظم گڑھ لوٹ آئے اور بزم شبلی کے نورتن میں شامل ہوئے، ۲۱/ نومبر ۱۹۱۴ء کو علامہ حمید الدین فراہیؒ کی دعوت پر استاذ کے اعمال متروکہ کی تکمیل کے لئے ''اخوان الصفا'' نامی علمی مجلس کی تاسیس عمل میں آئی تو اس کے ایک رکن رکین آپ بھی قرار پائے، بعد میں یہی کمیٹی دارالمصنفین کی مجلس انتظامیہ میں تبدیل ہوگئی اور آپ اس کے رکن برقرار رہے۔

یوں تو اپنی صلاحیت، لیاقت، ذہانت اور توانائی کے ذریعہ تمام شاگردوں نے بزم شبلیؒ کو ترقی دینے میں بہترین کردار کیا، لیکن علمی حیثیت سے دارالمصنفین ترقی کے جس بام عروج پر پہنچا اس کا سہرا سید الطائفہ کے بعد آپ کے سر ہی نظر آتا ہے، دارالمصنفین کی علمی فضاء آپ کو اتنی راس آئی کہ یہاں سے الگ ہوکر کہیں اور جانے کا خیال تک بھی ذہن میں نہ لائے اور اپنی پوری زندگی کو اپنے استاذ کے آستانہ کے لئے وقف کردیا، تقریباً ۴۲/ سال تک آپ نے ہر اعتبار سے اس کی خدمت کی۔

آسمان علم وادب کا یہ نیر تاباں نصف صدی تک افق عالم پر گردش کر کے ۱۴/ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا اور علامہ شبلیؒ کے قریب آسودہ خاک ہوئے۔

فقہ سے تعلق ودلچسپی

آپ کا اصل موضوع تاریخ وادب تھا اور اس میدان میں آپ نے بڑا جوہر دکھایا، لیکن اسی کے ساتھ فقہ سے بھی بڑی دلچسپی تھی اور اس موضوع پر گہری نظر رکھتے تھے۔

آپ کے افکار و خیالات پر روشنی ڈالتے ہوئے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ رقمطراز ہیں :

''عقیدہ ومسلک سے لے کر تاریخ اسلام کے نظریات، قدیم نظام تعلیم وتربیت کے بارے میں خیالات، ندوہ کے مقاصد اور ان کی صداقت اور اس عہد میں اس کی ضرورت پر غیر متزلزل یقین، اسلام کی دین ودنیا کی جامعیت پر کامل شرح صدر، قدیم وجدید کے صالح ونافع اجزاء کے خوش گوار امتزاج کی ضرورت پر مستحکم عقیدہ، علماء کے منصب قیادت سے دست کش یا معزول ہو جانے اور دین وسیاست کی تفریق کو زوال اُمت کا اصل سبب قرار دینے پر پورا وثوق اور اس صورتِ حال کو تبدیل کرنے کی شدید خواہش، اصلاح نصاب، علوم اسلامیہ اور علوم عصریہ کے عمیق مطالعہ کے ذریعہ علماء کو ان کا کھویا ہوا مقام دلانے کی کوشش، یہ سب وہ افکار وخیالات ہیں، جن سے مولانا عبد السلام ندویؒ عمر بھر وابستہ اور ان کے پرجوش داعی رہے اور جو ان کے عقیدہ کا جزء بن گئے تھے''۔(۱)

اسی طرح مولانا عارف اعظمی عمری صاحب رقمطراز ہیں :

'' فقہ وتصوف مولانا عبد السلام ندویؒ کا خاص موضوع تھا اور ان کے اشہب قلم نے ان دونوں میدانوں میں خوب خوب اپنے جوہر دکھائے ہیں، علامہ خضری بک کی ایک کتاب

---

(۱) پرانے چراغ:۲/۲۸۶

''تاریخ التشریع الاسلامی'' کا شگفتہ اور دل آویز ترجمہ انھوں نے کیا ہے اس سے اس موضوع کی واقفیت و دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے''۔(۱)

اس موضوع سے گہری واقفیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ ۱۹۲۴ء میں بینک کے سود کا مسئلہ علمی حلقوں میں موضوع بحث بنا ہوا تھا اور ایک خاص حلقہ سے سود کے جواز کی تائید میں مسلسل مضامین بھی نکل رہے تھے، مولانا عبد السلام ندویؒ نے اس کا ایک مکمل و مفصل جواب لکھا، جس میں فقہی حیثیت کے ساتھ عام انسانی ضرورت اور اس کے اقدار کی حفاظت کو پرزور انداز میں پیش کیا اور محض سود کی حرمت اور معاشرہ میں اس کے مضر اثرات کے بیان پر اکتفاء نہ کیا بلکہ مسلمانوں کو اس کے بالمقابل اسلامی نظام قائم کرنے کا مشورہ دیا اور اس کی بعض مفید عملی صورتیں بھی بتلائیں، یہ مضامین ۱۹۲۴ء کے معارف کی کئی قسطوں میں ''تحریم سود اور اس کے علل واسباب'' کے عنوان سے شائع ہوئے۔

اسی طرح آپ نے ۱۹۲۷ء اور ۱۹۲۸ء کے درمیان اسلامی قضاء کے موضوع پر مفصل مضامین لکھے جو معارف کی زینت بنے، اس کی پہلی قسط پر نوٹ لگاتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے تحریر فرمایا تھا:

''اس موضوع پر اب تک اردو میں کوئی چیز نہیں لکھی گئی، اکثر وہ اشخاص جو اسلامی قانون سے دلچسپی رکھتے ہیں اس قسم کی معلومات کے خواہش مند رہتے ہیں، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کو معارف میں بھی شائع کیا جائے اور علیحدہ رسالہ کی صورت میں بھی چھاپا جائے''۔(۲)

---

(۱) مقالات عبد السلامؒ، حیات اور علمی فتوحات، ص: ۲۵۵ (۲) حوالہ سابق

مولاناؒ کا مسلک

آپ کے مسلک کے بارے میں مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب یوں رقمطراز ہیں :

''مولانا کا خاندان مسلکاً اہل حدیث تھا مگر وہ خود معروف معنوں میں کسی خاص مسلک کے پابند نہ تھے، تاہم احادیث سے قریب تر مسلک ان کا مرجح و مختار مسلک ہوتا، چنانچہ تراویح کی آٹھ رکعت اور بیس رکعتوں کے بجائے وہ اس کے قائل تھے کہ رمضان میں آخری شب میں تہجد کی آٹھ رکعت ضرور پڑھنی چاہئے، یہی تراویح ہے''۔(۱)

فقہی خدمات

آپ کے قلم کی اصل جولان گاہ تاریخ وادب تھا، لیکن فقہ کے موضوع پر بھی آپ کا قلم خوب چلا ہے اور دیگر فنون کی طرح اس فن میں بھی آپ کے قلمی شاہکار موجود ہیں، جن میں ''القضاء فی الاسلام''، ''تاریخ فقہ اسلامی'' (مترجم)، ''اسلامی قانون فوجداری''، فقہ کی دنیا میں اہم اور وقیع سمجھی جاتی ہیں، اس کے علاوہ آپ کا بڑا علمی سرمایہ فقہی و تحقیقی مقالات کی صورت میں معارف کی پرانی فائلوں میں محفوظ ہے۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ آپ کی جملہ مؤلفات کا جائزہ لیتے ہوئے رقمطراز ہیں :

''دوسرا اہم موضوع فقہ وقانون کا ہے، جس پر مولانا عبدالسلام صاحب کی تین اہم کتابیں منظر عام پر آئیں اور ان سے اس ذہن سازی میں مدد ملی کہ مسلمانوں نے اپنے عہد ترقی میں فقہ

---

(۱) مقالات عبدالسلامؒ، حیات اور علمی فتوحات، ص: ۲۵۵

اور قانون کی ضرورتوں کو بطریق احسن پورا کیا، اور یہ کہ موجودہ عہد میں جو مغربی تمدن کی برتری کا عہد ہے، اسلام کے ماضی کے کارنامے کو کم نہیں کیا جاسکتا اور آج بھی مسلمان اپنا قانون جاری رکھ سکتے ہیں اور اپنے فقہی کام کو تازہ کر کے آگے بڑھا سکتے ہیں"۔(۱)

(۱) تعمیر حیات: ۱۰/ مارچ ۲۰۰۴ء

مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی ندویؒ

خانوادہ مجیبیہ کے چشم و چراغ اور خطیب عصر مولانا شاہ سلیمان پھلواروی کے لخت جگر شاہ محمد جعفر پھلواروی ۱۹۰۱ء میں پھلواری شریف میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد جناب مولانا شاہ سلیمان پھلواروی مشہور عالم دین اور ندوۃ العلماء کے ابتدائی و بنیادی ارکان میں سے تھے، انھوں نے کئی بار ندوۃ العلماء کے سالانہ جلسوں کی صدارت بھی کی تھی، اسی طرح آپ کا خاندان بھی مدت سے طریقت کے سلسلہ میں مشہور ومعروف رہا ہے، اس علمی و دینی گھرانے میں مولانا شاہ جعفر پھلواروی نے شعور کی آنکھیں کھولیں، اور یہیں آپ کی تربیت ہوئی۔ (۱)

ابتدائی تعلیم کے بعد انگریزی تعلیم شروع کی اور اسکول پھر کالج میں پڑھتے رہے، اس زمانہ میں خلافت کی تحریک شباب پر تھی، اس کی عدم تعاون تحریک پر آپ نے بھی کالج چھوڑ دیا اور علوم عربیہ کی تحصیل کے لئے اپنے چھوٹے بھائی شاہ غلام حسنین کے ساتھ ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے اور تقریباً ۱۹۲۵ء میں یہاں سے فارغ ہوئے۔ (۲)

عصری علوم کے ساتھ دینیات اور عربی ادب میں آپ کو اچھی مہارت تھی، تقریر و تحریر دونوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے، فن قرآت و تجوید سے بھی واقف تھے، اس کے ساتھ حسن صوت کی دولت بھی نصیب تھی، چنانچہ قرآن شریف اور مثنوی بڑے پُر درد انداز میں پڑھتے تھے، فطرت بڑی سلیم پائی تھی، اپنے منجھلے بھائی شاہ حسین میاں مرحوم کے انتقال کے بعد آپ خانقاہ مجیبیہ پٹنہ کے سجادہ نشیں بنائے گئے۔ (۳)

---

(۱) تعمیر حیات: ۲۰/اپریل ۸۲ء (۲) حوالہ سابق

(۳) آثارات پھلواری شریف، ص ۲۷۵

اسی زمانہ میں کپورتھلہ جالندھر کے راجہ نے یمنی طرز کی ایک عالیشان مسجد بنوائی تھی، اس کے لئے معیاری خطیب کے طور پر آپ کا انتخاب ہوا اور تقریباً سترہ سالوں تک اس مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

تقسیم ہند کے بعد لاہور پاکستان میں اقامت گزیں ہوئے اور ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سے منسلک ہوکر تصنیف وتالیف کے کام میں مشغول ہو گئے اور عرصہ تک رسالہ ''ثقافت اسلامیہ'' کی ادارت کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے، اخیر عمر میں کراچی منتقل ہو گئے تھے، عمر ۸۲/ سال سے متجاوز ہو چکی تھی اور کئی بار قلبی دورہ بھی پڑ چکا تھا، آخری دورہ اخیر مارچ میں پڑا، اسپتال میں داخل کئے گئے، مگر قضاء وقدرت کا فیصلہ ہو چکا تھا، چنانچہ ۶/اپریل ۸۲ء کی شب آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، (۱) اور کراچی کے گلشن اقبال قبرستان میں مدفون ہوئے، شمیم صہبائی نے آپ کی تاریخ وفات کہی: ''مولانا جعفر شاہ پھلواروی عالم چمن بہشت''۔(۲)

پاکستان منتقل ہونے کے بعد مولانا نے خود کو علمی کاموں کے لئے یکسو کرلیا، چنانچہ ادارہ ثقافت اسلامیہ سے منسلک رہتے ہوئے آپ نے متعدد اہم کتابیں تصنیف فرمائیں، خصوصاً فقہ کے جدید موضوعات پر آپ نے قابل قدر کام انجام دیا، ہندو پاک کی سیاسی مصالح کی وجہ مولانا کی علمی چیزیں یہاں نہ آسکی اور علمی حلقوں میں وہ مقام نہ مل سکا جس کے آپ مستحق تھے تاہم آپ کی جن فقہی تصنیفات وتالیفات کا علم ہو سکا ہے، وہ حسب ذیل ہیں :

۱) اسلام اور موسیقی
۲) مسئلہ شخصی ملکیت اور اسلام
۳) مسئلہ تعدد ازدواج
۴) اسلام اور خاندانی منصوبہ بندی
۵) کمرشیل انٹرسٹ کی شرعی حیثیت
۶) رویت ہلال
۷) چند ازدواجی مسائل
۸) اجتہادی مسائل

---

(۱) تعمیر حیات ۲۰/اپریل ۱۹۸۲ء، وفیات مشاہیر بہار میں تاریخ وفات ۳/مارچ لکھا ہے

(۲) وفیات مشاہیر بہار، ص:۴۰

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا شاہ جعفر پھلواروی بلند پایہ عالم اور بڑے خطیب تھے، فقہ اور دیگر موضوعات پر ان کی متعدد کتابیں ہیں، جن سے ان کے علم کی گہرائی، معلومات کی وسعت اور مختلف موضوعات پر گہری نظر کا اندازہ ہوتا ہے، لیکن مولانا کے فضل وکمال کے اعتراف کے ساتھ یہ حقیقت ہے کہ فقہ اور خصوصاً جدید مسائل سے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے اس میں اباحیت کا پہلو غالب ہے، پھر اسلامی تعلیمات کو دور حاضر کے تناظر میں پیش کرنے کے خیال میں بہت سی جگہوں پر آپ نے ایسی چیزیں لکھی ہیں جو شریعت کی روح کے مغائر ہیں، البتہ جدید فقہ مسائل میں آپ کی بعض رائیں بہت اہم اور اربابِ افتاء وفقہاء کے لئے لائق توجہ ہے۔

مثلاً ایسا ہوائی جہاز جس کی رفتار سورج کی روشنی کے مطابق ہو اس پر نماز کس طرح پڑھی جائے گی؟ اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ سورج خود وقت نہیں، وقت معلومات کرنے کا آلہ ہے، اگر یہ آلہ کسی وقت کارآمد نہ ہو تو کوئی دوسرا ذریعہ اختیار کیا جائے گا، اب مسافر ایسی صورت میں سورج کے بجائے اپنی گھڑی سے کام لے گا، اگر گھڑی کے حساب سے دوسری نماز کا وقت آ گیا، تو سورج خواہ کہیں ہو وہ اپنی دوسری نماز ادا کرے گا —— پیش نظر صورت میں یا تو گھڑی کے مطابق موجودہ ترتیب سے نماز ادا کی جائیں یا پھر سورج ہی کے مطابق الٹی ترتیب سے یعنی صبح، ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی بجائے، عشاء، مغرب، عصر، ظہر اور صبح پڑھی جائے دونوں صورتوں درست ہیں۔(۱)

فقہ کے علاوہ دیگر موضوعات سے متعلق بھی آپ کی بہت سی کتابیں ہیں۔

(۱) اجتہادی مسائل، ص:۲۴۹

مولانا سید رئیس احمد جعفری ندویؒ

اردو کے مایہ ناز ادیب، صحافی اور زود نویس مصنف و مترجم مولانا سید رئیس احمد جعفری ندویؒ سیتا پور (یوپی) کے رہنے والے تھے، ان کی پیدائش ۱۹۱۲ء میں لکھیم پور (یوپی) میں ہوئی آپ کی والدہ امتیاز بیگم ریاض خیر آبادی کے حقیقی بھائی نیاز احمد کی صاحبزادی تھی، آپ کے والد محترم کا انتقال آپ کے بچپن میں ہو گیا تھا، اس لئے پرورش اور تعلیم کا ابتدائی زمانہ خیر آباد میں حضرت ریاض خیر آبادی کی نگرانی وسرپرستی میں گذرا۔(۱)

تعلیم وتربیت

والد صاحب کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھنے کی وجہ سے حضرت ریاض خیر آبادی کی توجہ وشفقت آپ کو بچپن سے حاصل رہی اور ان کی نگرانی وسرپرستی میں آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز کیا، ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۲۳ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے درجہ اول میں داخلہ لیا، اس وقت آپ کی عمر ۱۱، ۱۲ سال کی تھی۔(۲)

دار العلوم میں آپ کا شمار ذہین اور متحرک طلبہ میں ہوتا تھا، تعلیم کے ساتھ انتظامی کاموں میں پیش پیش رہتے تھے، مولانا عبد السلام قدوائی ندوی آپ کے ساتھیوں میں سے ہیں، دار العلوم کے دیگر اساتذہ کے ساتھ علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مولانا حیدر حسن خاں ٹونکیؒ سے آپ نے خصوصی فیض اٹھایا، علامہ سید سلیمان ندویؒ کے تفسیر کے حلقہ میں شریک ہوئے، (۳) جب کہ

---

(۱) خطوط سلیمانی (تذکرہ مکتوب الیہم)، ص: ۲۴۳، مکتوبات ماجدی (حاشیہ)، ص: ۱۱۷

(۲) دید وشنید، ص: ۶۲ (۳) حوالہ سابق، ص: ۹۷

دار العلوم کے شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی سے ترمذی شریف کا درس لیا، مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی نے تین طلبہ کی ایک مجلس بنائی تھی جو گویا ان کے ریسرچ اسسٹنٹ تھے، مولانا عبد السلام قدوائی ندوی اور مصطفیٰ کریم ندوی کے ساتھ آپ بھی اس میں شامل تھے۔(۱)

۱۹۳۰ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں زبردست اسٹرائک ہوئی، جس میں مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا محمد علی جوہرؒ جیسے قائدین ملت کو مداخلت کرنی پڑی تھی، مولانا جعفری اس اسٹرائک کے سرگرم کارکنوں میں سے تھے، چنانچہ اسٹرائک ختم ہونے کے بعد مولانا عبد السلام قدوائی ندوی کے ساتھ آپ کا بھی دار العلوم سے اخراج ہوا، اس کے بعد علامہ سید سلیمان ندویؒ نے آپ کو جامعہ ملیہ دہلی بھجوادیا، جہاں آپ نے عصری علوم کی تحصیل کی۔(۲)

صحافت کے میدان میں

لکھنے کا ذوق آپ کے اندر تعلیمی زندگی میں ہی پیدا ہو گیا تھا، پھر علامہ سید سلیمان ندویؒ کی خصوصی شفقت و توجہ نے اس جوہر کو مزید نکھارا، آپ کی پہلی تصنیف ''سیرت محمد علی جوہر'' ہے، جسے آپ نے ۱۹۳۲ء میں مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کی نگرانی میں تیار کیا تھا، اس کتاب نے آپ کو پہلے پہل علمی وادبی دنیا میں روشناس کرایا۔

اپنی افتادِ طبع کے لحاظ سے اصلاً صحافی تھے، اور ذہن پر مسلم لیگ تحریک کا غلبہ تھا، آپ کی صحافیانہ زندگی کا آغاز روزنامہ ''خلافت'' بمبئی سے ہوتا ہے، ۱۹۳۴ء سے ۱۹۳۹ء تک آپ اس کے چیف ایڈیٹر رہے، مولانا شوکت علیؒ کے انتقال کے بعد روزنامہ ''ہندوستان'' بمبئی سے جاری کیا، اور ۱۹۴۲ء تک بحیثیت مینیجنگ ایڈیٹر اس سے جڑے رہے، اس کے بعد روزنامہ ''انقلاب'' بمبئی کے ایڈیٹر مقرر ہوئے اور ۱۹۴۶ء تک اس کے ذریعہ ملک وملت کی خدمت انجام دیتے رہے۔

قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۶ء کے شروع میں آپ پاکستان تشریف لے گئے، یہاں کراچی

---

(۱) دید وشنید، ص:۶۴ (۲) حوالہ سابق، ص:۱۰۰

سے آپ نے روزنامہ ''خورشید'' نکالا، لیکن اب جذباتی، تنقیدی صحافت کا دور گذر چکا تھا اور اب ضرورت تعمیری ذہن کی تھی، جب کہ مولانا جعفری کے مزاج میں جذباتیت کا زیادہ دخل تھا، اس لئے روزنامہ ''خورشید'' جاری نہ رہ سکا، اس کے بعد ۱۹۵۳ء میں آپ نے ماہنامہ ''ریاض'' جاری کیا، یہ دینی وادبی رسالہ تھا، لیکن پاکستان کی معاشرتی زندگی میں ابھی ٹھہراؤ پیدا نہیں ہوا تھا، اس لئے یہ خالص دینی وادبی رسالہ بھی ایک سال سے زیادہ جاری نہ رہ سکا۔

آزادی سے قبل آپ مسلم لیگ سے وابستہ تھے اور بمبئ میں آپ نے قیام پاکستان کی پرزور تحریک چلائی تھی، چنانچہ جب ہندوستان کو آزادی ملی اور پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو آپ بھی پاکستان منتقل ہوئے اور آپ سمجھتے تھے کہ جس طرح انھوں نے بمبئ میں تحریکِ پاکستان کا معرکہ سر کیا ہے، اسی طرح یہاں ان کی خدمات کا اعتراف کیا جائے گا، لیکن یہاں حالات نے آپ کو مایوس کیا، چنانچہ اب آپ نے ملازمت کی ٹھانی اور لاہور چلے گئے، یہاں روزنامہ ''زمیندار'' نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا، ۱۹۵۴ء سے ۱۹۵۵ء تک آپ اس کے چیف ایڈیٹر رہے، لیکن پھر مولانا ''زمیندار'' کے مالکان سے بھی مایوس ہوگئے، اس کے بعد آپ نے ''ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور'' میں ملازمت اختیار کرلی، یہاں آپ ادارہ کے ترجمان ''ثقافت'' کے ایڈیٹر رہے، آپ نے اس کا نام بدل کر ''المعارف'' رکھا، لیکن یہ بھی ''معارف'' اعظم گڑھ کا بدل نہ بن سکا، (۱) اس کے علاوہ ''تہذیب الاخلاق'' اور لاہور کے ایک سے زائد رسالوں کے آپ اعزازی مدیر یا معاون مدیر رہے۔ (۲)

علمی وادبی خدمات

مولانا جعفری ایک کامیاب صاحبِ قلم، اچھے ادیب اور صحافی تھے، آپ نے صحافت کے علاوہ علمی وادبی موضوعات پر بہت سی کتابیں لکھیں، تاریخ، سیرت، کلام، اخلاق، ناول، افسانہ تمام ہی موضوعات پر آپ نے لکھا، اور خوب خوب لکھا، آپ کے ادب کا یہ حال تھا کہ پاکستان کے ادبی

---

(۱) خطوطِ سلیمانی (تذکرہ مکتوب الیہم)، ص: ۲۴۳ (۲) یادرفتگاں: ۱/ ۲۳۸

حلقوں میں مولانا سے ربط وانتساب کو باعث فخر سمجھا جاتا تھا، (۱) سترہ سال کی عمر میں آپ نے اپنی پہلی باضابطہ تصنیف ''سیرت محمد علی جوہر'' دنیاء علم کے سامنے پیش کی، آپ کی جملہ کتابوں کی تعداد تین سو سے زائد بتائی جاتی ہے۔ (۲)

مولانا ماہر القادری آپ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں :

''رئیس احمد جعفری مرحوم اہل قلم ہی نہیں اہل علم بھی تھے، مطالعہ وسیع ، تجربہ و مشاہدہ وسیع تر ، فلسفہ و کلام کے نازک مسائل ومضامین بھی بڑے سلیقے اور سلجھاؤ کے ساتھ اُردو میں منتقل کئے ہیں، قدیم مضامین کی تدوین وترتیب میں ان کی قینچی بڑی تیزی اور مشاقی دکھاتی تھی''۔ (۳)

آپ مزید لکھتے ہیں :

''سیرت ، تذکرہ ، تاریخ ، ناول ، افسانہ ، ترجمہ ، کتابوں کی تلخیص وتالیف ان متنوعہ موضوعات پر ان کی کتابوں کی مجموعی تعداد دو سو سے بھی متجاوز ہے، اور ان میں بعض کتابیں ہزار ہزار اور بارہ بارہ سو صفحات سے بھی زیادہ ضخیم ہیں، سچ مچ لکھنے کی مشین ، تین چار مہینوں میں پانچ چھ سو صفحات کی تصنیف وتالیف یا ترجمہ ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، زود نویسی اور مشاقی کی کوئی حدِ نہایت ہی نہیں''۔ (۴)

شرعی وفقہی مباحث سے متعلق تحریریں

۱۹۵۵ء یا اس کے بعد جب روزنامہ ''زمیندار'' لاہور کے ذمہ داروں سے مایوس ہوئے تو

(۱) یادرفتگاں: ۲۳۶/۱ (۲) خطوط سلیمانی، ص: ۲۴۳
(۳) یادرفتگاں: ۲۳۷/۱ (۴) حوالہ سابق

آپ نے ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور میں ملازمت اختیار کی، یہ ایک علمی و تحقیقی اور اشاعتی ادارہ تھا، جو حکومت کے زیر نگرانی چل رہا تھا، اس ادارہ کے تحت آپ نے متعدد موضوعات پر علمی کام کئے، اور آپ کی تصنیفات جو تقریباً تین سو سے زیادہ بتائی جاتی ہیں، ان کا ایک بڑا حصہ یہیں تیار ہوا، آپ کی کتابیں مختلف موضوعات اور متنوعہ مسائل سے متعلق ہیں، ان میں ایک حصہ فقہ کا بھی ہے، پھر مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی طرح آپ کے مضامین کثیر الجہات ہوا کرتے تھے، اور مرکزی عنوان کو چھوڑ کر بات سے بات نکلتی رہتی تھی، اس لئے بھی ضرور آپ کی کتابوں میں فقہ کے مسائل زیر بحث آئے ہوں گے۔

ہمیں ان کی جو کتابیں مل سکی ہیں ان میں تین بطورِ خاص فقہی مباحث سے متعلق ہیں، پہلی کتاب ''سیرت ائمہ اربعہ'' ہے، یہ ۵۸۴/ صفحات پر مشتمل ہے، اور ۱۹۸۸ء میں تاج کمپنی دہلی سے شائع ہوئی ہے، یہ کتاب اصلاً ائمہ اربعہ کی سیرت سے متعلق ہے، لیکن اس میں مولانا جعفری نے ائمہ اربعہ کے حالات و سوانح کے ضمن میں ہر مسلک کی اولیات، خصوصیت، ائمہ کے اجتہادات اور فقہی افکار و نظریات پر بھی گفتگو کی ہے، امام ابوحنیفہؒ کے حالاتِ زندگی کے ساتھ ان کی فقہی نظریات، حدیث اور اُصولِ حدیث سے متعلق امام صاحبؒ کا مسلک، فقہ حنفی کے تعزیراتی اور قوانین ملکی کے مسائل پر تفصیلی بحث موجود ہے، اسی طرح امام شافعیؒ کے حالاتِ زندگی کے ساتھ ان کے تفقہ و اجتہاد، جلبِ منفعت، دفعِ مضرت، متعارض احادیث کے راویوں کی جرح و تعدیل، مذاہب فقہ، اُصولِ فقہ اور امام شافعیؒ کے طرزِ استدلال وغیرہ خالص فقہی مباحث کو ۵۷/ صفحات میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

فقہ سے متعلق آپ کی دوسری کتاب ''اسلام اور رواداری'' ہے، یہ ۴۳۲/ صفحات پر مشتمل ہے، اور ۱۹۵۵ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سے شائع ہوئی ہے، اس میں جنگ، جہاد، مسئلہ ارتداد، جزیہ، اہل کتاب و غیر اہل کتاب عورتوں سے نکاح، جیسے موضوعات زیر بحث آئے ہیں،

جو ظاہر ہے خالص فقہی مباحث ہیں۔

جس طرح آپ کی زود نویسی مشہور ہے اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ تصنیف و تالیف اور ترجمہ کی کثرت نے آپ کو اپنی تحریروں پر نظر ثانی سے غافل کر دیا تھا، پھر حکومت کے منشاء و مرضی کے مطابق علمی کام کرنے سے حقیقت و واقعیت کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے، اسی لئے مولانا جعفری کی تحریروں میں اس طرح کی ''لغزشیں'' کثرت سے نظر آتی ہیں۔

مثلاً آپ کی کتابوں میں صرف اسلام اور رواداری کو دیکھئے! اس میں اسلامی رواداری کو بہترین اندازمی اور مختلف مستند کتابوں کے حوالوں سے پیش کیا ہے، لیکن متعدد جگہوں پر رواداری کے نام پر غیر مسلموں سے متعلق بہت سے مسائل کی غلط توجیہ یا خلاف حقیقت تشریح بھی ملتی ہے۔

مثلاً کتاب کے صفحہ ۱۰۵ پر اہل کتاب کو زکوٰۃ دینے کی بحث ہے، اس ضمن میں آپ نے لکھا ہے کہ ذمی اور مشرک کو زکوٰۃ کے علاوہ ہر طرح کا صدقہ (خواہ واجبہ ہو یا نافلہ) دے سکتے ہیں، اس سلسلہ میں مولانا نے امام ابوبکر جصاصؒ کی تفسیر کا حوالہ دیا ہے۔(۱)

مولانا کی رائے میں اہل کتاب کی طرح غیر مسلموں کا ذبیحہ بھی جائز ہے، آیت: ''وطعام الذین اوتو الکتاب حل لھم'' اور اس کی تفسیر میں جصاص کی عبارت سے استدلال پیش کیا ہے۔(۲)

ارتداد کے متعلق لکھتے ہیں کہ اسلام میں مرتد کی سزا موت نہیں ہے۔(۳)

مولانا موصوف کے نزدیک مجوسی عورت سے نکاح جائز ہے، اور اس سے آگے بڑھ کر آپ سکھوں اور ہندوؤں کے بارے میں فقہاء کو مشورہ دیتے ہیں کہ ان کی عورتوں سے نکاح کے متعلق کوئی مناسب حال فیصلہ کریں، اس کی دلیل میں امام شافعیؒ کا ایک قول اور حضور ﷺ کے زمانہ کا واقعہ پیش کیا ہے کہ آپ ﷺ نے مجوسیوں کے ساتھ وہی سلوک کیا تھا، جو اہلِ کتاب کے ساتھ کیا تھا۔(۴)

---

(۱) اسلام اور رواداری، ص:۱۰۵
(۲) حوالہ سابق، ص:۱۱۷
(۳) حوالہ سابق، ص:۱۳۰
(۴) حوالہ سابق، ص:۲۱۹

یہ چند مسائل ''مشتے از خروارے'' کے طور پر ہیں، ورنہ تحقیق کے بعد اس طرح کے اور بھی مسائل مل سکتے ہیں، جو صرف مولانا کے فکر و خیال کی پیداوار ہیں، اور شریعت سے ان کا دور کا واسطہ بھی نہیں، بلکہ وہ شریعت کے خلاف ہیں، لیکن آپ کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان ''لغزشوں'' کا صدور ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور سے وابستگی کے بعد زیادہ ہوا ہے، عجب نہیں کہ آپ نے حکومت کے دباؤ میں ایسا لکھا ہو اور آپ کی حقیقی رائے وہ نہ ہو، جناب ماہر القادری صاحب اسی نکتہ کی طرف لطیف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

''پاکستان کے جس علمی و ثقافتی ادارے سے ان کا تعلق تھا، وہ حکومتِ پاکستان کے مالی امداد کے سہارے چل رہا تھا، اس وابستگی کے جو تقاضے تھے اس کے پیش نظر رئیس احمد جعفری مرحوم کا قلم جرأت و عزیمت کا کوئی نقش نہ چھوڑ سکا''۔(۱)

بہر حال تیس بتیس سال کے مدت میں دفتر کے دفتر لکھ ڈالنے کے بعد ۲۷/ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو لاہور میں اچانک ان کا انتقال ہوگیا، اور کراچی میں تدفین عمل میں آئی۔(۲)

---

(۱) یادرفتگاں: ۱/ ۲۳۷ (۲) خطوط سلیمانی (تذکرہ مکتوب الیہم)، ص: ۲۴۳

مولانا عبدالقدوس ہاشمی ندویؒ

تقسیم ہند کے بعد بہت سے مسلمان پاکستان منتقل ہوئے، جس میں بڑی تعداد علماء کی تھی، خصوصاً شمالی ہند کے بڑے علماء اس کثرت سے ہجرت کر گئے کہ اس کے بعد طویل عرصہ تک علماء کا خلاء محسوس ہوتا رہا، ان مہاجر علماء کی فہرست میں ایک ممتاز نام مولانا عبدالقدوس ہاشمی ندوی کا بھی ہے۔

مولانا عبدالقدوس ہاشمی ندویؒ کا شمار پاکستان کے اکابر علماء میں ہوتا ہے، آپ پاکستان کے کئی اہم مناصب پر فائز رہے اور حکومتی سطح پر بھی متعدد قابلِ قدر کارنامے انجام دیئے، علمی اعتبار سے مولانا کا پایہ بہت بلند تھا، تمام ہی فنون میں مہارت حاصل تھی، جس کی وجہ سے ملکی سطح پر پاکستان کی نمائندگی اکثر آپ ہی فرماتے تھے، طویل عرصہ تک رابطہ عالم اسلامی کے پاکستانی ترجمان ورکن رہے، پھر جب رابطہ کے تحت اسلامک فقہ اکیڈمی (مجمع الفقہ الاسلامی) کا قیام عمل میں آیا تو آپ بھی اس کے بنیادی رکن منتخب ہوئے، اکیڈمی کے اکثر سمیناروں میں آپ شرکت فرماتے تھے۔

مولانا کا آبائی وطن گیا بہار ہے، جہاں مخدوم پور کے علاقہ میں ۲۶/ جون ۱۹۱۱ء کو آپ کی پیدائش ہوئی، (۱) اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء آئے اور یہاں کے یگانہ روزگار اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے سند فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد آپ کی مشغولیت کیا رہی؟ اس کی تفصیلات نہیں مل سکی، البتہ خطوط سلیمانی کے

---

(۱) وفیات مشاہیر بہار

ایک خط بنام اسلم صاحب جس پر ۶/مئی ۱۹۴۷ء کی تاریخ درج ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تقسیم ہند سے قبل حیدر آباد میں تھے، یہاں آپ کی ادارت میں ہفتہ وار ''البلاغ'' شائع ہوتا تھا، (۱) اس کے علاوہ آپ کے چند مقالات بھی یہاں سے شائع ہوئے ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد پاکستان منتقل ہوئے، جہاں مختلف علمی و تعلیمی مناصب پر فائز ہوئے اور پھر مختلف تحقیقی و تصنیفی کام کرتے ہوئے ۲۶/ جنوری ۱۹۸۹ء میں اللہ کو پیارے ہوئے اور کراچی میں مدفون ہوئے۔ (۲)

سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب ماہر القادری صاحب کے تذکرہ میں پاکستان کی اہم شخصیات کا تعارف کراتے ہوئے آپ کے متعلق رقمطراز ہیں:

> ''کراچی کی علمی حلقوں میں مولانا عبد القدوس ہاشمی ندوی تو بلبل ہزار داستان ہیں، کہیں بیٹھ جائیں تو وہی چھائے رہتے ہیں، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ اسلام، یہود و نصاریٰ کے صحائف، افریقہ کے جنگلی قبائل، تبلیغ اسلام اور ایشیا کے آئن اسمتھ، انگریز مورخ ٹوائن بی، ہٹی، مہاتما گاندھی، محمد علی جناح، پاکستانی تحریک، شدھی سنگٹھن، شعر و ادب، امیر مینائی، جوش ملیح آبادی، سراج لکھنوی، قدیر لکھنوی، غزل، دوہے، مکھی، گیت پر ایک سانس میں گفتگو کر کے سامعین کو ساکت و صامت بنا دیتے، وہ اپنی معلومات کے لحاظ سے انسائکلو پیڈیا ہیں۔ (۳)

پاکستان کے زمانہ قیام میں آپ نے متعدد علمی و تحقیقی کام کئے، مجلۃ الاحکام جسے سلاطینِ ترک نے تیار کروایا تھا اس کا اُردو ترجمہ کیا، جو کورٹ چیمبر کراچی سے چھپ چکی ہے،

---

(۱) خطوط سلیمانی (خط بنام اسلم صاحب)، ص: ۱۷۳ (۲) وفیات مشاہیر بہار

(۳) بزم رفتگان: ۲/۲۲۸

ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان کے زیرنگرانی آپ نے ''ربوا اور مضاربت'' نامی تفصیلی کتاب مرتب کی ہے، یہ بھی ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد سے طبع ہو چکی ہے اور تقریباً تین سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے، ان کے ''متفق الجمار''، ''تقویم اسلامی'' اور دیگر مختلف موضوعات پر آپ کی متعدد تصانیف بھی ہیں۔

مفتی سعید صاحب ندویؒ

عوام وخواص دونوں کی ضرورت کے پیش نظر ندوۃ العلماء کے قیام کے بعد ہی دارالافتاء کا قیام عمل میں لایا گیا، یہ شعبہ عوام وخواص دونوں سے متعلق ہوتا ہے اس لئے ہر زمانہ میں ندوۃ العلماء کا دارالافتاء بھی متحرک وسرگرم رہا، چنانچہ اس باوقار اور علمی منصب کے لئے ارباب ندوہ ہمیشہ ایسے باکمال افراد کا انتخاب کرتے جو علمی لیاقت کے ساتھ فروعی مسائل اور فقہی جزئیات پر پوری دسترس رکھتے ہوں اور زمانہ کے عرف و عادات اور جدید مسائل سے بھی واقف ہوں، مفتی سعید صاحب ندویؒ کی ذات گرامی بھی ان ہی بلند ہستیوں میں سے ہے، جس نے علم وفقہ کے اس سرچشمہ کو جاری وساری اور رواں رکھا اور اس مقدس مسند کے جانشیں بنے۔

تعلیم وتربیت

مفتی سعید صاحب کا تعلق علم نواز سرزمین اعظم گڑھ کے ایک گاؤں سینگائی پور سے ہے، ۱۹۰۷ء میں انھوں نے اس دنیائے رنگ وبو میں حیات کی آنکھیں کھولیں، ابتدائی تعلیم کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا اور امتیازی نمبرات کے ساتھ سند فراغت حاصل کی، اس درمیان آپ نے اس دانش کدہ شبلی وسلیمانی سے پورا پورا اکتساب فیض کیا اور چمنستان ندوہ کی بھرپور گل چینی کی، یہاں مولانا عبداللطیف صاحبؒ، مولانا حفیظ اللہ صاحبؒ، مولانا شبلی صاحب مدرسؒ اور مولانا عبدالغفور صاحبؒ جیسے اساطین علم اور اساتذہ وقت سے استفادہ کیا اور دیگر علوم کے ساتھ فقہ میں خصوصی مہارت اور فنی دسترس حاصل کی۔

مفتی ندوۃ العلماء کے منصب پر

تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء کے استاذ مقرر ہوئے اور اخیر وقت تک یہیں اپنے چشمہ علم وفضل سے تشنگانِ علوم کو سیراب کرتے رہے، فقہ کی اکثر بڑی کتابیں آپ کے ذمہ تھیں، جس کا درس آپ اخیر تک دیتے رہے، اس مدت میں آپ دار العلوم کے مفتی (مفتی دار العلوم) کے منصب پر فائز کئے گئے، پھر قائم مقام مہتمم کا عہدہ ملا اور اس طرح آپ تدریس کے ساتھ انتظامی اُمور کے ذمہ دار کی حیثیت سے دار العلوم کی خدمت کرتے رہے۔

تدریس اور انتظامی اُمور میں مہارت کے ساتھ تربیت کے میدان میں بھی آپ کو بڑا کمال حاصل تھا اور تربیت ونگہداشت کے اُصول اور طلبہ کی نفسیات سے پوری واقفیت رکھتے تھے، اس بناء پر دار العلوم میں تدریسی خدمت کے ساتھ منتہی طلبہ کی تربیت ونگرانی بھی آپ کے سپرد تھی اور آپ بحسن وخوبی اس کو انجام دیتے تھے، لباس اور وضع قطع میں اسلامی شعار اور اسلامی ثقافت کی پوری پابندی کرواتے اور طلبہ کو کردار وعمل میں سنت نبوی کی پیروی کرنے کی تاکید کرتے تھے۔

علم فقہ میں آپ کو عبور حاصل تھا، جزئیات بہت مستحضر ہوتے تھے، جزئی مسائل میں آپ توسع کے قائل تھے، سفر میں ضرورت کے پیش نظر جمع بین الصلاتین کرتے اور حدیث پر عمل کرتے ہوئے کبھی کبھی زور سے آمین بھی کہتے تھے۔

آپ کے شاگرد رشید اور خصوصی تربیت یافتہ حضرۃ الاستاذ مفتی ظہور صاحب ندوی مفتی ندوۃ العلماء نے آپ کا ایک واقعہ نقل کیا جو آپ کی توسع پسندی کا بہترین مرقع ہے کہ ''آپ کے زمانہ تدریس میں ایک بار کسی نماز میں تمام چھوٹے طلبہ نے زور سے آمین کہی، نماز کے بعد آپ نے تمام چھوٹے طلبہ کو بلایا اور اس کی وجہ دریافت کی، پھر ان طلبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ لوگ ابھی ان اختلافی مسائل سے ناواقف ہیں، اس لئے ان مسائل میں اپنے والدین کے مطابق عمل کریں، اگر والدین اہل حدیث یا شافعی المسلک ہیں تو زور سے آمین کہیں اور اگر والدین حنفی

ہیں تو آہستہ آمین کہا کریں، پھر فرمایا: جب آپ لوگ بڑے ہو جائیں گے تو اپنی تحقیق پر عمل کیجئے گا، فی الحال اسی پر عمل کریں"۔

آپ اخیر وقت تک تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، اس لئے آپ کے شاگردوں کی فہرست بڑی طویل ہے، جس میں بڑے بڑے ارباب کمال اور ماہرین فن بھی شامل ہیں، مفتی ظہور صاحب ندوی کے علاوہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہ ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء اور ڈاکٹر سعید الاعظمی ندوی مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء بھی آپ کے تربیت یافتہ ہیں، جو اس حقیقت کی زندہ مثال ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے گل سرسبد ثانی، عالم اسلام کے قافلہ سالار و میر کارواں، خانوادہ حسنی کے قابل فخر چشم و چراغ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ۶/ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ مطابق ۵/ دسمبر ۱۹۱۴ء کو دنیائے علم و آگہی میں تشریف لائے، آپ کے والد ماجد حکیم سید عبدالحی حسنی صاحب اپنے وقت کے یگانہ روزگار علماء و مؤرخین اور ندوۃ العلماء کے بانیوں میں سے تھے، جب کہ آپ کی والدہ محترمہ خیر النساء بہترؔ صاحبہ ولیہ صفت اور صاحب قلم خاتون تھیں۔

خانوادہ علم اللہ شاہؒ جو ہندوستان کا مشہور حسنی خاندان ضلع رائے بریلی اتر پردیش کے مضافات میں مدت سے آباد ہے اور علم و تقوی و پرہیزگاری اور عقیدۂ توحید کی پختگی میں ہمیشہ ممتاز رہا ہے، اسی علمی و دینی خانوادے میں آپ نے شعور کی آنکھیں کھولیں اور یہیں سے اپنی شاندار و رشک آفریں زندگی کا آغاز کیا۔

ابتدائی تعلیم

ابتدائی تعلیم کا آغاز غالباً چار سال کی عمر میں اپنے آبائی مکان دائرہ علم اللہ تکیہ کلاں رائے بریلی میں ہوا، لیکن باضابطہ تعلیم کی ابتداء اور شروعات لکھنؤ ہوئی، پہلے پہل محلّہ کی مسجد کے مکتب میں داخل ہوئے اور مسجد کے امام و موذن حافظ محمد سعید صاحبؒ سے حروف شناسی، قرآن مجید اور اردو کی ابتدائی تعلیم پائی، پھر اپنے عم محترم مولانا سید عزیز الرحمٰن صاحب ندویؒ سے اُردو پڑھنا شروع کیا، فارسی کی تعلیم کے لئے ایک کہنہ مشق استاذ مولوی محمد علی صاحب کا انتخاب ہوا، ابھی آپ نو، دس برس

کے ہی تھے کہ ۲/فروری ۱۹۲۳ء کو والد محترم کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا، جس کے بعد یہ مختصر علمی خاندان لکھنؤ سے آبائی وطن تکیہ کلاں رائے بریلی منتقل ہو گیا، یہاں بھی فارسی کی تعلیم جاری رہی۔(۱)

عربی تعلیم کا آغاز

یہ عجیب حسن اتفاق اور فضل ربانی تھی کہ علمی گھرانہ ہونے کے ساتھ ہمیشہ آپ کو اساتذہ بھی اچھے ملتے رہے، فارسی کی تکمیل کے بعد جب لکھنؤ آئے اور اپنے بڑے بھائی سید عبد العلی صاحب کے ساتھ رہنا شروع کیا، جو اس وقت لکھنؤ میڈیکل کالج میں ایم - بی - بی - ایس (M.B.B.S) کر رہے تھے، تو عربی زبان و ادب کے نکتہ داں اور بے مثال استاذ شیخ خلیل صاحب سے عربی تعلیم کا آغاز کیا، ان سے مصری ریڈر المطالعۃ العربیۃ، الطریقۃ المتبکرہ اور دیگر ادبی کتابیں پڑھیں، اسی کے ساتھ صرف ونحو کی قدیم کتابوں میں میزان ومنشعب اور نحو میر وغیرہ اپنے چچا سید عزیز الرحمٰن صاحب سے پڑھتے رہے، اخیر میں شیخ خلیل عرب صاحب سے نہج البلاغہ، مقامات حریری، دلائل الاعجاز اور عشر قصائد کا بھی درس لیا۔(۲)

لکھنؤ یونیورسٹی میں داخلہ

۱۹۲۷ء میں لکھنؤ یونیورسٹی کے فاضل ادب کلاس میں داخلہ لیا اور ۱۹۲۹ء میں نہ صرف فرسٹ ڈویژن سے پاس ہوئے بلکہ وظیفہ اور گولڈ میڈل کے مستحق بھی قرار پائے، اس کے بعد فاضل حدیث کی کلاس شروع کی اور اس میں بھی امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوئے۔(۳)

دار العلوم ندوۃ العلماء سے باضابطہ استفادہ

پھر جولائی ۱۹۲۹ء سے دار العلوم ندوۃ العلماء میں باقاعدہ تعلیم شروع کی اور شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خان ٹونکیؒ سے صحیحین، ابوداؤد اور ترمذی شریف حرفاً حرفاً پڑھی، اس کے علاوہ کچھ

---

(۱) سوانح مفکر اسلام، ص:۸۶ (۲) کاروان زندگی:۱/۵-۹
(۳) حوالہ سابق، ص:۱۰۵

حصہ بیضاوی کا بھی پڑھا، فقہ کی تعلیم ندوۃ العلماء کے ایک قدیم اور محبوب استاذ مولانا شبلی جیراجپوری اعظمی سے حاصل کیا، پھر جب عربی زبان وادب کے محقق عالم اور علم آموز وذوق آفریں استاذ علامہ تقی الدین ہلال مراقشی دار العلوم ندوۃ العلماء تشریف لائے اور یہاں کے مسند درس کو زینت بخشی تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے بہت زیادہ استفادہ کیا اور باضابطہ طور سے دیوان نابغہ ان سے پڑھی، شرح شذور الذہب کے درس میں شریک ہوئے اور ان کی زیر تالیف تفسیر سے بھی درس لیا، جو افسوس کہ ناتمام رہی۔(۱)

لاہور کا علمی سفر

اس زمانہ میں مولانا احمد علی لاہوری کا درس قرآن بہت مشہور تھا اور مولانا علم تفسیر کے بڑے ماہر، نکتہ شناس اور قرآنی علوم کے شناور سمجھے جاتے تھے، حضرت مولاناؒ نے ۱۹۳۰ء میں لاہور کا سفر کیا اور خصوصی وقت لے کر مولانا سے سورہ بقرہ کا ابتدائی حصہ پڑھا، پھر دوسرے سال حجۃ اللہ کے درس میں باضابطہ شریک ہوئے اور کامیابی حاصل کی۔(۲)

اسی طرح دسمبر ۱۹۳۳ء میں آپ نے دوبارہ لاہور کا سفر کیا اور پورے قرآن مجید کا درس لیا ،اس بار بھی امتحان میں شریک ہوئے اور اول پوزیشن لائے۔

دیوبند کا قیام اور حضرت مدنیؒ سے خصوصی استفادہ

۱۹۳۲ء کے جولائی یا اگست میں اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب کے مشورہ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ کی ایماء پر دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے، وہاں تقریباً چار ماہ قیام رہا، ابتداً صرف مولانا مدنیؒ سے استفادہ کا خیال تھا، لیکن حضرت مدنیؒ کے مشورہ سے باضابطہ بخاری اور ترمذی کے درس میں شریک ہوئے اور اس سے پورا فائدہ اُٹھایا، درس کے اوقات کے علاوہ بھی مولانا مدنی سے برابر اکتسابِ فیض کرتے رہے، دیوبند میں ان کے علاوہ مولانا اعزاز علی صاحبؒ

(۱) کاروان زندگی : ۱/۱۱۷ (۲) حوالۂ سابق، ص : ۱۲۷

جن کی شخصیت حضرت مدنیؒ کے بعد سب سے مرکزی تھی اور جن کی توجہ اور تحقیق کے ساتھ ان دنوں تازہ تازہ ملا علی قاریؒ کی کتاب شرح نقایہ چھپ کر آئی تھی، ان سے شرح نقایہ کا درس لیا۔(۱)

ندوۃ العلماء میں تدریسی زندگی کے دس سال

حضرت مولاناؒ ابھی لاہور میں مولانا احمد علی لاہوری کے پاس اپنی علمی پیاس بجھانے میں مشغول تھے کہ ۱۰/ جولائی ۱۹۳۴ء کے جلسہ انتظامی میں مولانا مسعود عالم ندویؔ صاحب نے آپ کی تدریس کے لئے تقرری کی تجویز پیش کی، جو معتمد تعلیمات علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تائید اور دیگر ارکان کے اتفاق رائے سے منظور ہوئی اور یکم اگست ۱۹۳۴ء سے آپ نے بحیثیت استاذِ تفسیر و ادب تدریسی خدمت انجام دینا شروع کیا۔(۲)

پہلے سال آپ کو عربی ششم میں پڑھانے کے لئے، قرآن مجید کے ابتدائی دس پارے، ترمذی شریف کا نصف ثانی، خضری کی تاریخ الامم الاسلامیہ کا پہلا حصہ، حماسہ کا باب الادب اور مصری ریڈر القراءۃ الرشیدہ پڑھانے کو ملی، اس کے علاوہ احمد حسن زیات کی تاریخ الادب العربی کا کئی سالوں تک درس دیا اور اخیر سالوں میں آپ نے بخاری شریف کی کتاب الوحی، کتاب العلم اور کتاب الایمان اور حجۃ الوداع کا بھی درس دیا۔

اس دوران آپ دار العلوم کے عربی ترجمان ''الضیاء'' کی مجلس ادارت کے رفیق بھی رہے اور پھر جب ۱۹۴۰ء میں اُردو ترجمان ''الندوۃ'' جب تیسری بار ہندوستان کے علمی مطلع پر ایک سیارہ کی حیثیت سے طلوع ہوا، تو مولانا عبد السلام قدوائی ندویؒ کے ساتھ آپ بھی اس کے مدیر قرار پائے۔(۳)

اس کے علاوہ آپ کی پہلی اور شہرہ آفاق تصنیف ''سیرت سید احمد شہیدؒ'' اسی مدت میں تیار ہوئی اور اس نے منظر عام پر آ کر خراج تحسین وصول کیا، جس سے علمی حلقوں میں باضابطہ آپ کا

---

(۱) کاروان زندگی: ۱/ ۱۲۸-۱۳۱ (۲) حوالۂ سابق، ص: ۱۳۹ (۳) حوالۂ سابق، ص: ۱۹۳

تعارف ہوگیا، اسی طرح ندوۃ العلماء کے عربی نصاب میں جوتبدیلی ہوئی اورآپ کے قلم سے جونیا نصابی سیٹ تیار ہوا، وہ اہم اور علمی کارنامہ بھی اسی زمانہ کا رہین منت ہے۔

ندوۃ العلماء کی تعمیر وترقی میں حضرت مولاناؒ کا کردار

ندوۃ العلماء سے حضرت مولاناؒ کا تعلق صرف مدرسانہ نہیں تھا، بلکہ اسی فکر اور فضا میں آپ کی ذہنی وفکری نشوونما ہوئی تھی، آپ کے والد محترم اور بڑے بھائی نے نہ صرف اس سفینہ علم وفکر کی ناخدائی کی تھی بلکہ اس کی تعمیر وترقی، اس کے علمی معیار کو بلند کرنے اور ملک وبیرون ملک میں اس کا تعارف کرانے میں بڑا کردار ادا کیا تھا، جس کی وجہ سے آپ کا تعلق بڑا والہانہ اور مخلصانہ تھا اور آپ کے دل میں اس دبستان فکر کو بام عروج تک پہنچانے اور پورے عالم اسلام میں اس کا تعارف کرانے کے جذبات موجزن تھے، جن کا ظہور زمانہ تدریس سے شروع ہو چکا تھا۔

اس قلبی لگاؤ اور بے لوث خدمت کے پیش نظر جنوری ۱۹۴۹ء میں آپ دارالعلوم کے نائب معتمد بنائے گئے اور جب علامہ سید سلیمان ندویؒ کا انتقال ہوا تو آپ معتمد تعلیم منتخب ہوئے، تعلیمی اصلاح کے ساتھ تنظیمی ترقی بھی آپ کے مبارک ہاتھوں ہی قدرت کو منظور تھی، اس لئے ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء کی وفات کے بعد باتفاق رائے نظامت کے لئے آپ کا انتخاب ہوا، یہ جون ۱۹۶۱ء کی تاریخ تھی۔(۱)

حضرت مولاناؒ کا دور نظامت تقریباً چالیس سالوں پر مشتمل ہے، اس مدت میں آپ نے ندوۃ العلماء کو ترقی کی جس بلند معراج تک پہنچا دیا وہ محتاج تعارف نہیں ہے، آپ کے زمانہ میں ندوۃ العلماء کو عالمی شہرت حاصل ہوئی، تعلیمی اور اصلاحی میدانوں میں محیر العقول ترقیاں ہوئیں اور آپ کی اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں سے نہ صرف بین الاقوامی سطح پر غیر معمولی عظمت کے ساتھ ندوۃ متعارف ہو، بلکہ عالم عرب اور دیگر اسلامی ممالک کی یونیورسیٹوں نے ندوۃ العلماء کی علمی اور دینی

---

(۱) سوانح مفکر اسلام،ص:۳۳۶-۳۳۵

حیثیت تسلیم کر کے ان کی عظمتوں کو غیر معمولی بنا دیا، اس کے علاوہ تعمیری اعتبار سے بھی آپ نے ندوۃ العلماء کو خوب سنوارا، چنانچہ اس دور کو تعمیری اعتبار سے شاہجہانی دور بھی کہا جا سکتا ہے۔(۱)

ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے آپ کے دور نظامت کی ترقیوں اور کامیابیوں کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، آپ اپنے مقالہ کے آخر میں رقمطراز ہیں :

"ان سب باتوں کی وجہ سے ندوۃ العلماء پورے عالم اسلام بلکہ پوری دنیا کے دانشور طبقہ میں جانا پہچانا ادارہ بن چکا ہے، جو اپنے تعلیمی مدارج کے اعتبار سے یونیورسٹی کے معیار تعلیم کے مطابق ہے اور نصاب کے اعتبار سے کسی بھی بڑی دینی درسگاہ کی خصوصیات کا حامل ہے اور مضامین نصاب کے اعتبار سے قدیم و جدید کے صالح اور ضروری مضامین کو جمع کئے ہوئے ہے اور اس کے کام اور نام کو اب بہت وقیع سمجھا جانے لگا ہے"۔(۲)

حضرت مولاناؒ کی علمی خدمات

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ اس صدی کے بہترین قلم کاروں میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو فکر ارجمند کے ساتھ دل دردمند اور زبان ہوش مند سے بھی سرفراز کیا تھا، جس کی وجہ سے آپ کی تمام تصانیف شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں، آپ نے قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ، علم کلام، سوانح اور اخلاقیات وغیرہ کے تمام ہی موضوعات کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور جس موضوع پر بھی قلم اُٹھایا اس کا حق ادا کر دیا۔

---

(۱) رابطہ ششماہی ۲۰۰۰ء، ص: ۱۲۵ (۲) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ افکار و آثار، ص: ۳۳۶

ڈاکٹر محسن عثمانی صاحب آپ کی نگارشات کے متعلق رقمطراز ہیں :

''مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی تصنیفات کا مطالعہ متنوع سمتوں میں ہماری رہنمائی کرتا ہے، نگارشات کے گلدستے میں قرآنی موضوعات بھی ملتے ہیں، سیرت نبوی علیہ السلام پر کتابیں بھی نظر آتی ہیں، حدیث، تاریخ، علم کلام، سوانح وخاکہ نگاری اور اخلاقیات کے علاوہ خالص فکری موضوعات پر بھی مستقل تصنیفیں ملتی ہیں، انھوں نے عربی اور اُردو زبانوں کا دامن ادب سے مالا مال کیا''۔(۱)

آپ مزید تحریر فرماتے ہیں :

''مولانا کی علمی تصنیفی کاموں میں تاریخ اور سوانح نگاری کا پلڑا زیادہ بھاری ہے، یہ کتابیں بے حد موثر ہیں اور پڑھنے کے بعد مدتوں کتاب کی خوشبو مشام جاں کو معطر کرتی رہتی ہے۔ وہ سوانح نگاری کے فن سے واقف ہیں لیکن اس میدان میں وہ مغربی نظریئے کے معترف اور مقلد نہیں''۔(۲)

حضرت مولاناؒ کا شمار کثیر التصانیف مصنفوں میں ہوتا ہے، مولانا طارق زبیر ندوی نے آپ کی جملہ اُردو تصانیف کی فہرست شائع کی ہے جس میں انھوں نے چھوٹی بڑی دوسو سے زائد کتابوں کا تذکرہ کیا ہے، (۳) اسی طرح عربی تصنیفات کی جملہ فہرست سید عبدالماجد غوری نے مرتب کی ہے، جس میں انھوں نے ایک سو اسی مؤلفات کا شمار کرایا ہے (۴)، آپ کی تصنیفات و تالیفات میں بہت سی کتابیں اُردو وعربی دونوں میں ہیں اور بعض صرف عربی یا صرف اُردو میں

---

(۱) رابطہ ششماہی دہلی ۲۰۰۰ء، ص:۱۰۱ (۲) حوالہ سابق، ص:۱۰۲

(۳) فہرست تالیفات مولانا علی میاں ندویؒ (۴) ابوالحسن علی الحسنی الندوی المفکر، الداعیہ، الادیب، ص:۴۲۸

ہیں، اس سے آپ کی کثرتِ تالیف کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اس کمیت کے ساتھ کیفیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی صاحب تحریر فرماتے ہیں :

> ''کیفیت و معنویت کے لحاظ سے دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص نے آپ کے قلم کو قبولیت اور تحریر کو نورانیت عطا فرمائی ہے، جو کتاب لکھی اس کو پسند کرنے والے پہلے وہ حضرات ہوئے جو اس فن کے مرد میداں تھے، جن پر وہ کتاب لکھی گئی''۔(۱)

آپ کی شہرہ آفاق کتابیں جس نے اسلامی نشاۃ ثانیہ اور مغربی یلغار کے جواب میں بہترین کردار ادا کیا ہے حسب ذیل ہیں :

۱) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر
۲) نبی رحمت
۳) تاریخ دعوت و عزیمت پانچ جلدوں میں
۴) نقوش اقبال
۵) مسلم ممالک میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش
٦) المرتضیٰ
۷) ہندوستانی مسلمان ایک تاریخی جائزہ
۸) ارکان اربعہ
۹) سیرت سید احمد شہید (دو جلدوں میں)
۱۰) صحبتے با اہل دل
۱۱) کاروان زندگی (سات جلدوں میں)
۱۲) دستور حیات
۱۳) منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین
۱۴) پرانے چراغ (تین جلدوں میں)
۱۵) جب ایمان کی باد بہاری چلی

---

(۱) میر کارواں، ص: ۳٦۷

وفات

عالم اسلام کا یہ نیر تاباں نصف صدی سے زائد تک حق وصداقت کا پرچم بلند کرتا ہوا اور اپنی زبان وقلم سے ملت کی بھنور میں پھنسی کشتی کو آگے بڑھاتا ہوا ۲۲/ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ مطابق ۳۱/ دسمبر ۱۹۹۹ء کو عین دوپہر کے وقت غروب ہو گیا اور دائرۂ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں رائے بریلی میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولاناؒ کے فقہی افکار و آراء

فقہی بصیرت

حضرت مولاناؒ نے علم فقہ کی تحصیل دار العلوم ندوۃ العلماء کے مؤقر استاذ اور فن فقہ کے ماہر مولانا شبلی فقیہ ندویؒ سے فرمائی تھی، البتہ اس علم سے زیادہ اشتغال نہیں رہا اور نہ کسی فقہ کی کتاب کی تدریس کی نوبت آئی، اس لئے فقہی مسائل و جزئیات بتانے یا فتویٰ دینے سے ہمیشہ احتراز کرتے تھے اور اس طرح کے جو بھی خطوط آتے وہ دار الافتاء یا مجلس تحقیقات شرعیہ کے سپرد فرما دیتے، لیکن اس کے باوجود فقہ پر نظر بڑی وسیع تھی اور پوری فقہی بصیرت حاصل تھی، موجودہ دور کی ضروریات اور نئے نئے مسائل کے پیش نظر جدید فقہ کی ضرورت و افادیت کے قائل تھے اور طلبہ کو فقہی بصیرت حاصل کرنے کی تلقین بھی فرماتے تھے۔(۱)

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب نور اللہ مرقدہ نے آپ کو ایک دوسرے زاویے سے ''فقیہ زماں'' قرار دیا ہے، قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں :

> ''حضرت حسن بصری نے لکھا ہے کہ فقیہ اصلاً وہ ہے جو دنیا سے منھ موڑنے والا، آخرت کی فکر کرنے والا، دین کو مضبوط پکڑنے والا، رب کی والہانہ بندگی کرنے والا، متقی، مسلمانوں کی زندگی سے کھلواڑ نہ کرنے والا، مسلمانوں کے مال کو ہاتھ نہ لگانے والا مسلمانوں کا خیر خواہ ہو، اگر ہم غور سے دیکھیں تو

---

(۱) سوانح مفکر اسلام، ص: ۴۹۸

حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی، ان کی
پوری حیات مبارکہ اس کی شہادت دے رہی ہے کہ وہ حسن
بصری کے فقیہ کے بارے میں بیان کردہ خدوخال، نقش وخیال
کے عین مطابق تھے، اس لئے واقعتاً فقیہ زماں تھے"۔(۱)

موجودہ زمانہ کے نت نئے مسائل کو حل کرنے کی ضرورت اور اس کی طرف توجہ دینے کا پورا احساس تھا، اور اس دور میں فقہ جدید کی تدوین کو وقت کی اہم ترین ضرورت سے تعبیر کرتے تھے اور جب بھی موقع ملتا آپ علماء کرام کو اس کی طرف متوجہ فرماتے، اس سلسلہ میں آپ نے خود بھی پہل کی اور دور جدید کے مسائل کو حل کرنے کے لئے ۱۹۶۳ء میں ہندوستان کے کچھ ارباب کمال اور محقق مفتیانِ کرام پر مشتمل ایک کمیٹی "مجلس تحقیقات شرعیہ" ندوۃ العلماء کی بنیاد ڈالی اور تادم اخیر اس کی سرپرستی وصدارت فرماتے رہے، اس کے علاوہ رابطہ عالم اسلامی کے تحت جب المجمع الفقہ الاسلامی کی تاسیس ہوئی، تو آپ بھی اس کے ایک بنیادی رکن منتخب ہوئے اور اس کے متعدد اجلاس میں ہندوستان کی نمائندگی فرمائی، اسی طرح اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے کئی جلسوں کی صدارت فرمائی اور خطبہ صدارت پیش فرمایا، نیز آپ اس کے سرپرستوں میں تھے، اس سے فقہ اسلامی سے آپ کی خصوصی دلچسپی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت مولاناؒ کا مسلک

حضرت مولاناؒ نے صراحت کے ساتھ اپنے مسلک کے بارے میں کہیں کچھ نہیں لکھا ہے، لیکن تاریخ دعوت وعزیمت میں علامہ ابن تیمیہؒ، حافظ ابن قیمؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے تذکروں میں جو کچھ لکھا ہے اور اجتہاد وتقلید کے بارے میں جو آپؒ کا نقطہ نظر تھا، نیز جو آپ کی خاندانی روایات ہیں، ان سبھوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ حنفی المسلک ضرور تھے لیکن فکر وخیال

(۱) سہ ماہی بحث ونظر: جولائی ۲۰۰۲ء

میں بڑا توسع تھا اور بڑی معتدل ومتوازن فکر کے حامل تھے، علمی زندگی میں اس توسع پسندی کے مظاہرے ملتے ہیں، کئی موقعوں پر آپ نے جمع بین الصلاتین کے مسئلہ پر عمل کیا ہے، اس کے علاوہ عالم اسلام کے مختلف مسالک کے چوٹی کے اکابرین، دانشوران اور رہنمائے ملک وملت کے ساتھ آپ نے جو طویل عرصہ گذارا ہے اور جس طرح آپ سبھوں کے منظور نظر اور دلوں کی دھڑکن بنے رہے، وہ آپ کی اعتدال پسندی کی شاہکار ہے۔

خانوادہ علم اللہ کے صاحب بصیرت عالم اور عربی زبان وادب کے رمز شناس محمد الحسنی کے صاحبزادے مولانا بلال حسنی صاحب نے آپ کے مسلک پر روشنی ڈالی ہے، صاحب البیت ادری بمافیہ کے بمصداق آپ کی رائے اس سلسلہ میں سند کی حیثیت رکھتی ہے، مولانا تحریر فرماتے ہیں :

> ''حضرتؒ کا خاندان صدیوں سے مسلک حنفی کا پیروکار رہا اور اس میں متعدد گہری نظر رکھنے والے فقہاء اور اصحاب فتاویٰ پیدا ہوئے ، لیکن اس خاندان میں کبھی بھی اس سلسلہ میں تعصب تو کیا حد سے بڑھا ہوا تصلب بھی نہیں رہا، اس کا ہمیشہ یہ مسلک رہا کہ اُصول میں مکمل تصلب ہو، لیکن فروع میں توسع اختیار کیا جائے ، مسلکی عصبیت اور گروہ بندی سے اس خاندان میں ہمیشہ تنفر رہا —— حضرتؒ نے حنفی علماء سے بھی تعلیم حاصل کی اور بعض سلفی علماء کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا، لیکن کبھی بھی حضرت کے اندر اس سلسلہ میں تعصب کی بو بھی پیدا نہیں ہوئی اور ہمیشہ حضرتؒ نے توسع سے کام لیا، سب کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے اور دین کی خدمت کرنے والوں کی وقعت فرماتے ، خواہ وہ کسی بھی مکتب فکر سے تعلق رکھتا

ہو، اس سلسلہ میں حضرتؒ کو مسلکی فرقہ بندی اور تعصب سے نفرت تھی اور اس کو دین کے لئے سخت مضرت خیال فرماتے تھے، جب بھی کسی نے عصبیت کی دعوت دی اور دوسری جماعتوں اور مسلکوں کو غلط قرار دیا، حضرت نے اس کے خلاف آواز لگائی''۔(۱)

آگے حضرت مولاناؒ کے توسع کی ایک مثال دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''ابتدائی دور کی بات ہے کہ حضرت فقہ حنفی کے ایک بڑے ادارے میں تشریف لے گئے، تو معلوم ہوا کہ دوسرے مسلک کے طالب علم کو جس نے رفع یدین کیا تھا یا آمین بالجہر کہی تھی مدرسہ سے نکال دیا گیا، تو حضرت نے حنفی ہونے کے باوجود کئی روز تک رفع یدین بھی کیا اور آمین بالجہر بھی کہی، تا کہ لوگوں کے سامنے یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ بھی حق ہے''۔(۲)

چند فقہی آراء وافکار

اوپر یہ بات گذر چکی ہے کہ دیگر علمی مشغولیات کی بناء پر اس فن سے اشتغال نہ رہا، جس کی وجہ سے فقہ کے موضوع پر آپ کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے، البتہ ارکان اربعہ میں آپ نے عبادات کے موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی ہے، جو شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں آپ نے کلامی انداز میں اسلام کے بنیادی چاروں ارکان کا تفصیلی تعارف کرایا، اس کے علاوہ اسلامک فقہ اکیڈمی سیمیناروں میں جو خطبہ صدارت آپ نے پیش فرمایا تھا، وہ بھی اپنے موضوع پر بڑی اہم اور وقیع چیز ہے، الجزائر کے ایک سیمینار میں آپ نے مذاہب اربعہ کے موضوع پر مقالہ

(۱) سوانح مفکر اسلام، ص:۵۰۹ (۲) حوالہ سابق، ص:۵۱۰

پڑھا تھا، وہ ''نشاءۃ المذاھب الفقھیۃ'' کے نام سے چھپ چکا ہے، اسی کے ساتھ دستور حیات اور شہرہ آفاق تصنیف تاریخ دعوت وعزیمت میں علامہ ابن تیمیہؒ، حافظ ابن قیمؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے تذکروں میں آپ نے فقہ کے متعدد اہم موضوعات پر عالمانہ ومحققانہ بحث کی ہے، جس میں آپ کے فقہی افکار وخیالات اور نقطہ ہائے نظر پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آچکے ہیں، ان ہی کتابوں سے چند منتشر صدف ریزے ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں تاکہ آپ کی فکر وآگہی اور فقہی مزاج ومذاق کھل کر سامنے آجائے۔

ایک شہر میں متعدد جمعہ سے اجتماعیت کا فقدان

جمعہ مسلمانوں کے دینی اجتماع کا ایک ذریعہ ہے، امام ابو یوسفؒ ایک شہر میں متعدد جمعوں کے قائل نہ تھے اور امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ایک شہر میں کئی جمعوں کی اجازت دی گئی تو مسلمانوں کے اجتماع کا مقصد فوت ہو جائے گا، اس کے برخلاف امام محمدؒ، امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ تعدد جمعہ مطلقاً جائز ہے اور یہی آخری قول راجح اور مفتی بہ ہے۔

اسی سلسلہ میں حضرت مولاناؒ کا خیال یہ تھا کہ ایک شہر میں متعدد جمعہ قائم کرنے سے جمعہ کا مقصد فوت ہو جاتا ہے، آپ تحریر فرماتے ہیں :

> ''جمعہ کا مزاج اور اس کے مصالح وفوائد کا تقاضا یہ ہے کہ جمعہ شہر کی صرف ایک مسجد میں یا کم سے کم مساجد میں ہو (بشرطیکہ شہر بڑا اور پھیلا ہوا نہ ہو اور لوگوں کی شرکت ایک مسجد میں مشکل ہو) اور تمام مسلمان ہفتہ میں ایک بار ایک جگہ جمع ہوں، اس سے ایک طرف اتحاد واُخوت کے رشتے کو مضبوط کرنے میں مدد ملے گی، دوسری طرف اس جماعت کی بدولت مسلمانوں

کے عقائد و اعمال تحریف و فساد سے محفوظ رہیں گے، لیکن مسلمانوں نے اس مسئلہ میں بہت سہل انگاری اور سستی و غفلت سے کام لیا ہے اور اس کے نتیجہ میں جمعہ کی تاثیر و قوت، اہمیت و افادیت اور عظمت و شوکت خاصی حد تک کم ہوگئی ہے"۔(۱)

لیکن اسی کے ساتھ فقہاء متاخرین اس مسئلہ میں جو توسع اختیار کیا ہے اس کی مصلحت بھی آپ سے پوشیدہ نہ تھی اور اس کی افادیت کے بھی آپ قائل تھے، چنانچہ اس کی افادیت اور مصالح کو بیان کرتے ہوئے آگے رقمطراز ہیں:

"جمعہ ہندوستان کے بعض علاقوں خصوصاً دیہاتوں اور قصبوں میں اور بہت سے دوسرے اسلامی ممالک میں بھی زراعت پیشہ اور اہل حرفت طبقہ اور اسلام کے درمیان رابطہ کی بہت اہم اور واحد شکل ہے، اس میں وہ اہتمام سے غسل کرتے ہیں، پہلے سے نماز کی تیاری کرتے ہیں، اسلام کے شعائر و احکام سے واقف ہوتے ہیں، ان کے اندر اسلام کا شعور و احساس پیدا ہوتا ہے، وہ اس پر فرح و مسرت محسوس کرتے ہیں اور اس حصار کی برکت سے وہ ارتداد و بے دینی کے فتنوں اور شرک و بت پرستی کی تحریکوں اور دعوتوں سے محفوظ و مامون رہتے ہیں، اگر جمعہ اور اس کے مقدمات و انتظامات و اجتماعات نہ ہوتے، تو مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اس جاہل معاشرہ میں (جس میں وہ سانس لیتی ہے) جذب ہوجاتی اور ارتداد کی موجیں جو

---

(۱) ارکان اربعہ، ص: ۸۷

اس کے ماحول سے ٹکرا رہی ہیں، اس کو نگل لیتی اور کچھ دن کے
بعد یہ پتہ چلانا بھی دشوار ہو جاتا کہ اس کا اسلام سے کچھ تعلق
بھی رہ چکا ہے، یہی وہ مصالح تھے جن کے پیش نظر عہد آخر
کے بعض علمائے احناف نے اس میں سختی و تنگی روا نہ رکھی، بلکہ
توسع اختیار کیا ہے"۔(۱)

مؤلفۃ القلوب کے بارے میں مولاناؒ کی رائے:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف کو بیان فرمایا ہے، ان میں سے ایک مؤلفۃ القلوب بھی ہے، ابتداء اسلام میں جب کہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ کرام غیر مسلموں کا مالی تعاون فرماتے تھے، تاکہ ان لوگوں کی دل جوئی ہو اور اسلام کی طرف ان کی رغبت بڑھے، لیکن بعد کے زمانہ میں جب اسلام کو غلبہ حاصل ہو گیا اور مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو اس مصرف پر عمل متروک ہو گیا اور دھیرے دھیرے یہ سمجھا جانے لگا کہ خلفاء راشدین کے عمل سے یہ مصرف منسوخ ہو گیا، پھر فقہاء کرام نے بھی اپنی کتاب میں اس مصرف کو منسوخ یا متروک لکھنا شروع کر دیا۔

اس مصرف کے بارے میں حضرت مولاناؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر آج بھی اس کی ضرورت پیش آئے تو ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دینا درست ہوگا، آپ تحریر کرتے ہیں:

"یہ منصوص مصارف زکوٰۃ کے حکم کے ساتھ دائر اور حاوی ہیں،
سوائے "المؤلفة قلوبهم" کے، اکثر علماء ائمہ اور فقہا کا
خیال یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت اور غلبہ کی وجہ سے اب ان کے
حصے کی ضرورت باقی نہیں رہی، وہ دلیل میں حضرت ابو بکرؓ

(۱) ارکان اربعہ، ص: ۸۸

کے عمل کو پیش کرتے ہیں، جنھوں نے ایسے لوگوں کو زکوٰۃ نہیں دی، البتہ بعض دوسرے فقہاء اس کی بقاء کے قائل ہیں، اس سلسلہ میں قاضی ابوبکر ابن العربی وغیرہ کی رائے راقم سطور کو زیادہ پسند آئی، وہ کہتے ہیں کہ "میری رائے یہ ہے کہ اگر اسلام کو غلبہ واقتدار حاصل ہو تو ضرورت نہیں، لیکن اگر اس کی

ضرورت محسوس کی جائے تو ان کو اسی طرح دینا چاہئے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیتے تھے، صحیح حدیث میں ہے "بدأ الاسلام غریباً وسیعود غریباً کما بدأ"۔(۱)

امارت کے بارے میں آپ کا نقطۂ نظر

مسلمانوں کی دینی بقاء اور ملی استحکام کے لئے امارت کے قیام کو ضروری سمجھتے تھے اور مسلمانوں کی اجتماعیت کے لئے امارت شرعیہ کے نظم کو لازم قرار دیتے تھے، اس کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر اکثر فرماتے کہ بہار کے مسلمانوں کو فخر کرنا چاہئے کہ ان کی زندگی امیر اور امارت شرعیہ کے سایہ میں گذر رہی ہے۔

آپ نے مسلم پرسنل لاء کے دورِ صدارت میں اس کے پلیٹ فارم سے ہندوستان کے تمام صوبوں میں امارت شرعیہ اور دار القضاء کے قیام کے سلسلہ میں بذات خود کوشش فرمائی تھی اور اتر پردیش میں اس کا آغاز بھی کیا تھا، لیکن چند مسلمانوں کے آپسی اختلاف وانتشار کی وجہ سے یہ کوشش ناکام ہوگئی، نظامِ زکوٰۃ کے بارے میں آپ رقمطراز ہیں :

"جس طرح نماز کا مزاج اور شرعی حیثیت یہ ہے کہ اس کو جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے، اسی طرح زکوٰۃ کا مزاج اور شرعی حیثیت یہ ہے کہ وہ پہلے بیت المال میں جمع کی جائے اور ان خلفاء وامراء

---

(۱) ارکان اربعہ، ص:۱۴۶

کو سپرد کی جائے جو اس کے منتظم و ذمہ دار ہیں"۔(۱)

پھر اس کے حاشیہ میں تحریر کرتے ہیں :

"مسلمان خلافت و امارت کا نظام قائم کرنے کے شرعی طور پر مکلّف ہیں اور اس میں کوتاہی و سہل انگاری ان کو گنہگار کر سکتی ہے، حدیث و فقہ کی کتابوں اور اسلام کی روح اور اس کے مقاصد کا صحیح فہم کا بھی یہی تقاضہ ہے ـــــ پہلے مسلمان اس بات کے روادار نہ تھے اور اس کو بہت بری بات سمجھتے تھے کہ ان کا کوئی مختصر وقفہ بغیر خلافت و امارت کے گرز جائے، چنانچہ مسلمان مورخین جب کسی نئے سال کے آغاز کا ذکر کرتے تو اس طرح لکھتے کہ "نیا سال شروع ہو گیا اور مسلمان اب تک بلا خلیفہ کے ہیں، اگر وہ اس زمانہ میں ہوتے اور اس طویل مدت کو دیکھتے کہ جو بغیر خلافت و امارت ہی کے نہیں بغیر کسی احساس و شعور اور فکر کے گزر رہی ہے، تو ہمارے متعلق کیا رائے قائم کرتے"۔(۲)

رویت ہلال کے لئے ظہورِ ہلال ضروری ہے

یورپ کی ترقی کے نتیجہ میں جب نقل و حمل کے جدید وسائل پیدا ہوئے اور ہوائی جہاز و دیگر فضائی گاڑیوں کا وجود ہوا، تو رویت ہلال کے بارے میں یہ مسئلہ زیر بحث رہا کہ اگر جہاز یا راکٹ وغیرہ سے آسمان کی بلندی پر پہنچ کر چاند دیکھا جائے تو اس کی رویت معتبر ہوگی یا نہیں؟ پھر بعض حلقوں سے یہ رائے سامنے آئی کہ جب چاند اور زمین کی گردش کی رفتار معلوم ہے اور محور متعین ہے

(۱) ارکان اربعہ، ص:۱۶۴ (۲) حوالہ سابق

تو کیوں نہ حساب لگا کر معلوم کرلیا جائے کہ چانداس مطلع پر کب پہنچے گا، پھر اس کے مطابق رویت کا اعلان کردیا جائے۔

حضرت مولاناؒ کی رائے اس سلسلہ میں مذکورہ رائے سے بالکل الگ ہے، آپ تحریر فرماتے ہیں :

''اسلامی روزہ قمری مہینوں کے ساتھ اور رویت ہلال کے ساتھ مربوط ہے، —— شریعت میں اعتبار ظہور ہلال کا ہے، وجودِ ہلال کا نہیں، اس لئے اس کی رویت کے اثبات کے لئے ریاضی اور مصنوعی تکلفات کا سہارا لینے کی مطلق ضرورت نہیں، جیسا کہ بعض اسلامی ممالک میں ہونے لگا ہے، اس صحیح حدیث سے یہ مسئلہ بالکل صاف ہوجاتا ہے کہ ''صوموا لرویته وافطروا لرویته ''اس کو دیکھ کر روزہ رکھو اور اس کو دیکھ کر روزہ ختم کرو''۔(۱)

علمی تحقیق پیش کرنے کا طریقہ

علمی تحقیق اور مسائل فقہ میں کوئی رائے پیش کرنے کے سلسلہ میں مولانا کا خیال یہ تھا کہ یہ تحقیق کے ساتھ ایک عظیم دینی ذمہ داری بھی ہے، اس لئے ایسے لوگوں کو بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، آپ تحریر فرماتے ہیں :

''جن حضرات کو بحث وتحقیق کی ذمہ داریوں کا شعور اور افکار ونظریات کی تبدیلیوں کا احساس ہے، انھیں چاہئے کہ وہ اپنی آراء واحکام کو قطعی اور یقینی شکل میں پیش نہ کریں اور اپنے کسی

(۱) ارکان اربعہ، ص:۲۸۳

نظریے کی توضیح اس انداز میں نہ کریں کہ گویا وہ اس موضوع پر حرف آخر ہو اور مزید غور وفکر کی اس میں کوئی گنجائش موجود نہ ہو ، بلکہ ان کا موقف اور پیش کرنے کا انداز ایسا ہو، جیسے کوئی کسی نتیجہ تک پہنچا اور اس وقت ایسا محسوس ہو رہا ہو کہ وہ صحیح ہے، ہمارے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم غور وفکر اور بحث ومباحثہ میں صبر وتحمل کا اُصول اختیار کریں اور علم اور ان کے حاملین کا اعتراف کرنا سیکھیں ، جنھوں نے اپنی تمام تر طاقتیں اور صلاحیتیں اس راہ میں صرف کردی ہیں"۔(۱)

فتویٰ دینے میں سنجیدگی اور غور وفکر کی ضرورت

حضرت مولاناؒ ہمیشہ فتویٰ دینے یا فقہی مسائل بتانے سے احتراز کرتے تھے،لیکن اس کے ساتھ فتویٰ نویسی اور افتاء کے نوک و پلک سے بخوبی واقف اور اس کی باریکیوں سے آگاہ تھے، چنانچہ جدید مسائل میں فتویٰ کس طرح دینا چاہئے اور اس سلسلہ میں ایک مفتی کی ذمہ داری کیا ہوتی ہے؟اس کو بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

"کچھ لوگ اپنی رائے کے اظہار میں بڑی عجلت سے کام لیتے ہیں، پھر فوراً ہی اس سے رجوع کر لیتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنی ذمہ داری پوری کر رہے ہیں، لیکن ان لوگوں کا کیا ہوگا جو ان کی فتووں کا اتباع کر کے اور غلطی پر عمل کر کے اس دنیا سے چل بسے؟ اور مسئلہ اس وقت اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے جب ان آراء کا تعلق دین اور عقیدہ سے ہو"۔(۲)

---

(۱) اجتماعی اجتہاد،ص:۳۱ (۲) مجلہ فقہ اسلامی (تیسرا سیمینار)،ص:۳۱

آگے مزید تحریر فرماتے ہیں :

''لہٰذا ضروری ہے کہ رائے کے اظہار میں صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے، خاص طور پر جب کہ مسئلہ کا تعلق علم دین سے ہو، تو ہمیں چاہیے کہ تھوڑی دیر سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور وفکر کریں اور اس فن کے ماہرین کے سامنے اسے پیش کریں، ان کے فیصلوں کا انتظار کریں اور ان مرحلوں سے گذرنے کے بعد فتووں کی اشاعت ہو اور اسے منظر عام پر لایا جائے، یہ دود انتشار ہے اور انسان سست و کاہل واقع ہوا ہے، فطری طور پر لاپرواہی کی طرف اس کا میلان ہوتا ہے، —— تو ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ایسی چیزوں کے اظہار سے باز رہیں، جو لوگوں میں فکری اضطراب پیدا کر سکتی ہو، یا اس میں اضافے کا سبب بن سکتی ہو''۔(۱)

نئے مسائل اور علماء کی ذمہ داریاں

موجودہ زمانہ میں مادی ترقیوں کی وجہ سے نئے مسائل دن بدن پیدا ہوتے جارہے ہیں، اس کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر کی وضاحت کی جو ذمہ داری علماء کے سر ہے، اس کا پورا آپ کو احساس تھا، چنانچہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے پہلے فقہی سیمینار میں خطبہ صدارت پیش کرتے ہوئے علماء وفقہاء سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں :

''اس میں کوئی شک نہیں کہ اجتہاد کی ضرورت اپنی جگہ پر ہے، اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں، جو لوگ علوم شریعت میں

(۱) مجلہ فقہ اسلامی (تیسرا سیمینار)، ص:۳۱

بصیرت اور اس پر دسترس رکھتے ہیں، وہ اس میدان میں اپنا قائدانہ کردار کریں اور اُصول فقہ جیسے قیمتی خزانہ سے جس کی کوئی نظیر قوموں اور ملتوں میں نہیں ملتی، احکام ومسائل کے استنباط میں فائدہ اُٹھائیں، فقہ کا یہ ذخیرہ عرصہ سے تاریخ بن کر رہ گیا ہے، جس میں ہمیں صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دور کے مجتہدین کس طرح احکام ومسائل کا استنباط کیا کرتے تھے، اس سے زیادہ کچھ نہیں، لیکن وقت کی گھڑی کو نہ تو اپنی جگہ روکا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کو معطل کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کو ماضی کی طرف واپس لوٹایا جاسکتا ہے، جب اسلام ایسی قوموں اور معاشرہ کا دین ہے جو ان مسائل ومشکلات کے ساتھ ساتھ چلتا ہے بلکہ اس کا سامنا کرتا ہے''۔(۱)

اجتماعی اجتہاد کی ضرورت

اس ترقی یافتہ وسائنسی دور میں جو نئے نئے مسائل جنم لے رہے ہیں اس کو حل کرنے کے لئے حضرت مولاناؒ اجتہاد کو ضروری قرار دیتے تھے، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے پہلے سیمینار میں فرماتے ہیں:

''اس میں اس کوئی شک نہیں کہ اجتہاد اس زمانہ کی حاجت اور دین کی ضرورت ہے، جو زندگی کے قافلے کی رہنمائی اور قیادت کرتا ہے، خصوصاً اس زمانہ میں اور بھی اس کی ضرورت ہے جب کہ تمدن اور صنعت وتجارت نے ایسی غیر

---

(۱) اجتماعی اجتہاد، ص:۲۱

معمولی اور حیرت انگیز ترقی کرلی ہے، جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے، جدید تجارتی معاملات اور معاہدوں میں ایسے فقہی احکامات اور فیصلوں کی ضرورت ہے جو اسلامی فقہ کے اُصول اور شریعت اسلامی کے مقاصد سے ہم آہنگ ہوں"۔(۱)

پھر اجتہاد کے معطل ہونے کی وجوہات کو بیان کرکے اس اجتہاد کی بہترین شکل کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

"اب اگر اجتہاد کا دروازہ کھولنا ہی ضروری ہے، تو ضرور کھولا جائے ،لیکن اُصول فقہ کی کتابوں میں اس کے لئے جو شرائط بیان کئے گئے ہیں اس کا لحاظ ضروری ہے، بہتر تو یہ ہے کہ انفرادی طور پر اجتہاد کے بجائے اجتماعی طور پر اجتہاد کیا جائے، وہ اس طرح کے شریعت کے ماہرین کی ایک اکیڈمی ہو، جس میں کسی مسئلہ پر طویل غور وفکر بحث ومباحثہ اور تبادلہ آراء اور قرآن وسنت اور فقہ واُصول فقہ کے پورے ذخیرہ کے بھرپور جائزہ کے بعد فیصلہ کیا جائے ، تاکہ اس میں کسی سازش ، یا سیاسی قوت یا استبدادی حکومت کا عکس نہ پڑنے پائے"۔(۲)

اجتہاد کے نام پر شریعت میں تحریف

اجتہاد کی اس ضرورت اور اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے آپ اس طبقہ پر سخت نکیر فرماتے تھے جو اجتہاد کے نام پر شریعت اسلامیہ کے ثابت شدہ حقائق سے کھلواڑ کرنا چاہتے ہیں، آپ لکھتے ہیں :

"اس دور میں اجتہاد کی باتیں بہت ہورہی ہیں اور یہ نعرہ لگایا

---

(۱) مجلہ فقہ اسلامی (پہلا سیمینار) خطبہ صدارت (۲) حوالہ سابق

جاتا ہے کہ اس زمانہ میں اجتہاد کی ضرورت ہے، چنانچہ اجتہاد کا نعرہ لگانا ایک طرح سے ترقی پسند کی علامت بن گیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ اجتہاد اس زمانہ کی حاجت اور دین کی ضرورت ہے ، لیکن شرعی مسائل اور جدید عصری ایجادات کے بارے میں جو لوگ اجتہاد کا نعرہ لگاتے ہیں وہ اسلامی دنیا کے وہ قائدین ومفکرین اور مغربی دانش گاہوں کے فضلاء ہیں جنھوں خود مغربی تہذیب وتمدن کا سامنا پورے عزم وارادہ اور ایمان و یقین سے کرنے میں اپنی مہارت اور ذکاوت وذہانت کا ثبوت نہیں دیا، حالاں کہ ان کا فرض تھا کہ مغربی تہذیب وتمدن اور اس کی سائنسی ایجادات اور ترقی ، اس کی خوبیوں اور خامیوں کے درمیان تمیز کر کے وہی چیز لیتے جو مشرقی قوموں اور اس کے دین ومذہب اور تہذیب وتمدن سے میل کھائیں اور ان قوموں کو بھی روشنی دکھاتے جو جو مادیت کا شکار ہو چکی ہیں، وہ مغرب سے جو کچھ حاصل کرتے ، پہلے اس سے غبار کو جھاڑ دیتے ، جو قرون مظلم سے ہی ان کا جز بن گئی ہے اور اب بھی اس کی وجہ سے نفسیاتی کشمکش اور اعصابی تناؤ میں مبتلا ہیں''۔(۱)

اجتہاد کا میدان اور اس کے حدود

اجتہاد کا اصل میدان اور اس کے حدود کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

(۱) اجتماعی اجتہاد، ص:۲۰

”جدید طبقہ کے لوگ اجتہاد کی دعوت دیتے ہیں، خصوصاً عصری دانش گاہوں کے پرجوش، جذباتی نوجوان اور اسلامی ملکوں کے سربراہ، اس کی اس دعوت سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ ہر مسئلہ میں اجتہاد مطلق کی دعوت دے رہے ہوں وہ مغربی اقدار و قیم اور عصری پیمانوں کو جوں کا توں لینے پر مصر ہیں، گویا کہ زمانہ پہلے اسلامی دور کی طرح ہوگیا ہے، جب اسلام نیا نیا آیا تھا اور انسانی سوسائٹی مکمل طور پر انقلاب سے دوچار ہوگئی تھی اور گذشتہ دور میں فقہاء اور مجتہدین نے جو نتائج نکالے ہیں اور علم و تحقیق اور مطالعہ کے بعد جو اُصول انھوں نے اپنائے ہیں، وہ اپنی قیمت اور اہمیت کھو چکے ہیں اور اب موجودہ زمانہ اور قوموں کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں، اس میں زیادہ تر سطحیت، لاپرواہی، نام نہاد ترقی پسندانہ ادب کے پھیلائے ہوئے پروپیگنڈوں کا اثر ہے، اس ادب نے نوجوانوں کے سامنے زمانہ کی ایسی تصویر کھینچی ہے جیسے یہ دور بالکل نیا ہے اور گذشتہ زمانہ سے یہ دور کس طرح بھی ہم آہنگ نہیں، واقعہ یہ ہے کہ یہ تصویر تخیلات پر مبنی ہے اور اس میں ذرہ برابر حقیقت نہیں، واقعیت اور قطعیت سے زیادہ اس میں جذباتیت سے کام لیا گیا ہے“۔(۱)

اجتہاد و تقلید کے درمیان نقطۂ اعتدال

حضرت مولاناؒ ایک طرف اجتہاد کو زمانہ کی ضرورت سمجھتے تھے تو دوسری طرف تقلید کے باب

(۱) اجتماعی اجتہاد، ص:۲۲

میں عوام کو معذور سمجھتے تھے اور ان دونوں میں سے کسی پہلو میں غلو اور تشدد کو پسند نہیں فرماتے ، بلکہ اس سلسلہ میں آپ کا نقطہ نظر بڑا معتدل تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ایک طویل عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں :

''اس طرح شاہ صاحبؒ نے اجتہاد و تقلید کے درمیان وہ نقطۂ اعتدال اختیار کیا ہے جو مقاصد شریعت ، فطرتِ انسانی اور واقعات کی دنیا سے پورے طور پر مطابق ہے ، انھوں نے تقلید کے ساتھ یہ شرط لگا دی ہے کہ اس بارے میں ذہن صاف اور نیت درست ہو ، کہ مقصود صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور کتاب وسنت کی پیروی ہے اور یہ اس اعتماد پر ہے کہ ہم جس کو واسطہ بنا رہے ہیں وہ کتاب وسنت کا عالم اور شریعت اسلامی کا محض نمائندہ اور ترجمان ہے ، نیز یہ کہ ذہن اس کے لئے تیار ہے (خواہ اس کا موقع مدتوں میں آئے) کہ جب اس بات کا یقین پیدا ہو جائے کہ صورت حال اس سے مختلف ہے اور سنت سے ثابت حکم دوسرا ہے ، تو ایک صاحب ایمان کو دوسری شکل کے اختیار کرنے میں تأمل نہ ہوگا''۔(۱)

تقلید میں غلو اور انحراف پر نکیر

حضرت مولاناؒ جس طرح اجتہاد کے نام پر شریعت کے ساتھ کھلواڑ کرنے پر سخت نکیر فرماتے ، اسی طرح تقلید میں غلو اور انحراف کا بھی سختی سے نوٹس لیتے تھے ، تقلید کی جائز اور فطری شکل کی وضاحت کرنے کے بعد اس میں غلو اور تشدد کی نشاندہی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

(۱) اجتماعی اجتہاد ، ص: ۱۹

’’رفتہ رفتہ عوام میں جہالت نے اثر کیا اور کہیں ائمہ کی حیثیت وسائط اور وسائل کے بجائے مقصود اور ایک طرح سے شارع اور مطاع کی پیدا ہوگئی ، لوگوں کو ان مذاہب سے بالذات دلچسپی اور ان کی اس درجہ عصبیت پیدا ہوگئی کہ وہ کسی حال میں ان کے شوشہ یا نقطہ سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہ تھے، اس سلسلہ میں عوام تو زیادہ قابل الزام نہیں ہیں کہ انھوں نے ان مذاہب کو سنت کی پیروی سمجھ کر اختیار کیا تھا اور ان کے لئے ترجیح کے اسباب معلوم کرنا اور ان کے مطابق ترکِ مذہب یا ایک مذہب سے دوسرے کی طرف انتقال مشکل بھی تھا اور خطرناک بھی ، لیکن بہت سے علماء کی یہ حالت تھی کہ ان کو اگر اپنے امام یا مذہب کے کسی مسئلہ کا حدیث وسنت کے خلاف ہونا ثابت ہو جائے اور اس کا قطعی علم حاصل ہو جائے کہ اس مسئلہ میں اپنے امام کا مسئلہ مرجوح اور دوسرے امام کا مسئلہ راجح اور حدیث وسنت کے مطابق ہے اور اپنے مذہب اور عمل کے خلاف کیسی ہی صحیح وصریح احادیث ملیں تب بھی وہ اس مسئلہ کو ترک کرنے اور احادیث پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور ان کی طبیعت اس کے لئے منشرح نہیں ہوتی‘‘ ۔(۱)

---

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت :۲/ ۳۳۷

مولانا شہاب الدین ندویؒ

پیدائش اور تعلیم

مولانا شہاب الدین ندویؒ کی پیدائش یکم رجب ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۲/نومبر ۱۹۳۱ء میں بنگلور کے مضافات ''چک بانا ور'' کے ایک دینی گھرانے میں ہوئی، آپ کا تعلق شیوخ خاندان سے ہے، اور آپ کے ایک جداعلیٰ محمد حیات جمعدار شیر میسور ٹیپو سلطان شہیدؒ کے ایک اعلیٰ فوجی افسر تھے۔(۱)

ابتدائی تعلیم کے بعد اسکول کی تعلیم معمولی اُردو اور انگریزی تک محدود تھی، آپ کے والد تجارت پیشہ تھے اس لئے ابتدائی تعلیم کے بعد ہی آپ کو تجارت میں لگادیا گیا، مگر گھر میں دینی ماحول کی بناء پر دینی کتابوں کے مطالعہ کا شوق تھا، اور نئی نئی کتابیں بھی اکثر آتی رہتی تھیں، اس طرح ۱۹۵۲ء تک آپ تجارت کے ساتھ دینی کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہے، مگر اس درمیان ایک کتاب نے ان کی زندگی میں انقلاب برپا کردیا، اور بقول مولانا :

> ''اس دوران ایک ایسی کتاب ہاتھ لگی جس نے میری زندگی کا رُخ ہی بدل دیا اور مجھے سنجیدہ علمی تحقیق پر آمادہ کر کے قرآن عظیم کے سر بمہر خزانے کو کھول کر اسے وقف عام کرنے کی راہ دکھائی''۔(۲)

یہ کتاب ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی ''دو قرآن'' تھی، جس میں مؤلف نے قرآن کو ایک خالص سائنس کی کتاب قرار دے کر اسلامی شریعت کا پورا انکار کردیا تھا۔(۳)

---

(۱) میری علمی زندگی کی داستانِ عبرت، ص:۱۵۵ (۲) حوالہ سابق، ص:۲۸ (۳) حوالہ سابق، ص:۲۹

دارالعلوم ندوۃ العلماء کی علمی فضاء میں

اس کتاب نے آپ کے ذہن ودماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، چنانچہ آپ نے اُردو تفاسیر خرید کر اس کا مطالعہ شروع کیا، مگر جب دو سال کی محنت کے باوجود اس سلسلے میں کوئی کامیابی نہیں ملی تو آپ نے بعض اصحاب کے مشورے سے ۱۹۵۶ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کی راہ لی، یہاں آپ نے ایک طرف عربی میں مہارت پیدا کی تو دوسری طرف تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم کی تحصیل میں پورے شوق وانہماک کے ساتھ مشغول رہے، اس طرح چند سالوں میں اسلامی علوم میں بصیرت پیدا کر کے ۱۹۶۲ء میں سندِ فراغت حاصل کی۔(۱)

جدید علوم کی تحصیل

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں دینی علوم کے ساتھ آپ نے انگریزی اور سائنس کے مبادیات سے بھی شدبد حاصل کر لی تھی، چنانچہ دارالعلوم سے فراغت کے بعد آپ کو انگریزی اور سائنس کی مزید تعلیم حاصل کرنے کا شوق دامن گیر ہوا، مگر اس عمر میں کسی کالج میں داخلہ ممکن نہیں تھا، اس لئے ذاتی مطالعہ کے ذریعہ ایک طرف انگریزی کی استعداد بڑھانی شروع کی تو دوسری طرف سائنسی علوم کی مختلف کتابیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پڑھنے لگے، اور انتہائی ذوق وشوق کے ساتھ ان کے مطالعہ میں مصروف رہے، اس طرح چند سالوں کی جہد مسلسل کے بعد آپ نے طبعیات (فزکس)، کیمیا (کیمسٹری)، حیاتیات (بیالوجی) اور فلکیات (اسٹرانومی) کے بہت سے مسائل ومباحث سے واقفیت حاصل کر لی، پھر ان میں بھی سب سے زیادہ مطالعہ علم نباتات (باٹنی) کا کیا۔

فرقانیہ اکیڈمی کا قیام

ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد تقریباً ۱۹۶۹ء تک قرآن کو سائنسی نقطہ نظر سے اور سائنس کو قرآنی نقطہ نظر سے جانچنے اور "قرآن اور کائنات" کی حقیقت اور ان دونوں کے درمیان ربط

(۱) قرآن کا فلسفہ کائنات (مصنف کا سوانحی خاکہ)، ص:۷

وتعلق کی کڑیاں دریافت کرنے کی راہ میں رات و دن غلطاں و پیچاں رہے، اس دوران جولائی ۱۹۶۹ء میں دو امریکی خلابازوں کے ذریعہ چاند پر پہنچنے کا واقعہ پیش آیا تو علمی و دینی حلقوں میں ایک کھلبلی سی مچ گئی، اس موقع پر مولانا نے مطالعہ اور غور و فکر کی گمنامی سے باہر آکر قلمی میدان میں قدم رکھا اور قرآن حکیم کے ابدی حقائق کی روشنی میں اس واقعہ کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے اس مسئلہ کے متعدد علمی پہلوؤں پر مضامین لکھنا شروع کیا، جو ہفت روزہ ''صدق جدید'' لکھنؤ اور ماہنامہ ''برہان'' دہلی میں شائع ہونے لگے، پھر ان ہی مضامین کا ایک مجموعہ ''چاند کی تسخیر قرآن کی نظر میں'' کے نام سے ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا، جس کے مقدمہ میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اسے ایک ''ایمان افروز'' کتاب قرار دیا۔(۱)

اس کتاب کی اشاعت کے ساتھ ہی ۱۹۷۰ء میں شہر بنگلور میں آپ کے ہاتھوں ''فرقانیہ اکیڈمی'' کا قیام عمل میں آیا، قرآنی علوم و معارف کی اشاعت کے لئے قائم اس تحقیقی و تصنیفی مرکز کی تاسیس ارشاد ربانی ''هدى للناس و بينات من الهدى و الفرقان'' (یہ قرآن تمام لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت کے واضح دلائل موجود ہیں، جو حق و باطل میں فرق کرنے کی کسوٹی ہیں) کی علمی اثبات پر رکھی گئی۔(۲)

مولانا نے جس مقصد کے خاطر اس اکیڈمی کی بنیاد ڈالی تھی اس اعتبار سے یہ کوشش پوری طرح کامیاب رہی، مولانا کی جملہ تصنیفات بشمول کلامی و فقہی جس کی تعداد سو سے زیادہ ہے، یہیں سے شائع ہوکر اہلِ علم کے ہاتھوں تک پہنچیں، اس کے علاوہ اکیڈمی کے تحت مولانا نے ایک عظیم الشان لائبریری قائم کی، جہاں دینی و عصری دونوں علوم سے متعلق تقریباً چالیس ہزار سے زیادہ کتابیں ہیں، خصوصاً قرآنیات اور جدید مسائل و موضوعات پر جو منتخب کتابیں اس میں موجود ہیں، وہ ہندوستان کی شاید ہی کسی لائبریری میں ہوں۔

---

(۱) میری علمی زندگی کی داستانِ عبرت، ص:۳۰-۳۱ (۲) قرآن کا فلسفہ کائنات (مصنف کا سوانحی خاکہ)، ص:۹

''تعمیر فکر'' اور ''ندائے فرقان'' کا اجراء

فرقانیہ اکیڈمی کے اغراض و مقاصد کی تشہیر اور علمی حلقوں میں ''قرآن و سائنس''، ''جدید علم کلام کی تدوین'' اور ''قرآن کے سائنسی معجزہ'' سے متعلق اپنے افکار و نظریات کو فروغ دینے کے لئے مولانا نے ۱۹۷۲ء میں ''تعمیر فکر'' کے نام سے ایک ... شروع کیا، اس رسالہ کے اکثر مضامین اور اداریئے آپ خود لکھا کرتے تھے، اس وقت ... شمار ریاستِ کرناٹک کے ممتاز علمی رسائل میں ہوتا تھا، لیکن ڈھائی سال تک علوم و معار... ...یاء پاشی کے بعد یہ رسالہ مسلمانوں کی روایتی ناقدری کا شکار ہو گیا، اس کے کچھ عرصہ بعد ... نے خالص قرآنیات کے موضوع پر تحقیق کے لئے ''ندائے فرقان'' کے نام سے سہ ماہی مجلّہ نکالنا شروع کیا، یہ مجلّہ علمی حلقوں میں بے حد مقبول ہوا اور ہندوستان کے تمام اہلِ علم و اہلِ قلم نے اس ... ۔(۱)

''دارالشریعہ'' کا قیام

ہندوستان جیسے ملک میں اسلامی شریعت یا مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کے سلسلے میں مولانا کی رائے یہی تھی کہ محض جلسے جلوسوں یا دستوری تحفظات حاصل کرنے سے یہ مقصد ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کے لئے علمی و عقلی میدان میں جدو جہد کر کے اسلامی شریعت کی خوبیوں اور ان کے عقلی محاسن کو سامنے لانا ضروری ہے، تاکہ فرقہ پرستوں کو اسلامی قوانین کے ''غیر عقلی'' ہونے کا بہانہ کر کے ان پر دست درازی کا کوئی بہانہ باقی نہ رہے، چنانچہ اسی مقصد کے تحت ۱۹۹۳ء میں اس اکیڈمی کے ماتحت اسلامی شریعت کی تحقیق کا ایک شعبہ ''دارالشریعہ'' کے نام سے کھولنے کا منصوبہ بنایا، تاکہ اس کے تحت چند افراد کو رکھ کر اسلامی قوانین کی معقولیت کے دلائل جمع کرائے جائیں، ۱۲/ستمبر ۱۹۹۳ء کو مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے ہاتھوں اس کا افتتاح ہوا۔(۲)

---

(۱) اسلام اور جدید مسائل پر تحقیقی کام اور فرقانیہ اکیڈمی کی خدمات کا ایک جائزہ، ص:۱۴

(۲) میری علمی زندگی کی داستانِ عبرت، ص:۷۶

دارالشریعہ کے قیام کے بعد مولانا نے اس علمی وتحقیقی کام کے لئے افراد کی تلاش شروع کی، باصلاحیت افراد کے لئے مختلف مدارس اور بعض چوٹی کے علماء کو خط لکھا مگر اس سلسلے میں کوئی کامیابی نہیں ملی، البتہ مولانا کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب مناسب افراد نہیں ملے تو آپ نے چند لوگوں کو اپنے پاس رکھ کر ان کی تربیت شروع کی، نیز اس کے تحت ''قرآن اور سائنس'' کے موضوع پر تحقیقی خطبات کا سلسلہ شروع کیا گیا، اور ''زکوۃ کے اجتماعی نظام'' کے موضوع پر ایک سمینار بھی منعقد ہوا۔(۱)

مولانا کا اصل کارنامہ

مولانا شہاب الدین ندویؒ کا خاص موضوع اسلام اور جدید مسائل تھا، اور خاص کر آپ کلامی مسائل اور قرآنی موضوعات پر زیادہ لکھتے تھے، یعنی وہ فکری اور نظریاتی مسائل جو مغربی فکر وفلسفہ کے تعلق سے دین ابدی پر اثر انداز ہوتے ہیں، اور مغربی فکر وفلسفہ سے متاثر ہو کر جو لوگ اسلام کی تعلیمات پر شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں، اور اسلامی نظام حیات کو کمتر یا ناقص ثابت کرنے کی غرض سے اعتراضات کرتے ہیں، مولانا نے اس کا معقول و مدلل جواب جدید علوم وفنون کی روشنی میں دیا ہے، اور مغربی فکر کی کمزوریوں کو آشکارا کرتے ہوئے اسلامی ضابطہ حیات کی معقولیت وبرتری ثابت کی ہے، اور اس اعتبار سے مولانا ایک کامیاب مصنف ومفکر اور بڑے محقق نظر آتے ہیں۔(۲)

اس طرح آپ نے ایک طرف عصر حاضر کے مادی والحادی افکار ونظریات کا مقابلہ کیا، بلکہ خود جدید سائنسی حقائق واکتشافات کی روشنی میں ان افکار ونظریات کا کھوکھلا پن ثابت کیا اور قرآنی نقطہ نظر سے سائنس اور فلسفہ سائنس سے بحث کرتے ہوئے ایک نئے فلسفہ ''قرآنی فلسفہ

---

(۱) میری علمی زندگی کی داستانِ عبرت، ص:۸۰

(۲) اسلام اور جدید مسائل پر تحقیقی کام اور فرقانیہ اکیڈمی کی خدمات کا ایک جائزہ، ص:۲۶

کائنات'' کی بنیاد رکھی اور اپنی تصانیف ومضامین کے ذریعہ مسلمانوں کو سائنسی علوم کے اسلامیانے پر اُبھارا تا کہ ان فطری وطبعی علوم کا رشتہ خالق کائنات سے دوبارہ استوار کیا جاسکے، تو دوسری طرف ان جدید الحادی افکار ونظریات کے توڑ کے لئے آپ نے جدید علم کلام کی طرف گراں قدر پیش قدمی فرمائی، آپ نے اپنی تصنیفات میں جا بجا اس علم کے خدوخال واضح کئے ہیں۔(۱)

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلامی تعلیمات کی حقانیت کو جدید سائنسی علوم کی روشنی میں ثابت کرنے، فلسفہ کائنات کی تدوین، سائنسی علوم کے اسلامیانے کا عمل اور جدید علم کلام کی تدوین کی طرف پیش قدمی کے تعلق سے آپ نے جو کوششیں کیں ہیں وہ واقعتاً بہت اہم اور تجدیدی نوعیت کی ہیں۔

مولانا کی ان عظیم کاوشوں کی تحسین ہندوستان کے اکثر اہلِ علم نے کی ہے، مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے مولانا کی محنت ولگن کو دیکھتے ہوئے فرقانیہ اکیڈمی کے پہلے جلسہ میں ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا کہ ''یورپ میں جو کام ایک اکیڈمی کرتی ہے وہ ہمارے یہاں ایک آدمی کرتا ہے،''(۲) اسی طرح آپ کے طرز تحقیق کے تعلق سے مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کا یہ جملہ سند کی حیثیت رکھتا ہے، مولانا کی کتاب ''قرآن حکیم اور علم نباتات'' پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

> ''وہ کتاب اللہ اور سنت نبوی کو سائنس کی ترازو میں نہیں
> تولتے بلکہ کتاب وسنت کی روشنی میں ان فنون کا مطالعہ کرتے
> ہیں۔''(۳)

مذکورہ بالا موضوعات پر آپ کی تقریباً چالیس کتابیں ہیں، جن میں چند اس طرح ہیں:

---

(۱) قرآن کا فلسفہ کائنات (مصنف کا سوانحی خاکہ)، ص:۱۲

(۲) اسلام اور جدید مسائل پر تحقیقی کام اور فرقانیہ اکیڈمی کی خدمات کا ایک جائزہ، ص:۲۶

(۳) تعمیر حیات: ۲۵/نومبر/۱۹۹۱ء

۱) قرآن حکیم اور علم بناتات ۲) تخلیق آدم اور نظریہ ارتقاء

۳) قرآن مجید اور دنیائے حیات ۴) چاند کی تسخیر قرآن کی نظر میں

۵) اسلام اور جدید سائنس ۶) جدید علم کلام

۷) قرآن اور نظام فطرت ۸) قرآن کا نظام دلائل

۹) قرآن کا نظریہ علم ۱۰) اسرار نبوت

شرعی مسائل پر تحقیقی کام

مولانا شہاب الدین ندویؒ نے فرقانیہ اکیڈمی کے تحقیقی کاموں کا دائرہ عمل جدید علمی وکلامی مسائل تک محدود رکھا تھا، ۱۹۹۵ء سے قبل ان ہی موضوعات سے متعلق آپ کی ساری علمی و تحقیقی کاوشیں منظر عام پر آئیں، مگر ۱۹۸۵ء میں شاہ بانو کیس کے واقعہ کی وجہ سے اکیڈمی نے ایک نیا موڑ لیا، جس کے نتیجہ میں مولانا نے فکری وکلامی مسائل کے ساتھ دینی وشرعی اور فقہی مسائل وموضوعات پر بھی کام کرنا شروع کیا۔

شرعی مسائل پر تحقیق کے تعلق سے آپ کے نقطہ نظر اور منہج کی وضاحت کرتے ہوئے آپ کے صاحب زادے مولانا سعید الرحمٰن ندوی تحریر فرماتے ہیں :

> ''عقل کا مقابلہ عقل سے اور منطق کا مقابلہ منطق سے کیا جائے اس کے لئے اسلامی احکام کے مجموعے اب نئے انداز میں تیار کرنے ہوں گے اور ہر بات کے لئے ثبوت کے طور پر عقلی دلائل پیش کرنے ہوں گے، اب ان مخالفانہ تحریکوں کے مقابلہ کا بس ایک ہی طریقہ رہ گیا ہے، کہ ہم اپنے دینی وشرعی تمام احکام ومسائل کی معقولیت عقلی و منطقی بنیادوں پر ثابت کردیں تاکہ پھر کسی کے لئے عقل و منطق کی بنیاد پر اسلامی

شریعت کے خلاف آواز اٹھانے اور اس پر دقیانوسیت کی پھبتی کسنے کی گنجائش باقی نہ رہے‘‘۔(۱)

شرعی و معاشرتی موضوعات سے متعلق آپ کی ایک درجن سے زائد تصنیفات ہیں، ان سب میں مولانا کا یہی انداز اور طرز فکر دائر رہا ہے، شرعی مسائل میں بطور خاص مولانا نے معاشرتی مسائل اور زکوٰۃ کے اجتماعی نظام پر کام کیا ہے، اول الذکر موضوع سے متعلق آپ کی ۱۳ تصنیفات ہیں، جب کہ ثانی الذکر موضوع سے متعلق ۷ کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔

مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی آپ کے علمی فضل و کمالات پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں :

’’مولانا واقعی علامہ تھے، حضرت مولانا عبد الباری ندوی کے بعد ایسا عالم نظر نہیں آیا جس کی نگاہ میں علم حدیث، علم فقہ، اصولِ فقہ، منطق و فلسفہ کے ساتھ علوم عصریہ کا پورا ذخیرہ ہو، قرآن مجید کے علمی اعجاز پر ان کے کارنامے آئندہ نسلوں کے لئے منارۂ نور ثابت ہوں گے‘‘۔(۲)

اسی طرح دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی صاحب آپ کی کتابوں سے متعلق تحریر فرماتے ہیں :

’’اللہ تعالیٰ نے مولانا سے کم وقت میں بہت قیمتی کام لیا، آپ نے اسلامی کتب خانہ کو ایسی معتبر اور نادر تصنیفات سے مالا مال کردیا جو اور کسی اسکالر کے حصہ میں دور حاضر کے اس عہد میں نہیں آیا‘‘۔(۳)

---

(۱) اسلام اور جدید مسائل پر تحقیقی کام اور فرقانیہ اکیڈمی کی خدمات کا ایک جائزہ، ص:۸۱

(۲) قرآن کا فلسفہ کائنات (مصنف کا سوانحی خاکہ)، ص:۱۸

(۳) حوالہ سابق، ص:۱۹

شرعی و معاشرتی مسائل کے موضوع پر آپ کی کتابیں اس طرح ہیں :

(۱) اسلام کا قانون نکاح (۲) اسلام کا قانون طلاق

(۳) تین طلاق کا ثبوت (۴) اسلام میں زکوٰۃ کا نظام

(۵) تعدد ازدواج پر ایک نظر (۶) زکوٰۃ کے مستحق کون؟ (دو جلدوں میں)

(۷) کیا علماء کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟ (۸) جہیز ایک غیر اسلامی تصور

(۹) نکاح کتنا آسان کتنا مشکل (۱۰) بیع مرابحہ اور اسلامی بنک کاری

(۱۱) جہیز خلافِ شریعت کیوں (۱۲) زکوٰۃ اور مصالح عامہ

(۱۳) زکوۃ کے اجتماعی نظام کی اہمیت (۱۴) زکوۃ کے آٹھ مصارف اور فی سبیل اللہ

(۱۵) شریعتِ اسلامیہ کی جنگ نفقہ مطلقہ کی روشنی میں

(۱۶) رؤیت ہلال کے لئے فلکیاتی حساب معتبر ہے یا نہیں؟

(۱۷) سپریم کورٹ کا فیصلہ حقائق و واقعات کی روشنی میں

اس طرح کلامیات اور شرعی و معاشرتی مسائل سے متعلق آپ نے سو سے زیادہ علمی و تحقیقی کتابیں تصنیف فرمائی، ان میں سے بعض کے عربی و انگریزی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور بعض کتابیں ہندوستان کے علاوہ سعودی عرب اور پاکستان سے بھی شائع ہوئی ہیں۔

اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ مولانا موصوف کی بعض فقہی آراء جمہور کے نقطۂ نظر کے خلاف ہے خاص کر مصارف زکوۃ اور اس میں سے فی سبیل اللہ کی توضیح کے سلسلہ میں ان کی رائے ائمہ اربعہ اور علماء ہند سے مختلف ہے۔

وفات

تقریباً نصف صدی تک علمی و تحقیقی کاموں میں مستغرق رہنے اور دنیاء علم کو جدید حالات، ان کے تقاضوں سے واقف کرتے ہوئے اور مخالفین اسلام سے علمی و فکری محاذوں پر جنگ کی

تدبیریں کرتے ہوئے اور نوجوان اہلِ علم وصاحب قلم حضرات کو اس عظیم مشن کے لئے مہمیز کرتے ہوئے ۴/صفر ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۸/اپریل ۲۰۰۱ء بروز جمعرات کو بنگلور ہی میں ابدی نیند سو گئے، گونا گوں امراض وتکالیف میں مبتلا رہنے کے باوجود آخری وقت تک قلم اس مردِ مجاہد کے ہاتھ میں رہا، اور انتقال سے عین قبل حیات کی آخری ساعتوں میں اپنی خودنوشت سوانح مکمل فرمائی اور یہ کہتے ہوئے رختِ سفر باندھا کہ ؎

ساغر کو میرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

مولانا مجیب اللہ ندوی

دارالمصنفین کے علمی گہوارہ سے اور سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے فیاض ہاتھوں اور ان کی فیض صحبت سے اصحاب قلم وقرطاس کی ایک بڑی جماعت تیار ہوئی تھی، جو بعد میں آسمان علم کے ماہتاب وآفتاب اور اپنے اپنے فن کے درخشاں ستارے ثابت ہوئے، اس اخوان الصفا اور بزم شبلی وسلیمانی کے مہر وماہ اب بھی دنیائے علم کے اُفق پر گاہے گاہے چمکتے نظر آتے ہیں، ان ہی سیارگان علم ومعرفت میں ایک اہم نام حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی مدظلہ کا بھی ہے۔

پیدائش اور ابتدائی تعلیم

غازی پور ضلع کے ایک گاؤں کسمی خورد کے ایک دین دار گھرانے میں ۴/ جنوری ۱۹۱۸ء کو آپ کی پیدائش ہوئی، والد محترم جناب شیخ حبیب اللہ صاحب مرحوم پولیس ڈپارٹمنٹ کے ملازم اور صوم وصلاۃ کے پابند تھے، اخیر عمر میں فریضہ حج کی سعادت بھی پائی تھی۔

ابتدائی تعلیم گھر پر شروع ہوئی، پھر اسکول میں داخل ہوئے، آپ کے والد چوں کہ پولیس کے دیوان اور پھر نائب داروغہ کے منصب پر تھے، جس کی وجہ اکثر وبیشتر ان کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا اور اس طرح مولانا کی تعلیمی زندگی بھی مختلف مکاتب، اسکول اور مدارس میں دائر رہی اور مختلف جگہوں کی تبدیلی کی وجہ سے کافی تاخیر سے ۱۹۳۵ء میں بہار کے ایک علاقہ اکھنی میں حافظ عبدالعزیز صاحب کے پاس حفظ قرآن مکمل کیا۔(۱)

---

(۱) دینی مدارس اور اس کی ذمہ داریاں، ص: ۶۳

ثانوی تعلیم کا آغاز

حفظ قرآن کی تکمیل کے بعد اگست ۱۹۳۵ء میں عربی تعلیم کے لئے مدرسہ مظہر اسلام بنارس میں داخلہ لیا اور صرف ابتداء کے چار مہینوں میں فارسی کی پہلی سے گلستاں و بوستاں کی ساری کتابیں ختم کرلیں اور بعد رمضان عربی کے اسباق شروع ہوئے، یہاں آپ نے مولانا عمر صاحب مرحوم، مولانا کوثر ندوی مرحوم اور مولانا سعید صاحب مرحوم وغیرہ سے مختلف فنون کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، اسی زمانہ میں مولانا کوثر ندویؒ کے ذریعہ علامہ شبلی اور علامہ سید سلیمان ندوی سے آشنائی ہوئی، پھر عربی درسیات کے ساتھ مطالعہ کی طرف رغبت پڑھی اور علامہ شبلیؒ کی ''موازنہ انیس و دبیر''، ''سیرۃ النبی'' اور ''خطبات مدراس'' کا مطالعہ کیا، اس کے علاوہ علامہ اقبال کے کلام کا مجموعہ بانگ درا اور شکوہ جواب شکوہ کو زبانی یاد کیا، جس کے نتیجہ میں ہر فن سے شد بد ہوگئی۔ (۱)

ندوۃ العلماء کی علمی فضاء میں

مدرسہ مظہر اسلام بنارس میں ہی دار العلوم ندوۃ العلماء سے واقفیت ہوئی اور پھر اس عظیم الشان ادارہ میں تعلیم حاصل کرنے کی اُمنگیں دل میں کروٹ لینے لگیں، چنانچہ اکتوبر ۱۹۳۹ء میں لکھنؤ کا سفر کیا، یہ رمضان کا مہینہ تھا، بڑی صعوبتوں کے ساتھ بقیہ ایام گذارے، پھر ۱۵/ شوال کو ندوۃ العلماء میں داخلہ ہوا، اور پھر یہیں سے اپنی سنہری زندگی کا آغاز کیا، اس وقت دار العلوم میں بڑے بڑے اساتذہ اور ماہرین فن موجود تھے، جن سے آپ نے اکتساب فیض کیا، اس استفادہ کا ذکر کرتے ہوئے خود رقمطراز ہیں :

> ''علمی اعتبار سے سب سے زیادہ فائدہ راقم الحروف کو مولانا شبلی
> فقیہ مرحوم، شاہ حلیم عطا مرحوم اور مولانا ناظم ندوی مرحوم سے پہنچا
> اور عملی زندگی میں سب سے زیادہ اثر مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ

---

(۱) دینی مدارس اور اس کی ذمہ داریاں، ص: ۶۳-۶۴

کا پڑا، مولانا شاہ حلیم عطاء صاحب علم کا پہاڑ تھے، ان کو حدیث
وتاریخ کی صفحہ عبارتیں زبانی یاد تھیں، ان کی صحبت میں رہ
کر ندوہ کے کتب خانہ کی ہر فن کی امہات الکتب سے واقف
ہوگیا تھا، اس علم بالفہرست سے جس پر مولانا بہت زور دیا
کرتے تھے یہ فائدہ ہوا کہ دارالمصنفین آیا تو میرے لئے
یہاں کا کتب خانہ جانا پہچانا محسوس ہوا''۔(۱)

اس دانش کدہ علم وعرفاں سے آپ نے تقریباً پانچ سالوں تک خوشہ چینی کی اور اپنے دامن کو علم ومعرفت کے پھولوں سے بھرتے رہے، پھر ۱۹۴۴ء میں فضیلت کی تعلیم مکمل اور سند فراغت حاصل کیا، اس مدت میں آپ نے وسعت مطالعہ اور علمی گیرائی کے ساتھ قلم وقرطاس کے گوہر سے بھی آراستہ ہوئے، اسی زمانہ میں غزوہ موتہ کے بارے میں ایک مضمون لکھا تھا، جس کی مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے بڑی تحسین فرمائی اور پھر رسالہ برہان میں چھپنے کے لئے بھیج دیا۔(۲)

دارالمصنفین میں سید صاحبؒ سے خصوصی استفادہ

مولانا ابھی دارالعلوم میں زیر تعلیم ہی تھے اور امتحان کے دو پرچے بھی باقی تھے کہ سید صاحب کا گرامی نامہ موصول ہوا کہ ''امتحان کے بعد تم سیدھے دارالمصنفین آجاؤ، تم ہمیں قرآن سناؤ اور میں تمہیں قرآن پڑھاؤں''، (۳) اس لئے امتحان کے بعد حسب حکم ۱۴/ نومبر ۱۹۴۴ء کو دارالمصنفین چلے آئے اور پھر ۱۹۶۶ء تک اس میکدہ شبلی سے وابستہ رہے، یہاں سید صاحب کا انداز تربیت نرالا تھا، اصل مراجع سے استفادہ کے ساتھ مختلف فنون سے حوالے تلاش کرواتے، پھر ان کے مطالب بھی پوچھتے اور بعد میں اس کی وضاحت فرماتے، اسی طرح مختلف موضوعات پر مضامین لکھواتے اور اس کے نوک وپلک درست کر کے قلم پکڑنے کا ہنر سکھاتے۔

---

(۱) دینی مدارس اور اس کی ذمہ داریاں، ص:۷۰ (۲) حوالہ سابق، ص:۷۱ (۳) حوالہ سابق، ص:۷۳

شروع میں آپ نے سید صاحب سے ''مسلم الثبوت'' اُصولِ فقہ میں اور اس کے علاوہ کچھ اور کتابیں بھی پڑھیں، پھر سید صاحب کے مشورے سے مطالعہ کے ذریعہ علمی و قلمی استعداد کو مضبوط کرتے رہے، لیکن اصل چیز جو سید صاحب سے حاصل ہوئی وہ قلمی لیاقت تھی، سید صاحب کے فیض صحبت سے نہ صرف قلم پکڑنا سیکھا بلکہ اس میں بڑی جلاء ملی اور ان ہی کی کیمیاء اثر نظر کا نتیجہ تھا کہ دارالمصنفین کے دور قیام میں ہی آپ کی تین ضخیم کتابیں منظر عام پر آ گئیں اور معارف کے صفحات میں درجنوں مضامین لکھے۔ (۱)

جامعۃ الرشاد کا قیام اور افتاء و قضاء کی ذمہ داری

۷/مارچ ۱۹۶۲ء میں آپ نے اعظم گڑھ شہر میں ایک مرکزی دینی ادارہ جامعۃ الرشاد قائم کیا اور پھر اپنی شبانہ روز محنت اور حوصلہ و لگن سے جلد ہی اسے ترقی کی بلندی تک پہنچادیا، فی الحال یہ جامعہ مختلف شعبہ جات پر مشتمل ہے، جس میں عالیہ تک کی عربی تعلیم ہوتی ہے، لڑکیوں کی مکمل تعلیم کا مستقل نظم ہے، پرائمری اور سکنڈری اسکول بھی قائم ہیں، مولانا مدظلہ اسی جامعہ کے ناظم و ذمہ دار ہیں اور یہیں سے آپ کا علمی قافلہ اور تصنیفی کارواں آگے بڑھتا رہتا ہے۔

جامعہ کے قیام کے بعد آپ نے اس کے زیر اہتمام دارالافتاء اور دارالقضاء قائم کیا اور ابتدائی پندرہ سالوں تک مفتی و قاضی کی ساری ذمہ داری خود ہی ادا کرتے رہے۔

علمی خدمات

آپ کو شروع سے ہی لکھنے کا خاص ذوق ملا ہے، جس کا ظہور زمانہ طالب علمی میں ہی ہو چکا تھا، پھر بعد فراغت دارالمصنفین جیسا علمی ادارہ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ جیسا خضر راہ اور رہبر کامل ملا، جس سے آپ کی خوابیدہ صلاحیتوں میں بڑا نکھار پیدا ہوا اور قلم رواں ہوگیا، جس کا اعتراف بہت سے اہل علم و دانش کر چکے ہیں۔

---

(۱) دینی مدارس اور اس کی ذمہ داریاں، ص: ۷۷

اب تک آپ کے قلم سے پچیس سے زائد کتابیں منظر عام پر آ کر خراج تحسین وصول کر چکی ہیں، ان کتابوں کا بڑا حصہ فقہی موضوعات سے متعلق ہیں، جس میں سر فہرست اسلامی فقہ ہے، جو تین جلدوں پر مشتمل ہے اور جو اپنی وسعت، فقہی جزئیات اور شرعی مسائل کے اعتبار سے علم فقہ کا انسائیکلوپیڈیا ہے، اس کے علاوہ علمی و فقہی مقالات و مضامین بھی بڑی تعداد میں ہیں جو معارف اور دیگر علمی رسالوں میں محفوظ ہیں۔

فقہ میں آپ کا مقام ومرتبہ

فقہ کے میدان میں آپ کا مقام بہت بلند ہے، اس فن پر نہ صرف پوری دسترس حاصل ہے بلکہ اس کی کلیات و جزئیات پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں، فقہی موضوعات پر آپ نے جو گراں قدر کارنامہ انجام دیا ہے، اس میں فقہی بصیرت کے ساتھ آپ کی محققانہ ومجتہدانہ شان بھی نمایاں ہے۔

آپ کے لکھنے کا انداز بڑا پیارا ہوتا ہے، اُسلوب اتنا سلجھا اور آسان اختیار کرتے ہیں کہ ہر شخص آسانی کے ساتھ اس کو سمجھ سکے، پھر خالص فقہی اصطلاحات کو بھی آپ آسان اُردو میں منتقل کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے قاری کے لئے بڑی سہولت فراہم ہو جاتی ہے۔

آپ ان ہی مسائل کو اپنی تحقیق کا موضوع بناتے ہیں جو وقت کی اہم ترین ضرورت ہوتی ہے، پھر اس تقاضہ کو اپنے قلمی جوہر سے دو آتشہ بنا دیتے ہیں، اس لئے آپ کی ساری تصنیفات ارباب فن اور اکابر علماء سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں، آپ کی ایک اہم تصنیف ''اجتہاد اور تبدیلی احکام'' جب اہل شوق کے ہاتھوں میں پہنچی تو عالم اسلام کی مایہ ناز ہستی مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندویؒ نے فرمایا تھا کہ ''پورے ندوہ کی طرف سے آپ فرض کفایہ ادا کر رہے ہیں''۔(۱)

اسی طرح مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے یہ کہہ کر مبارک بادی پیش کی کہ ''پوری اُمت کی طرف سے آپ فرص کفایہ ادا کر رہے ہیں''۔(۲)

---

(۱) اجتہاد اور تبدیلی احکام مقدمہ، ص:۸ (۲) حوالہ سابق

آپ کی دوسری کتاب ''اسلام کے بین الاقوامی اُصول وتصورات'' پر مقدمہ لکھتے ہوئے مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور کے ڈائرکٹر جناب سید محمد متین ہاشمی صاحب لکھتے ہیں :

''مولانا کی تحریر میں سب سے بڑی خوبی سلاست اور روانی کے ساتھ اور جبلیٹی (Originality) اور اہم ترین موضوعات پر تحقیق ہے، مولانا موصوف گھسے پٹے موضوعات پر نہیں چلتے، بلکہ ہمیشہ ایسے موضوعات پر قدم اُٹھاتے ہیں جس پر دور حاضر کے کسی محقق کی نظر نہ گئی ہو اس طرح تحقیق کا نیا باب وا ہوتا ہے اور نئی نسل کے اسکالرز کو کام کرنے کے مواقع میسر ہوتے ہیں اور ان کے جذبہ کو مہمیز ملتی ہے''۔(۱)

آگے مولانا کی مجتہدانہ شان کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

''اس مقالہ کے بارے میں اگر میں یہ کہوں تو حق بجانب ہوں گا کہ اس کی حیثیت مجتہدانہ ہے، یعنی ہمارے دینی لٹریچر میں ایک نئے، شعبے کا آغاز ہے، بین الاقوامی تعلقات کے موضوع پر کوئی کتاب کم از کم میری نظر سے نہیں گذری، یہ کتاب یقیناً وحتماً اُردو میں پہلی کتاب ہے''۔(۲)

چند تحقیقی مسائل

مولانا نے فقہ کے جدید وقدیم ہر طرح کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور خوب دل کھول کر لکھا ہے، اس تحقیق میں فقہ کے بنیادی ماٰخذ، فقہاء کے دلائل اور زمانہ کے عرف وعادت اور مصالح سب کو سامنے رکھ کر کوئی رائے قائم کرتے ہیں، اس کی وجہ سے متعدد مسائل میں فقہاء متاخرین سے

---

(۱) اسلام کے بین الاقوامی اُصول وتصورات (مقدمہ)، ص:۳ (۲) حوالہ سابق، ص:۶

اختلاف بھی کیا ہے اور بسا اوقات ائمہ ثلاثہ کے کسی مرجوح قول کو دلائل کی روشنی میں راجح بھی قرار دیا ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ جہاں جہاں آپ نے فقہاء کے مسالک میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے یا کسی مسئلہ میں اپنی رائے الگ قائم کی ہے، وہاں یہ ضرور صراحت کردیا ہے کہ ''یہ میری رائے ہے، جو مذکورہ دلائل پر مبنی ہے، اگر کسی کو میری رائے سے اختلاف ہو تو ضرور اپنے دلائل لکھ کر بھیجیں، میں اپنی رائے سے رجوع کرنے میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی نہیں کروں گا''۔(۱)

ذیل میں مولانا کی بعض تحقیقات مع دلائل پیش کی جاتی ہیں جو مولانا کی فقہی مہارت اور فقیہانہ بصیرت کو سمجھنے کے لئے کافی ہوں گی۔

روزہ کی حالت میں نس میں انجکشن

روزہ کی حالت میں انجکشن لینے کے بارے میں عام علماء کی رائے یہ کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، فقہاء اس کی دلیل یہ ذکر کرتے ہیں کہ شریعت میں فم اور فرج کے ذریعہ ہی دوا یا غذا کا دماغ اور معدہ تک پہنچنے کا ذکر ہے، جبکہ انجکشن گوشت یا نس میں لگایا جاتا ہے۔

اس مسئلہ میں مولانا کی تحقیق یہ ہے کہ روزہ کی حالت میں اگر نس میں انجکشن لگایا جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں :

> ''امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دماغ یا پیٹ کے گہرے زخموں میں کوئی سیال دوا ڈال دی جائے اور وہ اس کے دماغ یا معدہ تک پہنچ جائے اور ظاہر ہے کہ کوئی سیال دوا ہی پہنچ سکتی ہے، تو یہ مفسد صوم ہے، اس کے برخلاف اگر خشک دوا لگائی جائے تو مفسد صوم نہیں ہے، صاحبینؒ اس کو مفسد صوم اس لئے نہیں سمجھتے

---

(۱) اسلامی فقہ دوم (حاشیہ)، ص:۳۴۸

کہ اس کا دماغ اور معدہ تک پہنچنے کا یقین نہیں —— گویا ائمہ ثلاثہ کے درمیان اختلاف اس میں نہیں ہے کہ فم وفرج کے علاوہ دوا پہنچنے سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟ بلکہ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ سیال دوا کے پہنچنے کا غالب گمان ہے، اس لئے مفسد صوم ہے اور صاحبین فرماتے ہیں کہ چونکہ پہنچنا یقینی نہیں ہے اس لئے روزہ کو فاسد قرار دینا صحیح نہیں ہے، لیکن اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ فم وفرج کے علاوہ کبھی کسی اور ذریعہ سے دوا یا غذا دماغ اور معدہ تک پہنچنے کا گمان غالب ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اس وقت صاحبین کی رائے بھی یہی سمجھی جائے گی —— اس جزئیہ کی روشنی میں اب انجکشن کے مسئلہ پر غور کریں تو یہ بات بالکل عیاں ہو جائے گی کہ انجکشن کے ذریعہ دوا یا غذا کا پہنچنا ایک مسلم امر ہے، پھر اس وقت تو ایسے ایسے انجکشن تیار ہو گئے ہیں کہ آدمی اس کے ذریعہ پوری غذائیت حاصل کرسکتا ہے، راقم الحروف کے خیال میں جو انجکشن میسکولر یعنی گوشت میں لگتا ہے اس سے تو روزہ فاسد نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ وہ براہِ راست معدہ یا دماغ تک نہیں پہنچتا، مگر جو انٹروینس یعنی نسوں میں لگتا ہے، وہ تو براہِ راست دماغ اور معدہ تک پہنچتا ہے، شریعت کے بے شمار مسائل کا دار ومدار گمان غالب پر ہے، اس لئے یہاں گمان غالب سے بھی آگے ایک تجربہ اور مشاہدہ موجود ہے، اس لئے علماء کو اس مسئلہ

پرنظرثانی ضرور کرنی چاہئے''۔(۱)

جدید آلات سے چاند کی رویت

مطلع غبار آلود ہونے کی صورت میں دوربین یا ہوائی جہاز سے اڑکر چاند نظر آجائے تو رویت ثابت ہوجائے گی ، بشرطیکہ جس ڈگری پر عام طور سے رویت ہوتی ہے اس کے مطابق اونچائی سے دیکھا ہو، مولانا تحریر فرماتے ہیں :

> ''اگر مطلع غبار آلود یا بدلی ہو یا ایسا شہر ہو جہاں دس منزلہ اور بیس منزلہ مکان ہی مکان ہو، تو وہاں اگر دوربین سے یا ہوائی جہاز سے چاند دیکھنے کی کوشش کی جائے ،تو کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس کا انتظام اسلامی حکومت کرے ، یا باقاعدہ قابل اعتماد آدمی کرے —— ان نئے آلات کے ذریعہ آئی ہوئی چیز یا شہادت سے زیادہ درجہ کا گمان ہوجاتا ہے ، لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ جس ڈگری پر عام طور پر وہاں چاند کی رویت ہوتی ہواس سے زیادہ اونچائی سے نہ دیکھا گیا ہو''۔(۲)

جہاں رات اور دن غیر طویل معمولی ہوتے ہیں

دنیا میں بعض علاقے ایسے بھی ہیں جہاں رات اور دن غیر معمولی طویل ہوتے ہیں اور کہیں تو چھ مہینے کے دن اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں مولانا مدظلہ کی رائے یہ ہے کہ اس علاقہ میں رہنے والے لوگ روزہ نہیں رکھیں گے، اور اس کے بدلے فدیہ ادا کریں گے، مولانا رقمطراز ہیں :

---

(۱) اسلامی فقہ: ۱/ ۳۷۶ (۲) حوالہ سابق: ۱/ ۳۷۶

’’عام طور پر دنیا میں ۹-۱۰ گھنٹے سے لے کر ۱۴ر گھنٹے تک کا دن ہوتا ہے، اس لئے صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک زیادہ سے زیادہ ساڑھے پندرہ گھنٹے کی مقدار ہوتی ہے، مگر اس دنیا میں لیپ لینڈ اور ٹنڈرا جیسی جگہیں بھی ہیں، جہاں یہ فرق ۲۲-۲۴ گھنٹے اور اس سے بھی زیادہ بلکہ مہینوں کا ہوتا ہے، اس لئے ایسی جگہوں کے لوگوں کو روزہ رکھنے میں ظاہر ہے نا قابل برداشت تکلیف اُٹھانی پڑے گی، اس لئے ایسی جگہوں کے لوگوں کے لئے اس کے علاوہ کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ وہ افطار کریں‘‘۔

آگے مزید لکھتے ہیں:

’’فقہاء نے روزہ توڑنے کے جو اعذار لکھے ہیں، یعنی بھوک، پیاس کی شدت، مرض کے بڑھ جانے کا خوف، یا مرضعہ کے دودھ پلانے سے بچہ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ یا کوئی ایسا بوڑھا یا مریض ہو، جو روزہ نہ رکھ سکتا ہو، تو اس کو روزہ کے بدلے فدیہ دینے کی اجازت ہے، ایسی جگہوں کے لوگوں کو بھی افطار کرنے اور فدیہ دینے کی اجازت ہونی چاہئے‘‘۔(۱)

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ

پراویڈنٹ فنڈ کے بارے میں علماء کی رائے یہ ہے کہ جب اس کی پوری رقم مل جائے اس وقت زکوۃ ادا کرنا واجب ہوگا، لیکن مولانا موصوف کی رائے یہ ہے کہ ایسی رقم پر ہر سال زکوۃ واجب

---

(۱) اسلامی فقہ: ۱/۳۹۶

ہوگی، البتہ اگر رقم وصول ہونے کے بعد اکٹھا تمام برسوں کی زکوۃ ادا کرے تو یہ بھی جائز ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ رقم اس کی ملکیت میں ہے، اگر چہ اس پر قبضہ نہیں ہے، آپ تحریر فرماتے ہیں :

''بعض علماء نے اس (پراویڈنٹ فنڈ) کو قرض پر محمول کر کے یہ رائے دی ہے کہ جب یہ رقم مل جائے تب زکوۃ واجب ہوگی، امام ابوحنیفہؒ کی رائے دین ضعیف کے بارے میں یہی ہے، مگر راقم نے اس کو ڈاک خانہ یا بینک میں جمع کئے ہوئے روپے پر قیاس کیا ہے، کیوں کہ یہ دین ضعیف کی تعریف میں نہیں آتا —— اس قیاس کی بنیاد صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی رائے پر مبنی ہے کہ قرض کی چاروں قسموں میں کوئی فرق نہیں ہے، اسی رائے کو امام سرخسیؒ نے مبسوط میں نقل کیا ہے'' ۔(۱)

سود کی رقم کا مصرف

سود کی رقم کے مصرف کے بارے میں علماء کی دو رائیں ہیں، بڑا طبقہ اس کو غرباء و مساکین کے لئے بلانیت ثواب خاص مانتا ہے، جب کہ دیگر بہت سے علماء اس رقم کو رفاہ عام میں خرچ کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں، مولانا موصوف کی بھی یہی رائے ہے کہ اس رقم کو رفاہ عام میں خرچ کر سکتے ہیں، چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں :

''اب اس جمع شدہ رقم پر جو سود ملے گا اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے، وہ حرام مال ہے اسے آپ ہر سال نکال کر یا جب ملے اسے کسی مستحق کو ثواب کی نیت کے بغیر دے دیں، یا اس سے گاؤں اور محلہ کی نالی وغیرہ درست کرادیں، ذاتی استعمال

---

(۱) اسلامی فقہ: ۴۵۲/۱ (حاشیہ)

میں نہ لائیں''۔(۱)

خیار شرط کی مدت

خیار شرط کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ تین دنوں تک یہ مدت متعین کی جاسکتی ہے، جب کہ صاحبین کا مسلک یہ ہے کہ مدت کی تعیین ضروری ہے، لیکن یہ مدت تین دنوں سے زیادہ بھی ہوسکتی ہے، اس سلسلہ میں مولانا مدظلہ کا رجحان صاحبین کے مسلک کی طرف ہے، چنانچہ اس کو ترجیح دیتے ہوئے رقمطراز ہیں :

> ''راقم کے خیال میں اس اختلاف کو موقع ومحل اور سودے کے اہم اور غیر اہم ہونے پر محمول کرنا چاہئے، یعنی معمولی چیزوں میں تو تین دنوں سے زیادہ کی مدت نہ ملنی چاہئے، مگر کسی بڑی چیز کی خریداری میں یہ مدت کافی نہیں ہوسکتی، اس لئے اس میں غور وفکر کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، غالباً اسی لئے صاحبین نے یہ رائے دی ہے، المجلہ کے مرتبین نے بھی تین دن کی قید کا ذکر نہیں کیا ہے، اس لئے اس کا رجحان بھی صاحبین کی طرف معلوم ہوتا ہے، جہاں تک حبان بن معقد کی روایت کا تعلق ہے، تو اسے اس کی خصوصیت پر محمول کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، امام ابوحنیفہؒ بھی کہتے ہیں کہ اگر فریق ثانی زیادہ کی اجازت دیدے تو جائز ہے''۔(۲)

کاروبار کا بیمہ

کاروباری بیمہ کے بارے میں مولانا کا رجحان جواز کی طرف معلوم ہوتا ہے، آپ لکھتے ہیں :

---

(۱) اسلامی فقہ: ۱/۴۵۳ (۲) حوالہ سابق: ۲/۳۱۷-۳۱۸ (حاشیہ)

''جان کا بیمہ تو اہل حق علماء کے نزدیک کسی طرح جائز نہیں معلوم ہوتا، مگر کاروبار وغیرہ میں چوں کہ کچھ مجبوریاں حائل ہوتی ہیں، اس لئے اس سلسلہ میں کسی معتمد عالم سے اپنے حالات کے پیش نظر فتوی لینا چاہئے''۔(۱)

کفاءت کے مسئلہ میں مولانا کی رائے

کفائت کے مسئلہ میں امام ابو یوسفؒ کے مسلک کو راجح قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں :

''فقہاء کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ اپنے اپنے شرائط کے لحاظ سے وہ فسخ نکاح کے قائل ہیں ـــــ مگر راقم الحروف کے نزدیک دین وصلاح کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں سب اضافی ہیں، جن فقہاء نے نسب یا مال کو کفو میں شامل کیا ہے ان کا تعلق شرعی دلیل سے نہیں بلکہ معاشی ومعاشرتی عرف اور مصلحت سے ہے، چنانچہ خوش حالی اور بد حالی کا ذکر کرتے ہوئے صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ'' فاما الکفاءۃ فی الغناء فمعتبرۃ فی قول ابی حنیفۃ حتی ان الفائقۃ فی الیسار فیھا القادر علی المھر والنفقۃ، لان الناس یتفاخرون بالغنی، ویعتبرون بالکفوء''(۲) ـــــ امام ابو حنیفہؒ ومحمدؒ نے محض اس عرف ومصلحت کے تحت خوش حالی کا اعتبار کیا ہے کہ فقر وفاقہ معاشرہ میں عار کی چیز سمجھی جاتی ہے، گویا یہ قدر اگر بدل جائے تو طرفین کی رائے بھی بدل جائے

---

(۱) اسلامی فقہ:۲/۳۶۹ (۲) ہدایہ:۲/۳۰۱

گی، اسی بناء پر اس مسئلہ میں امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ خوش حالی ایک عارضی چیز ہے، اس لئے اس کو کفائت میں شامل نہیں کرنا چاہئے —— موجودہ دور میں امام ابو یوسفؒ کی رائے کو قابل ترجیح قرار دینا زیادہ بہتر ہے"۔(۱)

(۱) مسئلہ کفاءت، ص: ۲۵

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ندوۃ العلماء کے ناظم، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش اور رابطہ ادب اسلامی (شعبہ برصغیر وممالک شرقیہ) کے صدر عالی باوقار، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور آل انڈیا ملی کونسل کے سرپرست، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ، سنٹر فار اسلامک اسٹڈیز آکسفورڈ یونیورسٹی لندن، اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد پاکستان کے رکن اور مختلف دینی وعلمی مراکز اور دانش گاہوں کے سرپرست وذمہ دار —— حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے ۲۹/ اکتوبر ۱۹۲۹ کو دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں رائے بریلی میں زندگی کی آنکھیں کھولیں، آپ کے والد محترم سید رشید احمد حسنی تھے، جب کہ والدہ خانوادہ حسنی کے چشم وچراغ مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء کی دختر مخدومہ امۃ العزیز صاحبہ تھیں، آپ کا سلسلہ نسب بارہ واسطوں سے سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، نیز آپ اپنے بھائیوں میں چوتھے نمبر پر ہیں اس لئے رابع کہے گئے۔

تعلیم وتربیت

رائے بریلی کے قریب دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں میں سادات کا یہ گھرانہ عرصہ سے آباد ہے اور شرافت وبزرگی، علم وفضل، زہد وتقویٰ کے لحاظ سے ہمیشہ معروف اور ممتاز رہا ہے، اسی علمی ودینی گھرانے میں آپ کی تربیت ہوئی اور یہیں پروان چڑھے، ابتدائی تعلیم کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تفسیر، حدیث، فقہ اور ادب کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی، اور اپنے اساتذہ بطور خاص مفتی سعید ندویؒ، شیخ الحدیث مولانا حلیم عطاؒ، شیخ التفسیر مولانا محمد اویس نگرامی ندویؒ، مولانا ناظم ندویؒ، مولانا اسحاق سندیلوی ندویؒ اور اپنے خال محترم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی - رحمۃ اللہ علیہ-

سے کسبِ فیض کیا۔

اس کے بعد ۴۷-۱۹۴۶ء میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ساتھ تقریباً ایک سال کا تعلیمی عرصہ گذارا، اس وقت کے رفقاء میں مولانا سلیم اللہ خاں کراچی (ناظم جامعہ فاروقیہ) اور مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی فرزند مولانا منظور نعمانیؒ ہیں۔

آپ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی صحبت سے بھی مستفید ہوئے، ان سے حدیث کا درس لیا اور مسلسلاتِ حدیث نبوی میں اجازت حاصل کی، اسی طرح آپ کا روحانی تعلق حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری سے تھا اور ان سے بھی خصوصی فیض اٹھایا۔

تدریسی خدمات

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں عربی ادب کے استاذ مقرر ہوئے، اور یہیں سے آپ نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا، اس دوران آپ نے ''منثورات'' کا مجموعہ مرتب کیا، جسے ادبی حلقوں میں ایک مقام حاصل ہے، اور جو ہندو پاک کے علاوہ عربی ممالک کی بہت سی درسگاہوں اور جامعات میں داخل نصاب ہے، اور ادب عربی کی تاریخ کے موضوع پر ''تاریخ الادب العربی بین عرض و نقد'' اور ''الادب العربی (العصر الاسلامی)'' کی تالیف فرمائی، یہ دونوں کتابیں اپنے موضوع پر نہایت اہم اور وقیع سمجھی جاتی ہیں، اس کے علاوہ آپ نے جغرافیہ عالم اسلام کے موضوع پر جزیرۃ العرب لکھی، یہ بھی اپنے موضوع اور فن کے لحاظ سے جامع ترین کتاب ہے، ندوۃ العلماء کی نظامت اور مختلف درسگاہوں اور اداروں کی ذمہ داری، علمی مشغولیات اور دینی وملی سرگرمیوں کے ساتھ دارالعلوم میں تدریس کا سلسلہ جاری ہے، اب بھی چند کتابوں کا درس آپ کے ذمہ ہے اور ہفتہ میں چند گھنٹے طلبہ کو مستفید کرتے ہیں، راقم کو بھی آپ کی کتاب ''الادب العربی بین عرض ونقد'' آپ سے ہی پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

اس مدت میں فضلاء کی بڑی تعداد آپ سے استفادہ کر چکی ہے اور اپنے ذہن ودماغ کو منور کر کے دنیا کے مختلف گوشے میں علم وادب کا چراغ جلائے ہوئے ہیں، آپ کے چند مشہور وممتاز تلامذہ میں مولانا سید محمد الحسنی (بانی ایڈیٹر البعث الاسلامی) مولانا ناصر علی ندوی (شیخ الحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء)، مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی (مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء) مولانا ڈاکٹر اجتباء ندوی، شیخ عبد الوہاب زاہد حلبی ندوی (کوریا)، ڈاکٹر مزمل حسین ندوی (امریکہ)، شیخ احمد فہمی زمزم (انڈونیشیا) مولانا ڈاکٹر ضیاء الحسن ندوی مرحوم اور مولانا ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی (صدر شعبہ عربی سیفل حیدر آباد) جیسے اساطین علم وتحقیق شامل ہیں۔

ندوۃ العلماء کی نظامت

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کے انتقال کے بعد یکم جنوری ۲۰۰۱ء کو آپ ندوۃ العلماء کے ناظم مقرر ہوئے، ماشاء اللہ آپ کی سرپرستی ونگرانی میں بانیین ندوہ کا تشکیل کردہ قافلہ علم وفکر، ترقی کی طرف محو گام ہے، آپ کے دور نظامت میں دیگر تعلیمی پیش رفتیوں کے ساتھ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے زیر اہتمام ''صحافت'' کا شعبہ کھولا گیا ہے، جو ایک خوش آئند اقدام ہے، اس کے علاوہ دار الافتاء کے فتاویٰ کی ترتیب کا کام بھی چل رہا ہے، انشاء اللہ ''فتاویٰ ندوۃ العلماء'' اصحاب تحقیق کے لئے اور بطور خاص اربابِ افتاء کے لئے قیمتی سرمایہ ہوگا۔

علمی وادبی خدمات

اللہ تعالیٰ نے آپ کو زبان ہوشمند اور فکر ارجمند کے ساتھ گہر بار قلم بھی عطا فرمایا ہے، مولانا کا اصل موضوع عربی زبان وادب ہے، اور اسی تعلق سے منثورات، الادب العربی (العصر الاسلامی) اور معلم الانشاء (جلد سوم) آپ کی زندہ جاوید قلمی کاوشیں ہیں، لیکن اسی کے ساتھ دیگر موضوعات اور بطور خاص فقہ سے بھی تعلق رہا ہے، صرف آپ کی کتاب ''حج ومقامات حج'' میں

زیر بحث آئے فقہی مسائل اس کی بہترین دلیل ہیں، اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی کے زیر اہتمام منعقدہ مقاصدِ شریعت سے متعلق فقہی ورکشاپ میں صدارتی کلمات کہتے ہوئے اپنے متعلق فرماتے ہیں :

"چوں کہ عربی زبان وادب سے میرا تعلق ہے، یہ میرا میدان عمل ہے، اس لئے جو ثقافتی چیزیں یا جو معلومات اس کے تحت آتی ہیں، ان سے واقفیت ہوتی ہے —— عربی کے ذریعہ میں علوم دینیہ بھی حاصل کی، اور فقہ پڑھی، ہدایہ اولین تو میں نے دارالعلوم دیوبند میں پڑھی، اس وقت ایک سال دارالعلوم میں رہا تھا، مجھے اگر فقہ کا میدان ملتا تو وہ میرا بھی خاص موضوع بنتا، لیکن میں نے فقہ کو اپنا خصوصی میدان نہیں بنایا، لیکن بہر حال فقہ وہ موضوع ہے جس سے ہر مسلمان کو تعلق ہے، اس سے کوئی مسلمان بچ نہیں سکتا، اس لئے کہ اگر وہ اس سے ناواقف ہے تو وہ دین پر عمل نہیں کرسکتا، اور اگر اس کو دین پر عمل کرنا ہے تو فقہ سے واقفیت اس کے لئے ضروری ہے، —— اور عربی جاننے والے کو فقہ سے تعلق رکھنے میں کوئی مشکل بھی نہیں"۔(۱)

فقہ سے متعلق آپ کی دوسری کتاب "بحوث فقهيه" ہے، جو ابھی دارالقلم دمشق اور مجلس تحقیقات ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ میں زیر طبع ہے، یہ دراصل آپ کے ان چار فقہی مقالات کا مجموعہ ہے جسے آپ نے مختلف بین الاقوامی کانفرنسوں میں پڑھا ہے، یہ مقالات اس طرح ہیں :

(۱) الاختلاف الفقهي تسهيل و رحمة

---

(۱) مقاصد شریعت، ص:۸۰

(۲) البحث عن حل للقضايا المعاصرة ، ضرورة اسلامية راهنة

(۳) نظرة تاريخية شاملة فی الاجتهاد للعهود الفقهية الاولی

(۴) النظام الربوی السائد و مخالفاته للشريعة الاسلامية

ان مقالات میں مولانا نے فقہ اسلامی میں اختلافات کی فقہی حیثیت ،موجودہ زمانہ میں جدید مسائل کے حل کی ضرورت اوراس کے طریقہ کار ،فقہ اسلامی کی تدوین اور پہلی صدی ہجری کے تدوینی دوراوراس کے طریقہ کار ،اور معاملات میں سودی نظام کا غلبہ ،اس کوختم کرنے کی ترکیب اورغیر سودی تجارتی نظام کے قیام کے لئے خرید وفروخت کے جدید مسائل کی تطبیق وغیرہ موضوعات کوتفصیلات کے ساتھ بیان کیا ہے۔

مولانا کے چند فقہی افکاروخیالات

دسمبر ۲۰۰۲ء میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے زیر اہتمام منعقد ''مقاصد شریعت'' ورکشاپ میں آپ نے جوصدارتی خطبہ پڑھا ہے وہ مقاصدِ شریعت ،جدید مسائل کے حل اور فقہی مسائل پر تمدنی انقلاب اوراس کی اثر انگیزی سے متعلق نہایت قیمتی اور چشم کشا تحریر ہے، یہ صدارتی خطبہ اس ورکشاپ کے مجموعہ مقالات ''مقاصدِ شریعت'' میں ''تمدنی انقلاب اورشرعی اجتہاد'' کے نام سے شائع ہوا ہے، اس فاضلانہ خطبہ سے چند اقتباسات پیش کئے جارہے ہیں جن سے مولانا کی فکر اور جدید مسائل کے حل اورفقہ اسلامی سے متعلق مولانا کے نقطہ نظر کوسمجھنے میں مدد ملے گی۔

فقہ کے مختلف مذاہب میں جواختلافات ہیں وہ کیوں ہیں ،اورکس نوعیت کے ہیں؟اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں :

> ''دراصل یہ اختلاف حقیقت میں فطرت کے مطابق ہے،اس لئے کہ انسان مزاجوں کے اعتبار سے ،اپنے مقام کے اعتبار سے،اوراپنے دیگر حالات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے فرق

رکھتا ہے، انسان کی خصوصیات میں فرق ہوتا ہے، اس کے مزاج میں، اس کی برداشت میں فرق ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا، سمجھئے کہ یہ اللہ کی طرف سے ایک انعام ہے کہ اس نے جو شریعت ہم کو دی ہے اس میں اس کی گنجائش رکھی ہے''۔(۱)

اسی اختلاف کے رحمت ہونے کی ایک مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

''مختلف معاملات میں یہ جو مختلف آرا قائم ہیں، مختلف مذاہب بنے ہیں، یہ انسانی ضرورت اور انسانی دشواریوں سے مطابقت رکھتے ہیں، میں نے اپنے بعض مضامین میں اسی سلسلہ میں عرض کیا کہ آپ دیکھئے! جو مذاہب دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہیں تو وہ مذاہب (مذاہب سے مراد فقہی مذاہب ہیں) آپ دیکھئے کہ ان میں اپنے اپنے علاقوں سے مناسبت ہے، یہ خاص بات ہے، مثلاً پانی ہی کو لیجئے، جن علاقوں میں پانی کی بہتات ہے وہاں عام طور پر سے فقہ حنفی کے ماننے والے ملیں گے، اور جن علاقوں میں پانی کی کمی ہے وہاں آپ کو فقہ مالکی کے ماننے والے ملیں گے، —— اسی طرح آپ دیکھئے کہ فقہ شافعی ہے، زیادہ تر ساحلی علاقہ میں اسی مسلک کو رائج دیکھیں گے، جہاں سمندر کی چیزیں استعمال کرنے کی آسانی ہے، اور فقہ شافعی میں سمندر کی چیزوں کے استعمال میں توسع ہے، جو فقہ حنفی میں نہیں ہے، اگر یہ مسلک وہاں نافذ کر دیا جائے اور ان

---

(۱) مقاصد شریعت، ص:۸۱

کا مسلک ہمارے یہاں نافذ کر دیا جائے تو عجیب سا معاملہ ہوتا، آسانی کم ہوتی اور ''الدین یسر'' کے مطابق نہ ہوتا''۔(۱)

فقہ اسلامی میں تمدنی مسائل کے حل کی صلاحیت اور جدید صنعتی انقلاب کے زیر اثر پیدا ہونے والے مسائل کے لئے اجتماعی اجتہاد کی ضرورت پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

''جب اسلام آیا تو اسلام سب سے پہلے عربوں کے پاس آیا جو جاہل قوم تھی، جہالت تھی ان میں، نہ وہ علوم سے واقف تھے اور نہ ان میں تمدن تھا، دیہاتی زندگی ان کی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے جو دین عطا فرمایا، جو احکام عطا فرمائے اس حالت میں کہ وہ اُمی تھے، لیکن احکام کے اندر گنجائش تھی کہ تمدن آنے پر تمدن کی ضرورت پوری کی — یہ دین کے احکام جو مسلمانوں کو دیئے تھے اُمی ہونے کے زمانہ میں دیئے گئے تھے، وہ عہد عباسی میں آکر ایسا وسیع اور جامع دین کی حیثیت سے سامنے آئے کہ وہ دین انسان کے تمدن کی ساری ضرورتوں کو بخوبی پورا کرسکا، اور برابر پورا کرتا رہا، ان کی سیاست کی ضرورتوں کو پورا کرتا رہا، ان کی مالیات کی ضرورت کو پورا کرتا رہا، لیکن یہ کیسے ہوسکا؟ یہ ان علماء کی محنتوں سے ہوا، جنھوں نے اپنے دینی فہم کو استعمال کیا، امام ابوحنیفہؒ کا زمانہ جو ہے وہ انتہائی تمدن کا زمانہ ہے اور تمدن کے مسائل اتنے پیچیدہ اور متنوعہ ہوتے ہیں کہ ایک اُمی کے بس کے نہیں ہوتے، لیکن ان حضرات نے،

(۱) مقاصد شریعت، ص:۸۳-۸۴

ان علماء کرام نے، ان مجتہدین نے دین کی اس طرح تشریح کی، اس طرح استنباط کیا کہ زندگی کی ساری ضرورت اس سے پوری ہوتی تھی، اور انھوں نے ہر سوال کا جواب متعین کر دیا، اور ایسا جواب جو شافی تھا''۔(۱)

آگے مزید فرماتے ہیں:

''اس وقت کے بعد آج عصر جدید میں جب یورپ کا تمدن سامنے آیا، اور یورپ نے ترقی کی اور سائنس نے غیر معمولی ترقی کا مظاہرہ کیا تو اب کچھ مسائل کھڑے ہوئے، اس لئے کہ زندگی ایک نئے ڈھنگ پر آئی جس سے اب کچھ مسائل کھڑے ہو گئے، لیکن اس سے قبل ہمارے اسلاف کو کسی بڑی سوچ کی ضرورت نہیں پڑی، بس دوسری، تیسری صدی کے اندر جو کچھ غیر معمولی محنت کرنی پڑی وہ تو محنت کی، اس کے بعد فروعی اور معمولی چیزیں تھیں جس کو علماء دیکھتے رہے اور جو سوال اُٹھتے تھے جواب دیتے رہے، کوئی غیر معمولی قدم اُٹھانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی، لیکن یہ جو موجودہ تمدن ہے اور موجودہ ترقی ہے سائنس کی ترقی اس نے مسائل کھڑے کئے''۔(۲)

یہ جدید تمدنی مسائل کیسے حل ہوں گے؟ اور اس کے لئے کیسے افراد کی ضرورت ہے؟ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

موجودہ تمدن میں انقلابی صورت حال پیدا ہو گئی، اس وقت ہم

---

(۱) مقاصد شریعت، ص:۸۷ (۲) حوالہ سابق، ص:۸۸

کو اس طرح کی نئی باتوں میں اجتہاد کرنے کی ضرورت پڑے گی، اور اسی سمت، اسی صلاحیت کا ثبوت دینا پڑے گا، عہد اول نے جس صلاحیت کا ثبوت دیا، یہ مطلب نہیں کہ بغیر گہری علمی سوچ کے ہم اس میں رائے قائم کرلیں، نہیں، بلکہ اسی واقفیت، اسی ذہانت، نصوص پر وہی گہری نظر رکھتے ہوئے ہمیں کام کرنا ہوگا، جب جا کر ہم ان مسائل کا جواب دے سکیں گے، جو مسائل اس وقت اُٹھ رہے ہیں، اور اگر ہم ان کا جواب نہیں دیں گے تو ہماری شریعت پر شبہ کیا جانے لگے گا، شریعت کو ناقص سمجھا جانے لگے گا''۔(۱)

موجودہ صورت حال میں اجتماعی اجتہاد پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

چوں کہ اب ایسے افراد نہیں ہوتے جو کہ اتنا استیعاب رکھتے ہوں، جو اتنے حاوی ہوں ان ساری چیزوں پر، ان سارے گوشوں پر کہ جن کی ضرورت پڑتی ہے، اجتہاد اور استنباط کے لئے، اس لئے بہتر طریقہ یہی ہے جو ماشاء اللہ اختیار کیا جارہا ہے کہ اکیڈمیاں ہوں، مجالس ہوں، جن میں ضروری صلاحیتوں کے علماء جمع ہوں، وہ علماء جو شریعت کے متنوعہ گوشوں کی ممتاز صلاحیت رکھتے ہوں، عام صلاحیت والوں کو میں نہیں کہہ رہا ہوں، ان علماء کو کہہ رہا ہوں جو اجتہاد کی اور استنباط کی اچھی صلاحیتیں رکھتے ہوں، ان میں تنوع ہوسکتا

---

(۱) مقاصد شریعت، ص:۸۹

ہے اور ان کے علم کے مدارج ہو سکتے ہیں، لیکن اگر پوری جماعت بیٹھے گی تو ایک دوسرے کے مطالعہ سے، ایک دوسرے کی واقفیت سے فائدہ اُٹھائے گی اور جو مذاکرہ ہوگا، اس مذاکرہ سے صحیح حل نکل سکے گا، جو بہتر سے بہتر حل ہوگا، اور ظاہر ہے اسی دائرہ میں نکالنا ہوگا، جو نصوص کا دائرہ ہے، اور پھر نصوص کے بعد اجتہاد کا دائرہ ہے، ہمارے اسلاف نے جو اجتہاد کیا ہے اور جو انھوں نے طریقہ اختیار کیا ہے، جو اُصول مقرر کئے ہیں اجتہاد کے لئے اور استنباط کے لئے ان اُصولوں کی بنیاد پر کرنا ہوگا، ہم اپنی طرف سے کوئی چیز نہیں ایجاد کریں گے"۔(۱)

اس موقع پر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے جنرل سکریٹری، جدید مسائل کے تعلق سے جن کی تحقیق بڑی معتبر سمجھی جاتی ہے، اور جنھیں اللہ تعالیٰ نے اس علم سے گہری مناسبت بھی عطا فرمائی ہے، انھوں نے مولانا کا تعارف جن الفاظ سے کرایا ہے، اور آپ کے تعلق سے جس خیال کا اظہار کیا ہے، وہ دراصل ایک حقیقت کا اعتراف اور اس پر شاہدِ عدل ہے، انھوں نے مولانا کا تعارف کراتے ہوئے کہا:

"حضرت مولانا محمد رابع دامت برکاتہم جو عربی ادب سے اور سیرت و تاریخ کی نسبت سے علمی دنیا میں پہچانے جاتے ہیں، رابطہ ادب اسلامی کے عالمی سطح پر نائب صدر اور مشرقی علاقہ کے صدر ہیں، اس حقیر کو ان سے پچھلے دنوں ندوہ میں ایک حاضری پر تھوڑی دیر فقہ کے موضوع پر گفتگو کرنے کا موقع

---

(۱) مقاصد شریعت، ص:۸۹-۹۰

ملا اور بہت دیر تک مولانا نے اس بات پر روشنی ڈالی کہ تہذیب وثقافت کے تغیر اور ثقافتی احوال کی تبدیلی سے احکام فقہیہ میں کیا تبدیلی آتی ہے، اور بہت سی مثالیں اس سلسلہ میں دیں، تو واقعی مجھے ایسا لگا کہ ''مولانا کی شخصیت کے اندر ایک اور شخصیت چھپی ہوئی ہے''۔(۱)

(۱) مقاصد شریعت، ص:۷۷

مفتی ظہور ندوی

سادہ مزاج و سادگی پسند، مرنجان مرنج طبیعت کے مالک، ظاہری شان و شوکت اور تکلفات سے بے نیاز، انتہائی خلیق و خاکسار، ہر شخص سے کھل کر ملنے والے، ظرافت پسند، فقہی جزئیات کے حافظ اور بحر فقہ کے شناور، ہر جگہ مسئلہ بتانے والے اور ہر کس و ناکس کو جواب دینے والے مفتی، اعلیٰ درجہ کے ذہین و نکتہ رس، حاضر جوابی کی دولت سے سرشار، علماء و عوام دونوں طبقہ میں یکساں مقبول و محترم، قانونی موشگافیوں سے واقف، انتظامی اُمور کے کوچہ آشنا اور بہترین مدبر و منتظم اور اس طرح کی گوناں گوں صفات کے حامل اور زندہ تصویر ہیں مولانا مفتی ظہور صاحب ندوی، جنھیں دارالعلوم کے اساتذہ اور طلبہ مفتی صاحب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

۱۹۲۷ء میں مبارک پور کے ایک زمیندار گھرانہ میں آنکھیں کھولیں، والد ماجد جناب عبدالستار صاحبؒ ممتاز فارسی داں اور علاقہ کے بڑے زمینداروں میں سے تھے، گھر میں زمین دارانہ ٹھاٹھ کے ساتھ عدل و انصاف کے چرچے تھے اور علاقہ کے سارے سماجی مسائل بھی یہیں فیصل ہوتے تھے، اسی ماحول میں مفتی صاحب کی پرورش ہوئی۔

تعلیم اور مشہور اساتذہ

سن شعور کے بعد تعلیم شروع ہوئی، ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسہ ریاض العلوم میں ہوئی، پھر مبارکپور کے مدرسہ احیاء العلوم میں داخل ہوئے اور شرح جامی اور شرح تہذیب تک درس نظامی کے مطابق تعلیم حاصل کی، اس کے بعد ۴۴ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء تشریف لائے اور ۵۰ء تک یہاں کے مشہور اور چوٹی کے اساتذہ سے اکتسابِ فیض کرتے رہے، معقولات کی تعلیم

مولانا ابوالعرفان خان ندویؒ سے اور ابوداؤد و ترمذی شریف مولانا اسحٰق سندیلویؒ سے پڑھی، اس کے علاوہ شاہ حلیم عطاء صاحبؒ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے سامنے بھی زانوئے ادب تہہ کیا، البتہ خصوصی استفادہ دارالعلوم کے مفتی مولانا سعید صاحب ندویؒ سے کیا اور ان ہی کے فیض صحبت اور غیر معمولی توجہ کے نتیجہ میں آپ کے جوہر چمکے اور ان ہی کے نظر کرم سے کندن بنے اور آسمان علم وفقہ پر ماہتاب و آفتاب بن کر چمکے۔

تدریسی خدمت

دارالعلوم سے فراغت کے بعد مادر علمی میں ہی آپ کو جوہر چمکانے کا موقع ملا، فقہ سے گہری دلچسپی اور فقہی مہارت کے پیش نظر فن فقہ کی اونچی کتابیں پڑھانے کو ملیں، پھر دارالعلوم کے صدر مفتی بنائے گئے اور اب تک دارالعلوم میں اپنی خداداد صلاحیت سے طلبہ کو فیض یاب کر رہے ہیں، اس کے علاوہ آپ دارالعلوم کے نائب مہتمم کی حیثیت سے اہتمام کی عظیم و نازک ذمہ داری بھی سنبھالے ہوئے ہیں، اس طرح آپ بیک وقت کامیاب مدرس، اعلیٰ درجہ کے مدبر و منتظم اور بے مثال فقیہ ہیں اور دارالعلوم میں صدر مفتی اور نائب مہتمم کے اعلیٰ اور علمی مناصب پر فائز ہیں۔

علم فقہ سے تعلق و دلچسپی

مفتی صاحب کو علم وفقہ سے خصوصی اور گہرا تعلق زمانہ طالب علمی سے ہی رہا ہے اور اس میں بڑا دخل آپ کے مربی خاص مولانا سعید صاحب ندویؒ کا ہے جو اُن دنوں ندوۃ العلماء کے مفتی تھے، ان کی نگرانی و سرپرستی میں آپ نے دارالعلوم کا علمی سفر مکمل کیا، مفتی سعید صاحب ندویؒ کی توجہات کی وجہ سے فقہ کے قدیم و جدید ماٰخذ و مصادر سے استفادہ کا موقع ملا، اور فکر و نظر میں وسعت اور مزاج میں تفقہ پیدا ہوا، دارالافتاء کی ذمہ داری اور طویل عرصہ تک فقہی کتابوں کی مناسبت کی وجہ سے آپکو اس فن پر پورا عبور سا حاصل ہوگیا ہے۔

استحضار اور حاضر جوابی کی خاص دولت آپ کو ملی ہے، فقہ کی جزئیات ہمہ وقت جس طرح نوکِ زبان ہوتی ہیں وہ کم ہی کسی کو رہتی ہوں گی، آپ کے بارے میں عام تاثر یہی ہے کہ ہدایہ کی جلدیں گویا آپ کو حفظ ہیں، بالکل سادگی کے ساتھ رہتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ایک بڑی خلقت آپ سے استفادہ کے لئے ہر وقت منتظر رہتی ہے، دار العلوم کے اساتذہ بھی مشکل اور پیچیدہ مسائل میں آپ سے رجوع کرتے ہیں، فقہی مہارت کے ساتھ دقیقہ رسی اور نکتہ دانی میں بھی کمال حاصل ہے، اس لئے محفل خواہ کیسی بھی ہو ہر جگہ چھائے نظر آتے ہیں۔

مایہ ناز تلامذہ

نصف صدی کے زائد عرصہ سے آپ ندوۃ العلماء جیسے شہرہ آفاق ادارہ اور علمی وفکری دانش گاہ سے وابستہ ہیں اور تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، اس مدت میں طلبہ کی بڑی تعداد نے آپ سے استفادہ کیا ہے، جو آج اپنے فن کے ماہر سمجھے جاتے ہیں، آپ کے نمایاں شاگردوں میں جناب ابوطفیل صاحب پاکستان، ڈاکٹر اجتباء ندوی، مولانا ناصر علی ندوی شیخ الحدیث ندوۃ العلماء اور مولانا سید سلمان الحسینی ندوی صاحب جیسے علم کے آفتاب و ماہتاب شامل ہیں، اس کے علاوہ تعمیر حیات کے ''فقہی سوال وجواب'' کا کالم جو ابتداء میں آپ لکھتے تھے، آپ کی قلمی یادگار ہیں۔

مولانا ناصر علی ندوی

تعلیم وتربیت

دار العلوم ندوۃ العلماء کے موجودہ شیخ الحدیث مولانا ناصر علی ندوی مدظلہ العالی کی پیدائش ۱۹۳۳ء میں خرم مراد لکھنؤ میں ہوئی، آپ کے والد ماجد جناب عاشق علی صاحب مرحوم ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے اور الکٹرک فارم میں ملازم تھے، گھریلو ماحول دینی تھا، جہاں مولانا کی پرورش ہوئی ،ابتدائی تعلیم گاؤں کے اسکول میں پائی، پھر شہر کے اسکول میں مڈل پاس کیا، اس دوران گھر پر دینی تعلیم کا مستقل انتظام تھا، جہاں قرآن شریف اور اُردو پڑھتے تھے، اس کے بعد ثانوی تعلیم کے لئے دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا اور ابتدائی کلاس سے آخری درجہ تک اسی دانش کدہ میں اکتسابِ فیض کرتے رہے، اس مدت میں آپ نے دار العلوم کے ماہر اساتذہ کرام اور ارباب بصیرت علماء سے استفادہ کیا، خصوصاً فقہ کی تعلیم اس وقت دار العلوم کے محدث وفقیہ اور دار العلوم کے مہتمم مولانا اسحٰق سندیلوی ندویؒ اور مولانا اسباط صاحب مرحوم جو مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ کے فارغ التحصیل اور مولانا عبد الشکور لکھنویؒ کے شاگرد خاص تھے، سے حاصل کی۔

مادر علمی میں تدریسی خدمت

بچپن ہی سے آپ ذہین اور فطرۃً حاضر جواب واقع ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے اساتذہ کی نظروں میں ہمیشہ محبوب رہے، دار العلوم میں عالمیت کی تکمیل کے بعد دینیات سے اختصاص کیا اور ۱۹۶۵ء میں سند فراغت حاصل کی۔

اس زمانہ میں فضیلت کے بعد تکمیل کا ایک سالہ شعبہ قائم تھا، جس میں خصوصی مطالعہ کے ساتھ دار العلوم کے خالی گھنٹوں میں اساتذہ کی جگہ پڑھانا پڑتا تھا، اس شعبہ کے لئے آپ کا بھی انتخاب ہوا، شروع سال میں ہی کئی گھنٹے دار العلوم میں پڑھانے کو ملے، گویا یہ ایک ٹریننگ تھی اور امتحان بھی، اس امتحان میں آپ پورے اُترے، چنانچہ اس کے بعد باضابطہ دار العلوم کے استاذ مقرر ہوئے اور اسی وقت سے مادر علمی میں تدریسی زندگی کا آغاز کیا، جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

شیخ الحدیث کے پروقار منصب پر

ابتدائی سالوں میں آپ کو شروع کی کتابیں پڑھانے کو ملیں، پھر رفتہ رفتہ آپ کی صلاحیت پروان چڑھتی رہی اور اونچے درجات کی کتابیں ملتی رہیں، یہاں تک کہ آپ کی علمی زندگی کا وہ مبارک اور سنہرا ورق پلٹا اور ۹۰-۹۸ء میں ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث حضرت مولانا ضیاء الحسن صاحبؒ کے انتقال کے بعد شیخ الحدیث کی عظیم اور مبارک ترین مسند درس آپ کے حصہ میں آئی، جس پر اب تک فائز ہیں اور بڑی حسن وخوبی کے ساتھ یہ دینی خدمت انجام دے رہے ہیں، صحیحین کے علاوہ ترمذی شریف اور اُصول فقہ کی منتہی کتابیں بھی آپ کے ذمہ ہیں۔

فقہ واُصولِ فقہ میں دقتِ نظر

یوں تو اس طویل تدریسی زندگی میں تمام فنوں کی کتابیں پڑھانے کا موقع ملا اور ترمذی صحیحین تک کتابیں آپ کے زیر درس رہیں، لیکن آپ کا اصل میدان فقہ اور اُصول فقہ ہے، حدیث اور اس کی متعلقات پر گہری نظر کے ساتھ فقہ پر عبور حاصل ہے، اصل اور بنیادی مراجع سے پوری واقفیت رکھتے ہیں اور درس میں نقلی دلائل کے ساتھ عقلی دلائل کا بھی پورا استعمال کرتے ہیں، احادیث کی روشنی میں جب فقہاء کے مسالک بیان کرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چاروں دبستان فقہ کے دلائل یمین وشمال مؤدب کھڑے ہیں، نقد وترجیح اور تطبیق کا میزان قائم ہے، اس

کے ساتھ رجال پر بحثیں ہو رہی ہیں اور اُصول شریعت و اُصول فقہ سے تطبیق کا عمل بھی جاری ہے۔

قوت استدلال کے ساتھ استنباط و استیناس میں بھی ملکہ راسخہ حاصل ہے، استحضار اور حاضر جوابی کی خداداد صلاحیت پائی ہے، موضوع سے متعلق کیسے بھی اشکالات ہوں، لمحوں میں اس کا جواب حاضر ہوتا ہے اور وہ بھی ایسا مسکت، نپا تلا اور مدلل کہ معترض کو دوسری بار بولنے کا موقع نہیں ملتا، کلاس میں آپ کی تقریر مربوط اور مدلل ہوتی ہے، جابجا اہم مصادر اور شروحات کے حوالے بھی دیتے رہتے ہیں، آپ کے درس میں طلبہ کو اعتراض اور اشکال کرنے کی پوری اجازت ہوتی ہے اور مولانا کا مزاج ایسا ہے کہ جب تک اس کا تسلی بخش جواب نہ دے دیں اور سائل خاموش نہ ہو جائے اس وقت تک درس کو آگے نہیں بڑھاتے، فروعی مسائل میں حنفیہ کے مسلک کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کی طرف نقلی اور عقلی دلائل کی ترجمانی کرتے رہتے ہیں، درس میں حنفی طلبہ کے علاوہ شوافع اور دیگر مکاتب فکر کے طلبہ بھی ہوتے ہیں، لیکن اس کے باوجود آپ کی تقریر تمام طلبہ کے لئے یکساں مفید اور معلومات افزا ہوتی ہے۔

اخلاق وعادات

آپ بڑے معتدل مزاج اور سادگی پسند ہیں اور اتنے معمولی انداز میں رہتے ہیں کہ شاید سادگی کو بھی آپ پر رحم آتا ہوگا، علم وفقہ کے سمندر اور دار العلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث ہونے کے باوجود نہ مشیخت کا انداز ہے اور نہ رعب و دبدبہ کا اظہار، بلکہ ایک عام آدمی کی طرح زندگی گذارتے ہیں، البتہ قوانین کے پکے اور اُصول کے بڑے پابند ہیں، درس میں روزانہ طلبہ کی حاضری سختی سے لیتے ہیں اور غیر حاضری پر ٹوکتے بھی ہیں، لیکن اسی کے ساتھ مزاج میں حد درجہ نرمی ہے، درس وتدریس کا موقع ہو یا عام ملاقات وگفتگو ہر جگہ خلیق وملنسار اور اعتدال کا دامن تھامے رہتے ہیں، جزئی مسائل میں سختی کو نہ بہتر سمجھتے ہیں اور نہ ہی اختلافی مباحث میں بحث ومباحثہ کو پسند فرماتے ہیں۔

علمی عہدہ ومنصب

مولانا دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ’’المعہد العالی للفقہاء والافتاء‘‘ کے صدر شعبہ ہیں اور دارالافتاء کے سارے فتاوے آپ کی نظر ثانی کے بعد ہی جاری کئے جاتے ہیں، ۱۹۸۶ء میں جب دارالقضاء کا قیام عمل میں آیا اور اس کے لئے قاضی کونسل کی تشکیل ہوئی تو اس کے ایک رکن آپ بھی نامزد ہوئے اور عرصہ تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

کتابی صورت میں آپ کا کوئی علمی سرمایہ نہیں ہے، لیکن افراد کی صورت میں آپ نے ندوی فضلاء کی جو بڑی جماعت تیار کردی ہے اور جتنے ارباب قلم آپ کے فیض یافتہ ہیں وہ ہزاروں صفحات پر بھاری ہیں اور آپ کا علمی فیض ان زندہ کتابوں سے نہ صرف پورے ہندوستان میں پھیل رہا ہے، بلکہ چہار دانگ عالم میں اس سے تشنگانِ علم سیرابی حاصل کر رہے ہیں اور اپنی علمی پیاس بجھا رہے ہیں۔

مولانا شفیق الرحمٰن ندویؒ

مولانا شفیق الرحمٰن ندویؒ اسم با مسمیٰ، اخلاق کے پیکر، تواضع وسادگی پسند اور سلف کی یادگار تھے، ۱۹۷۲ء سے فقہ وحدیث اور ادب کے سینیر استاذ کی حیثیت سے دار العلوم ندوۃ العلماء کی خدمت انجام دے رہے تھے، آپ بحر فقہ کے بہترین شناور تھے، قدیم وجدید مسائل پر اچھی نظر رکھتے تھے اور کوچۂ ادب سے بھی آشنا تھے، مدت تک آپ کے قلمی نگارشات مؤقر عربی رسالے ''البعث الاسلامی'' اور ''الرائد'' کی زینت بنتے رہے اور قارئین کے ذوق علم وادب کی تسکین کرتے رہے، ابھی عمر کی ۶۳ ویں بہار ہی آئی تھی کہ قضاء کا پروانہ آگیا اور ۲۲/ جون ۲۰۰۲ء کی شب علم وادب کا یہ پیکر دنیائے علم وادب کو خیر آباد کہتا ہوا رب حقیقی کے حضور حاضر ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولاناؒ کا شمار دار العلوم ندوۃ العلماء کے بڑے اساتذہ میں تھا، آپ عربی شعبہ کلیۃ اللغۃ کے نائب وکیل بھی تھے، نصاب کی ترتیب وترمیم اور اساتذہ کے لئے کتابیں متعین کرنا آپ کے ذمہ تھا، جس کو ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیمات ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی مدظلہ کی نگرانی میں بڑی خوش اُسلوبی کے ساتھ انجام دیتے تھے، اس کے علاوہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے جملہ ملحقہ مدارس کے آپ ذمہ دار بھی تھے، جہاں آپ ملحقہ مدارس کی تعلیمی صورت حال کا جائزہ لیتے، ان کے تعلیمی مسائل کو حل کرتے اور وقتاً فوقتاً ان مدارس کا دورہ کر کے وہاں کے معیارِ تعلیم کا جائزہ بھی لیتے تھے، نیز ان مدارس کے امتحانات کے مسائل اور شاخوں سے آنے والے طلبہ کے سارے معاملات کی بذات خود نگرانی کرتے تھے۔

آپ نے اپنی اس ۳۲ سالہ تدریسی زندگی میں بڑی تعداد میں تشنگانِ علوم کو سیراب کیا، سینکڑوں شاگردوں کو قلم پکڑنا سیکھایا، اسی کے ساتھ دار العلوم میں حدیث وفقہ اور عربی ادب کی اونچی کتابیں پڑھاتے رہے اور ایک کامیاب مدرس، عمدہ منتظم کی حیثیت سے دار العلوم کی خدمت کرتے رہے، لیکن ان سب میں سب سے اہم کام اور بڑا کارنامہ آپ کی تصنیف کردہ کتاب ''الفقہ المسیر'' ہے جو فقہ کے موضوع پر بہترین کتاب اور گراں قدر علمی سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہے، اسے آپ کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ اور لازوال علمی کاوش کہا جاسکتا ہے، یہ کتاب آپ نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ایماء ومشورے سے دار العلوم کے نصاب کے لئے تیار کیا تھا، لیکن جیسے زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آئی اہل علم نے اسے شوق کے ہاتھوں لیا اور ندوۃ العلماء کے علاوہ ہندوستان کے اکثر دینی مدارس میں داخل نصاب ہونے کی مستحق قرار پائی، پھر جب اس کا شہرہ ہندوستان کے باہر پہنچا، تو بیرون ہند کے ماہرین تعلیم نے بھی اس علمی کاوش کو سراہا اور اس کی تحسین کی، چنانچہ اب یہ ہندوستان و پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ افریقہ اور یورپ کے متعدد مدارس میں داخل نصاب ہے، صرف ہندوستان سے اس کے دسیوں ایڈیشن نکل چکے ہیں، جب کہ پاکستان کے دو مکتبہ والوں نے اسے الگ الگ شائع کیا ہے، بنگلہ دیش سے بھی شائع ہوئی ہے، اور کئی ایڈیشن نکلے ہیں اور اب دار ابن کثیر بیروت نے بھی بڑی آب وتاب کے ساتھ خوبصورت انداز میں شائع کیا ہے۔

آپ کا تعلق صوبہ بہار کے ایک گاؤں سنت پور، بیتیا ضلع مغربی چمپارن سے ہے، پوری تعلیم دار العلوم ندوۃ العلماء میں حاصل کی، بعد فراغت مادر علمی کے ہی استاذ منتخب ہوئے اور اخیر عمر تک دار العلوم کی تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، وفات کے وقت آپ کی عمر تقریباً ۶۳ سال کی تھی، آپ کی علمی خدمات میں ہزاروں شاگردوں کے علاوہ ''الفقہ المیسر'' جیسی بے مثال کتاب اور عربی رسالہ البعث الاسلامی اور الرائد کی قدیم فائلوں کے علمی وادبی مضامین بھی ہیں،

جس سے علم وادب کی دنیا میں آپ کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا اور ''الفقه المیسر'' کی وجہ سے سارے طالبانِ علم نبوت آپ کے منت کش اور احسان مند رہیں گے۔(۱)

(۱) ماہنامہ افکار ملی دہلی (بہار کی پچاس سالہ پیش رفت نمبر)، ص:۲۱۹

باب ششم

فقہ کے میدان میں
چند اُبھرتے فضلاء

ڈاکٹر علی احمد ندوی

ڈاکٹر علی احمد ندوی ان محقق علماء میں ہیں جو برصغیر ہندوپاک کے علاوہ عرب ممالک کے علمی حلقوں میں بھی ممتاز مقام رکھتے ہیں، تحریر کی شگفتگی اور فنی لیاقت کے اعتبار سے اپنے موضوع پر مستند سمجھے جاتے ہیں، علم فقہ اور خصوصاً قواعد فقہیہ آپ کا خاص موضوع ہے، جس سے متعلق متعدد وقیع کتابیں اب تک منظر عام پر آکر خراجِ تحسین وصول کر چکی ہیں، اس کے علاوہ فقہ کے جدید موضوعات پر بھی لکھتے رہتے ہیں اور اب تک متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کر چکے ہیں۔

تعلیمی سفر

ڈاکٹر علی احمد ندوی کا تعلق موڈاسا صوبہ گجرات سے ہے، ۷/مارچ ۱۹۵۴ء کو آپ نے اس جہانِ رنگ و بو میں آنکھیں کھولیں، والد محترم کا نام غلام محمد ہے، ابتدائی تعلیم مخدوم ہائی اسکول موڈاسا میں ہوئی، اس کے بعد گجراتی میڈیم سے سلسلہ تعلیم جاری رہا لیکن اسلامی علوم کے حصول کے شوق نے اُردو عربی زبان کی طرف مائل کیا، چنانچہ میٹرک کے امتحان میں استثنائی طور پر اُردو کا انتخاب کیا اور بروڈہ جاکر یہ امتحان دیا، عربی کی شُد بُد چار سو سال قبل گذرے ہوئے ایک مشہور عالم ومحدث مولانا طاہر پٹنیؒ کی یاد میں تعمیر کردہ مدرسہ طاہریہ پٹن (گجرات) سے حاصل کی، ہائی اسکول سے فراغت کے بعد انگلش میڈیم کے ذریعہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بجائے انھوں نے حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم مجددیؒ بانی جامعہ ہدایت جے پور اور مولانا سہراب علی مجددیؒ کی رہنمائی میں ۱۹۷۰ء کے اوائل میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کا رُخ کیا، عالمیت کی سند حاصل کی اور عرصہ تک اپنے دامن طلب کو بھرتے رہے، یہاں آپ کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی

خصوصی شفقت حاصل رہی، حضرت مولاناؒ کی نگاہوں نے آپ کے اشتیاق کوتاڑ لیا تھا، چنانچہ حضرت مولاناؒ نے عصر کی نماز سے قبل تھوڑا سا وقت آپ کے لئے مخصوص فرما دیا تھا، اس وقت منتخب مضامین سنتے اور اصلاح فرماتے، اس کے علاوہ فراغت کے بعد حضرت مولاناؒ کی کتاب ''نبی رحمت'' کا باقاعدہ املاء لکھنے کی سعادت بھی آپ کی قسمت میں آئی (۱)، پھر مزید علمی تشنگی کو بجھانے کے لئے الجامعہ الاسلامیہ مدینہ منورہ کا رُخ کیا اور کلیۃ الشریعۃ واُصول الدین کے شعبہ سے بی-اے کیا، بعد ازاں جامعہ اُم القریٰ مکۃ المکرّمۃ سے ایم-اے اور پی-ایچ-ڈی کی ڈگری مکمل کی، اس طرح آپ نے اپنے علمی ذوق کی تسکین کے لئے ملک و بیرون ملک کی متعدد دانش گاہوں سے اکتسابِ فیض کیا اور ہر جگہ ممتاز رہے۔

علمی وتحقیقی خدمات

تعلیم کی تکمیل کے بعد سعودی عرب میں مقیم ہوکر آپ نے اپنے تحقیقی سفر کا آغاز کیا، فقہ اور اُصولِ فقہ سے آپ کی دلچسپی شروع سے ہی تھی، چنانچہ ایم-اے کے مقالہ کے لئے اُصولِ فقہ کا موضوع منتخب کیا اور القواعد الفقھیہ کے موضوع پر تحقیقی مقالہ سپرد قلم کیا، یہ کتاب دارالقلم بیروت سے چھپ چکی ہے اور اب تک اس کے پانچ ایڈیشن نکل چکے ہیں، اسی طرح پی-ایچ-ڈی کے لئے آپ نے علامہ حصیریؒ کی کتاب ''التحریر'' کے فقہی قواعد وضوابط کو اپنا موضوع منتخب کیا اور مشرف کی نگرانی میں اس تحقیقی کاوش کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، علمی حلقوں میں یہ تحقیقی کاوش بہت پسند کی گئی، چنانچہ یہ بھی '' القواعد والضوابط المستخلصة من التحرير للحصيري '' کے نام سے زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہے، اس کے علاوہ مشہور حنفی فقیہ اور امام ابوحنیفہؒ کے مایہ ناز شاگرد کے متعلق '' الامام محمد بن الحسن الشيباني نابغة الفقة الاسلامي '' اور مالی قواعد کے موضوع پر '' جمهرة القواعد الفقهية فى المعاملات المالية '' (تین ضخیم جلدوں میں)

---

(۱) روزنامہ منصف (منارۂ نور ایڈیشن) حیدرآباد: ۱۸/۲۰۰۴ء

آپ کی تحقیقی خدمات ہیں۔

ڈاکٹر علی احمد نے اپنے ایم - اے کے مقالہ کی ترتیب کے سلسلہ میں مشہور فقیہ شیخ مصطفیٰ احمد زرقاء سے استفادہ کیا، چند ملاقاتوں کے بعد شیخ اپنا تاثر بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

> ''اپنی چند ملاقاتوں میں میں نے اسے ایک شریف النفس، بیدار مغز، ذہین، وسیع الفکر، کثیر المطالعہ اور بالغ نظر فاضل نوجوان پایا، قواعدِ فقہیہ کے مراجع پر ان کی گہری نظر ہے، جو میرے لئے تعجب واحترام کا باعث بنا''۔(۱)

پھر مقالہ کے تعلق سے مولانا موصوف کی محنت کو سراہتے ہوئے اور کتاب کی تحسین کرتے ہوئے شیخ زرقاء رقمطراز ہیں :

> ''میں نے اس کتاب میں عظیم علمی کاوش محسوس کی، جو اس بات پر شاہد ہے کہ مؤلف نے اس کے جمع وترتیب میں غایت درجہ عرق ریزی اور تتبع سے کام لیا ہے، جس کی وجہ سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ فاضل مؤلف نے قواعدِ فقہیہ کی تقریباً سبھی معلومات کا احاطہ کرلیا ہے، اب مزید کی ضرورت نہیں، سوائے ان فقہی جزئیات اور فروعیات کے جس میں اقوال وآراء کے لئے ایک وسیع میدان ہے جس کی کوئی حد نہیں، اس طرح مذکورہ کتاب کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ قواعدِ فقہیہ میں پہلا رسالہ ہے، جو اپنے موضوع پر ہر حیثیت سے حاوی اور محیط ہے''۔(۲)

حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر علی احمد ندوی نے فقہی قواعد پر جو کام کیا ہے اور فقہی قواعد وفقہی

---

(۱) القواعد الفقہیہ (مقدمہ)ص:۱۱ (۲) حوالہ سابق ص:۱۲

جزئیات کے درمیان تطبیق دے کر ان قواعد کو سمجھنے اور ان سے مسائل کا استنباط کرنے کی راہ ہموار کی ہے، وہ ان کے اعلیٰ تحقیقی ذوق کی آئینہ دار ہے، مولانا کی ان کتابوں نے عالم عرب میں خاص طور پر بڑا اچھا اثر ڈالا ہے، اس طرح جدید موضوعات پر کام کرنے والے محققین کے لئے مولانا نے خاصا مواد فراہم کر دیا ہے۔

بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت اور مقالات

ان کتابوں کے علاوہ مولانا کا بڑا علمی و تحقیقی سرمایہ مقالات کی شکل میں ہے، آپ متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کر چکے ہیں، خصوصاً فقہی کانفرنسوں میں اکثر شریک ہوتے رہتے ہیں اور اس طرح جدید فقہی موضوعات پر غور و فکر کا سلسلہ جاری رہتا ہے، یہ قیمتی مقالات بڑی تعداد میں محفوظ ہیں، اگر یہ زیورِ طبع سے آراستہ ہو جائیں تو نئی نسل کے لئے گراں قدر اثاثہ ہوں گے۔

اس کے علاوہ آپ نے مختلف فقہی مسالک کی بنیادی اور اہم کتابوں کی جدید انداز میں فہرست سازی کا کام بھی کیا ہے اور آپ کو مشہور فقیہہ شیخ مصطفیٰ احمد الزرقاء کے ساتھ تصنیفی کام کرنے کا موقع بھی ملا ہے، جو کسی ہندی نژاد عالم کے لئے ایک اعزاز سے کم نہیں۔

شاہ فیصل ایوارڈ

ڈاکٹر علی احمد کی ان علمی و تحقیقی کاوشوں کے پیش نظر امسال بین الاقوامی سطح پر دیکھے جانے والے باوقار ادارہ کنگ فیصل فاؤنڈیشن کی طرف سے مؤقر ''کنگ فیصل انٹرنیشنل ایوارڈ'' کا مستحق قرار دیا گیا ہے، اسلامک اسٹڈیز کے موضوعات پر تحقیقی کام کی بناء پر یہ مشترک ایوارڈ آپ کو تفویض کیا گیا، اس ایوارڈ میں آپ کے ساتھ سعودی عرب کے جید عالم دین ''ڈاکٹر یعقوب عبدالوہاب'' شریک ہیں، یہ ایوارڈ دو لاکھ ڈالر نقد اور دو سو گرام وزنی طلائی تمغہ پر مشتمل ہے، اس

طرح آپ فیصل ایوارڈ پانے والے چوتھے ہندوستانی ہیں، اس سے قبل سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی اس ایوارڈ سے سرفراز ہو چکے ہیں، ان دنوں آپ الراجحی فینانشیل کمپنی میں محکمہ مشیرانِ شرعی کے سربراہ ہیں۔

اس وقت جن تحقیقی پروجیکٹوں پر کام چل رہا ہے، وہ اس طرح ہیں:

۱) فقہی مراجع اور احادیث کی کتابوں میں موجود فقہی قواعد کی تخریج وتطبیق

۲) سرمایہ واقتصادیات سے متعلق اصطلاحات کی عربی وانگریزی ڈکشنری کی تیاری

۳) عیسیٰ ایوبی حنفی (م: ۶۲۳ھ) کی کتاب اُصول الجامع الکبیر کی تحقیق وایڈیٹنگ

۴) امام سراج الدین عمر بن رسلان البلقینی شافعی (م: ۸۰۵ھ) کی کتاب الفوائد الجسام علی قواعد ابن السلام کی تحقیق وایڈیٹنگ۔

مولانا ایوب ندوی

ندوی فضلاء میں جن حضرات نے فقہ کو اپنی فکر و تحقیق کا موضوع بنایا اور مستقل علمی کاوشوں کے ذریعہ علمی حلقوں میں اپنا مقام پیدا کیا، ان میں ایک قابل ذکر نام مولانا ایوب ندوی کا ہے۔

مولانا ایوب ندوی ۶ / جون ۱۹۴۵ء کو منگلور میں پیدا ہوئے، آپ کے والد محترم کا نام محمد اسماعیل برماور ہے، ابتدائی تعلیم انجمن اُردو اسکول بھٹکل میں حاصل کی، جب کہ ثانوی تعلیم جنوبی ہند کی مشہور و معروف دانش گاہ جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں مکمل کی، اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ تشریف لے گئے، یہاں آپ کو اساتذۂ فن سے فیض یاب ہونے اور علم و فن کے گل بوٹوں سے دامن مراد بھرنے کا موقع ملا، چنانچہ آپ نے اس دانش گاہ سے پورا پورا استفادہ کیا اور وقت کے تقاضوں کے مطابق علم وفن کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر وطن واپس لوٹے۔

فراغت کے بعد ۱۹۷۴ء میں اپنی مادر علمی جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں بحیثیت استاذ آپ کا انتخاب ہوا، یہاں ۱۹۹۸ء تک طالبان علوم نبوت کو فیض یاب کرتے رہے، جامعہ میں آپ کو فقہ وحدیث کی اونچی کتابیں پڑھانے کو ملیں، پھر فقہ سے مناسبت کی وجہ سے آپ نے فقہ شافعی کا خصوصی مطالعہ کیا اور فقہ شافعی کو اُردو میں منتقل کرنے کی کوشش شروع کی۔

آپ کا اُسلوب بہت آسان اور عام فہم ہوتا ہے مسائل کو سمجھانے پر بڑی قدرت رکھتے ہیں، فقہ شافعی کو اُردو میں منتقل کرنے کا جو سلسلہ شروع آپ نے کیا ہے، وہ علمی حلقوں میں کافی پسند کیا گیا اور اس کی وجہ سے اُردو داں طبقہ کو بڑا فائدہ پہنچا۔

فقہ شافعی کے اصل مراجع کو سامنے رکھ کر آپ نے اُردو میں متعدد اہم کتابیں تصنیف کی

ہیں جن میں چند اس طرح ہیں :

شافعی فقہ اول و دوم، کتاب الزکوٰۃ، مناسک حج، تقسیم میراث وغیرہ۔

ان دنوں آپ ہندوستان کے تمام صوبوں میں مکاتب کے قیام، مدارس کے استحکام اور مساجد کی تعمیر کے تعلق سے کوشاں ہیں اور ''مجلس احیاء المدارس'' کے ذریعہ ان مقاصد کی تکمیل کے لئے ہمہ وقت مصروف ہیں، اس سلسلہ میں مکاتب کے نصاب اور اساتذہ کی تربیت کے لئے چند کتابیں بھی مرتب کی ہیں، افسوس کہ ان مشاغل نے علمی و تالیفی دنیا سے آپ کا رشتہ کمزور کردیا ہے۔

مولانا صدر الحسن ندوی

پیدائش اور تعلیم

مولانا صدر الحسن ندوی کی پیدائش ۵/ فروری ۱۹۵۷ء مطابق ۱۳۷۵ھ بروز شنبہ کو اپنے آبائی وطن فاطمہ چک ضلع شیوہر بہار میں ہوئی، والد کا نام محمد سلیمان صدیقی ہے، جو اسکول کے ٹیچر تھے، جب کہ آپ کے دادا اور پر دادا برطانوی عہد میں گماشتہ اور داروغہ کے منصب پر فائز تھے۔

مولانا کی ابتدائی تعلیم مدرسہ عربیہ ڈومری میں ہوئی، جس کی بنیاد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے ڈالی تھی، اس کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء سے عالمیت، فضیلت اور افتاء کی سندیں حاصل کیں، پھر مزید علمی تشنگی کو بجھانے کے لئے سعودی عرب تشریف لے گئے اور وہاں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے کلیۃ الشریعہ سے لیسانس (بی-اے) اور قضاء کی ڈگری حاصل کی، یہاں علمی تفوق، مختلف فنون سے واقفیت اور مجموعی صلاحیت وصالحیت کی بناء پر ''الطاب المثالی'' کی سند سے بھی نوازے گئے، پھر ہندوستان آکر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ایم-اے اور پی-ایچ-ڈی مکمل کیا۔

علمی خدمات

مدینہ منورہ سے واپسی کے بعد جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم اونگ آباد (مہاراشٹر) سے اپنا تدریسی سفر شروع کیا اور اب تک اسی دینی درس گاہ میں تشنگانِ علوم کو سیراب کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا ہے، اُردو کے ساتھ عربی زبان وادب پر یکساں قدرت رکھتے ہیں، شعر وادب کا بھی ذوق ہے، کئی ادبی انجمنوں کے رکن بھی ہیں، اس کے علاوہ فقہ سے

خصوصی تعلق ودلچسپی ہے،اسلامک فقہ اکیڈمی کے سیمیناروں میں اکثر شریک ہوتے ہیں جہاں آپ کے بہت سے مقالات پسند کئے گئے ہیں،اس طرح بیک وقت ادیب وشاعر بھی ہیں،میدان فقہ کے شہسوار بھی اور ملی اور سماجی تنظیموں کے رکن بھی،فکر وخیال کے تنوع کے ساتھ آپ کی قلمی یادگاریں بھی مختلف سمتوں میں رہنمائی کرتی ہیں،آپ نے ادب،تاریخ،کلام اور فقہ جیسے مختلف موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے،لیکن فقہ ہی زیادہ مرکزِ توجہ رہا ہے،آپ کی ۲۷/ کتابیں اب تک شائع ہوچکی ہیں،جن میں ۱۴/ فقہی موضوعات پر ہیں،چند اہم کتابیں اس طرح ہیں :

۱) اورنگ زیب اور تدوین فتاویٰ عالمگیری

۲) فقہ اسلامی اور مستشرقین

۳) الفرائد فی الفرائض (عربی)

۴) موقف الاسلام من التامین

۵) اسلام کا نظام عشر وزکوٰۃ

۶) حقوق کی بیع

ان کتابوں کے علاوہ بڑی تعداد میں آپ کے مضامین اور مقالات بھی ہیں، جو مختلف علمی وادبی رسالوں میں شائع ہوئے ہیں۔

مولانا محمد رئیس ندوی

مولانا رئیس ندوی صاحب ۷/ جولائی ۱۹۳۷ء کو بھٹیا، مرویًا ضلع بستی (موجودہ سدھارتھ نگر) میں پیدا ہوئے، آپ کے والد محترم کا نام سخاوت علی ہے، مکتب کی تعلیم کے بعد گاؤں کے قریب کسی اسکول میں ہائی اسکول تک کی تعلیم حاصل کی، پھر مدرسہ بدریہ پکا بازار بستی میں چند سال رہکر ۱۹۵۷ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے اور ۱۹۶۰ء میں عالمیت کی سند حاصل کی۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد مدرسہ بدریہ بستی میں مدرس ہوئے، پھر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے مشورہ سے جامعہ سلفیہ سراج العلوم جھنڈا نگر میں تدریس شروع کی، اس کے چند سال بعد ۱۹۶۱ء میں قاری عبدالحمید بانسیؒ کی تحریک پر جماعت اہلِ حدیث کی مرکزی درسگاہ جامعہ اسلامیہ سلفیہ بنارس میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، اور اس وقت سے اب تک یہیں اپنے تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔

آپ کے اجداد حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تحریک سے وابستہ تھے، بانسی کے قاری عبدالحمیدؒ اور مجھوا میر کے مولانا میر جعفرؒ اس تحریک میں روح رواں کی حیثیت رکھتے تھے، چنانچہ آپ کا خاندان بھی مسلکاً اہلِ حدیث سے تعلق رکھتا ہے، اور آپ نے جو کچھ علمی کام کیا ہے ان کا بیشتر حصہ بھی اپنے مسلکی مسائل کے اردگرد گھومتا نظر آتا ہے۔

آپ کی تصنیفی زندگی کا آغاز دارالعلوم کے زمانہ طالبِ علمی سے ہی شروع ہوتا ہے، اس وقت عالمیت کے آخری سال میں ایک تحقیقی مقالہ مرتب کرنا لازمی تھا، اس کے لئے آپ نے ''الیہود فی القرآن'' کے موضوع پر اپنا مقالہ لکھا، اساتذہ نے اس مقالہ کو کافی پسند کیا اور آپ

کے کام کی تحسین کی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے آپ کے مقالہ کو دیکھ کر آپ کو ''تاریخ یہود'' کے موضوع پر ایک مفصل کتاب لکھنے کا مشورہ دیا اور مراجع کی فراہمی کے ساتھ علمی تعاون کا وعدہ کیا، حضرت مولاناؒ کے مشورہ سے آپ نے اس موضوع پر چار ضخیم جلدوں میں کتاب تیار کی، ابھی اس کی پانچویں جلد پر کام چل ہی رہا تھا کہ یہ علمی سرمایہ کسی کی نظر بد کا شکار ہو گیا، اور منظر عام پر آنے سے پہلے ہی یہ پورا سرمایہ تلف ہو گیا، اس کے بعد آپ کی پہلی باضابطہ تصنیف ''**تصحیح العقائد بابطال شواهد الشاهد**'' کے نام سے منظر عام پر آئی، یہ کتاب آپ نے مولانا عبدالرؤف جھنڈانگریؒ کے حکم پر ایک صاحب کی کتاب ''شاہد'' کے جواب میں لکھی، اس کے بعد آپ نے ''**اللمحات الی مافی انوار الباری من الظلمات**'' لکھی، اس کی چار ضخیم جلدیں شائع ہو چکی ہیں، پانچویں جلد زیر طبع ہے اور چھٹی اور ساتویں جلد ابھی زیر ترتیب ہے۔

فقہ سے متعلق آپ کی کتابیں درج ذیل ہے ہیں :

(۱) اسلام میں نماز جمعہ کا حکم

(۲) غایۃ التحقیق فی اضحیۃ ایام التشریق

(۳) تنویر الآفاق فی مسئلۃ الطلاق

(۴) قصہ ایام قربانی کا

(۵) رکعات تراویح

(۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقہ نماز

(۷) الخاتم اور اس کے مسائل

(۸) مفقود الخبر شوہر کا شرعی حکم

(۹) صحت نکاح کے لئے ولی اور کفو کی شرط

(۱۰) کتاب العقیقہ

ان کے علاوہ مختلف موضوعات پر دس سے زائد کتابیں ہیں۔

فقہ سے متعلق مذکورہ کتابوں کے نام سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتابیں اہلِ حدیث مسلک کے اعتبار سے لکھی گئی ہیں، اور بعض حنفی مسلک یا کسی مسئلہ کے جواب میں ہیں، احناف کے خلاف یا کسی مسئلہ کی تردید میں آپ کی جو تحریریں ہیں ان میں آپ نے یہ انداز اختیار کیا ہے کہ پہلے احناف کے دلائل کا جائزہ لیا ہے، پھر ان دلائل اور خصوصاً حدیث کی روایتوں پر ہر اعتبار سے تفصیلی کلام کیا ہے اور سند و متن دونوں اعتبار سے ان روایتوں کو کمزور اور ضعیف ثابت کرنے کے بعد اپنے مسلک کی وضاحت کی ہے، اور اپنے مسلک کی تائید میں روایتیں نقل کی ہیں، اس طرح آپ کی بعض کتابوں میں فقہ سے زیادہ حدیث کے مباحث ملتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ آپ نے بڑی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ یہ علمی و تحقیقی سرمایہ تیار کیا ہے، اگر آپ کی یہ محنت اور جانفشانی مختلف فیہ مسائل کی توثیق و توضیح اور دوسرے مکاتب فکر پر جارحانہ تنقید کے بجائے نئے مسائل کی تحقیق یا اسلام پر ہونے والے نت نئے اعتراضات کے جواب میں صرف ہوتی تو استفادہ و افادہ کے لحاظ سے یہ بدرجہا بہتر ہوتا۔

مولانا ڈاکٹر سید حسنین احمد ندوی

مولانا ڈاکٹر سید حسنین احمد ندوی صوبہ بہار، ضلع سمستی پور کے ایک قریہ منیار پور سے تعلق رکھتے ہیں، ۲۲/ دسمبر ۱۹۶۲ء میں زندگی کی آنکھیں کھولیں، آپ کے والد محترم کا نام جناب ڈاکٹر سید غلام صمدانی ہے، مکتب کی تعلیم کے بعد صوبہ بہار کی مشہور دانش گاہ جامعہ رحمانی مونگیر میں اپنی تعلیم کا آغاز کیا، اور محنت ولگن کے ساتھ یہاں متوسطات تک کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند گئے، اور دورہ حدیث شریف کی سعادت حاصل کی۔

پھر اپنے ادبی ذوق کی تسکین اور اپنی فطری صلاحیتوں کے نشو ونما کے لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء کا رُخ کیا، اور تخصص فی الادب میں داخلہ لے کر ایک نئی علمی وفکری زندگی کا آغاز کیا، موضوع کے اعتبار سے آپ نے خصوصی فیض حضرت مولانا سید واضح رشید ندوی اور حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی (ایڈیٹر البعث الاسلامی) سے اٹھایا، لیکن اصلاً دارالعلوم کی علمی فضاء، قدیم وجدید کے امتزاجی ماحول اور مسلکی شدت کی جگہ اعتدال پسندی اور وسعت قلبی نے آپ پر گہرا اثر ڈالا، اور ان دو سالوں کے اندر آپ نے علم وادب کے گہر بار موتی چننے اور ان سے اپنے دامن مراد کو بھرنے کے ساتھ یہاں کے اصل مزاج وعلمی مذاق کو بھی اپنی شخصیت میں سمویا، چنانچہ اس کی گہری چھاپ، آپ کی شخصیت اور علمی وتحقیقی کاموں میں دیکھائی دیتی ہے۔

دینی تعلیم سے فراغت اور قدیم وجدید دونوں مکاتب فکر سے علمی وفکری استفادہ کے بعد آپ نے عصری علوم کی تحصیل شروع کی، چنانچہ لکھنؤ یونیورسٹی سے بی-اے کرنے کے بعد جامعہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد سے پولیٹیکل سائنس سے ایم-اے اور بہار یونیورسٹی مظفر پور سے پی-ایچ-ڈی

مکمل کی اور ''ہندوستانی سماج پر رسم ورواج کا اثر'' کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کے لئے اپنا مقالہ پیش کیا۔

اس طرح دینی وعصری دونوں سرچشموں سے فیض یاب ہونے کے بعد آپ نے تدریسی زندگی کی شروعات کی، جنوبی ہند کی ایک مشہور دینی درس گاہ دارالعلوم سبیل السلام حیدر آباد میں دو سال استاذ رہے، پھر انڈین اصلاحی اسلامک اسکول ابوظبی میں ۹ رسالوں تک تدریسی خدمت انجام دیتے رہے، اوراب کلیۃ الشرطۃ ابوظبی (پولیس کالج) کے لکچرار کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

تدریسی زندگی کے ساتھ آپ کی علمی وتحقیقی سرگرمیاں بھی جاری ہیں، اس سلسلہ میں آپ کی پہلی باضابطہ تصنیف ''حضرت ابو ہریرہؓ، حیات وخدمات'' ہے، جو کتب خانہ نعیمہ دیوبند سے شائع ہو چکی ہے، اس کے علاوہ فقہ کے جن موضوعات پر آپ نے کام کیا ہے، ان میں سب سے اہم ''شرکت کا فقہی تصور اور اس کی جدید صورتیں'' ہیں، اس میں آپ نے شرکت سے متعلق تفصیلی بحث کی ہے، اور جدید ترقی کے دور میں اس کی جتنی شکلیں بن چکی ہیں، اہلِ علم ان کی پیچیدگی سے واقف ہیں، ان سبھوں کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے فقہی حیثیت سے بحث کی ہے اور شرعی نقطہ نظر سے اس پر حکم بھی لگایا ہے، یہ کتاب اندازاً تین سو صفحات پر مشتمل ہے اور ابھی طباعت کے مرحلہ میں ہے۔

آپ کی دوسری اہم علمی کاوش ''منشیات اور اس سے متعلق احکام'' ہے، اس جدید موضوع پر بھی آپ نے بڑے شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے، اور اس کے ذیل میں آنے والے فقہی مباحث پر نہ صرف گفتگو کی ہے بلکہ قرآن وحدیث اور چاروں مسالک کی روشنی میں ان کا شرعی حکم بھی بیان کیا ہے، ۳۰۰/صفحات پر مشتمل یہ کتاب بھی ابھی زیرِ طبع ہے۔

''دہشت پسندی اور اسلام'' آپ کی تیسری علمی کاوش ہے، یہ بھی اپنے موضوع پر ایک مبسوط علمی وتحقیقی سرمایہ ہے، ۱۸۰/صفحات پر مشتمل ہے اور ابھی طباعت کے مرحلہ سے گذر رہا ہے۔

آپ کے سرمایہ علمی میں مختلف علمی موضوعات پر آپ کے متعدد مضامین بھی ہیں جو مختلف علمی و تحقیقی مجلوں اور جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں، ان سب کے علاوہ اس وقت آپ دینی مدارس کے اساتذہ کے لئے بی۔ ایڈ قسم کے تعلیمی و تربیتی نصاب کی تیاری میں مشغول ہیں، جو کئی جلدوں پر مشتمل ہوگا، اور جس میں تعلیم اور تدریس کے فنی گوشوں کی وضاحت کے ساتھ اساتذہ کی تربیت ورہنمائی اور مختلف فنون کو پڑھانے کے کامیاب طریقے اور طلبہ و تعلیم کی نفسیات وغیرہ پر روشنی ڈالی جائے گی۔

آپ مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک اور باغ و بہار شخصیت کے حامل ہیں، قدرت نے آپ کی زبان میں ظرافت کا بڑا پہلو رکھا ہے، اُردو کے ساتھ عربی اور انگریزی تینوں زبانوں سے واقف ہیں، جدید موضوعات اور نئے پیدا ہونے والے مسائل آپ کا خاص موضوع ہے، ان ہی مسائل کو آپ ہمیشہ اپنی فکر و تحقیق کا مرکز بناتے ہیں، جدید علوم وفنون، نئی ایجادات وترقیات سے بڑی واقفیت اور عالم اسلام کے سیاسی حالات اور ان کے احوال وکوائف سے بڑی دلچسپی رکھتے ہیں، شیریں زبان کے ساتھ گہربار قلم بھی آپ کے حصہ میں آیا ہے، آپ کی تحریروں میں دریا کی روانی کے ساتھ سمندر کی گہرائی بھی پائی جاتی ہے، جو آپ کا امتیاز ہے۔

مولانا طارق ندوی

مولانا طارق ندوی صاحب کی پیدائش ۲/ جنوری ۱۹۶۰ء میں بارہ بنکی میں ہوئی، آپ کے والد جناب اظہر علی صدیقی صاحب ہیں، جو تقریباً بیس سالوں تک سنی وقف بورڈ کے ملازم رہے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پہ حاصل کی، پھر ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا اور بالکل ابتدائی درجہ سے تعلیم شروع کی اور یکے بعد دیگرے مختلف درجات مکمل کرتے ہوئے ۱۹۷۹ء میں عالمیت کی سند لی، اس کے بعد دار العلوم میں تفسیر سے اختصاص کیا، اس طرح ایک طویل مدت تک آپ کو اس دانش کدہ سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا، چنانچہ اس میخانہ علم وادب سے آپ نے وہ سب کچھ حاصل کیا جو ایک ہونہار طالب علم اور باکمال فارغ التحصیل کے اندر ہونا چاہئے، یہاں دینی علوم میں گہرائی پیدا ہوئی، مطالعہ میں وسعت اور فکر وخیال میں توازن واعتدال آیا، فقہ سے دلچسپی پیدا ہوئی اور دیگر علوم وفنون سے آشنا ہوئے۔

ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد عصری علوم کی تحصیل کے لئے ممتاز ڈگری کالج لکھنؤ میں بی-اے میں داخلہ لیا اور امتیازی نمبرات کے ساتھ گریجویشن مکمل کیا، اس کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی میں عربک لٹریچر سے ایم-اے پاس کیا۔

دینی وعصری تعلیم کی تکمیل کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء کے استاذ مقرر ہوئے اور اب تک اسی منصب پر فائز ہیں، تدریسی خدمت کے ساتھ دار الافتاء کے معاون مفتی بھی ہیں اور اب تک بڑی تعداد میں فتاویٰ آپ کے قلم سے جاری ہو چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو گوناگوں صفات سے نوازا ہے، بیک وقت باکمال مدرس، کامیاب

خطیب، بہترین قلم کار، ہر دل عزیز سماجی کارکن اور مفتی وفقیہ ہیں، فقہ کا اچھا ذوق رکھتے ہیں اور آسان زبان میں مسائل کو پیش کرنا آپ کا بڑا کمال ہے، ندوۃ العلماء کے ترجمان پندرہ روزہ تعمیر حیات میں تقریباً ۱۹۸۲ء سے فقہی سوال وجواب کا کالم لکھ رہے ہیں، درس قرآن کے عنوان سے آسان زبان میں عوام کے لئے تفسیر بھی لکھتے رہتے ہیں، اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر مضامین بھی لکھتے رہتے ہیں۔

تعمیر حیات میں سوال وجواب کے عنوان سے جو فقہی مسائل کا کالم لکھتے ہیں اس کو اب فقہی ابواب کی ترتیب سے مرتب کر رہے ہیں اور اس کے دو رسالے ''فقہی مسائل'' اور ''سوال وجواب'' کے نام سے چھپ کر منظر عام پر بھی آ چکے ہیں۔

ان رسالوں پر ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث مولانا ناصر علی ندوی، مولانا مفتی ظہور صاحب ندوی اور مولانا عتیق احمد بستوی کی تقاریظ ہیں، جس سے اس کی اہمیت وافادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ''فقہی مسائل'' کے پیش لفظ میں حضرۃ الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی تحریر فرماتے ہیں:

> ''ادھر عرصہ سے تعمیر حیات میں سوال وجواب کا کالم شامل ہے، جس کو مولانا طارق ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء تحریر فرماتے ہیں، کچھ قارئین کے سوالات کے جوابات اس کالم میں دیئے جاتے ہیں اور کچھ اپنی طرف سے لوگوں کی ضرورت کے مطابق قائم کئے ہوئے سوالات کے جوابات بھی اس کالم میں دیئے جاتے ہیں، ان جوابات کی میری نگاہ میں سب سے اہم خصوصیت اس کی سلاست وروانی اور مشکل مسائل کی بھی عام فہم تعبیر ہے''۔(۱)

---

(۱) فقہی مسائل مقدمہ، ص:۵

اس کے علاوہ دیگر اکابر اہل علم نے بھی ان تحریروں کو سراہا ہے اور اس کی تحسین کی ہے جس سے مولانا طارق صاحب ندوی کے فقہی ذوق اور کمال علم کا پتہ چلتا ہے۔

مولانا محمد ظفر عالم ندوی

مولانا محمد ظفر عالم صاحب ندوی بہار کے ضلع پورنیہ سے تعلق رکھتے ہیں، پیدائش ۳/نومبر ۱۹۶۶ء کو بسہاری، بائسی نامی گاؤں کے ایک معروف خاندان میں ہوئی، والد محترم جناب محمد تمیز الدین صاحب شعبہ تعلیم میں سرکاری ملازم تھے، جو جلد ہی ریٹائر ہوئے ہیں۔

ابتدائی تعلیم

آپ کے پورے خاندان میں عصری تعلیم کا رجحان ہے اور اکثر افراد اسی رشتہ سے جڑے ہوئے میدان سیاست میں سرگرم ہیں، لیکن مولانا کی تعلیم شروع سے ہی دینی نہج پر ہوئی، ابتدائی تعلیم علاقہ کے مدرسہ فیض العلوم منجھلی میں پائی، پھر بہار کے مشہور تعلیمی ادارہ مدرسہ رحمانیہ سوپول ضلع دربھنگہ میں داخلہ لیا اور مولانا قاسم سوپولوی مرحوم، مولانا شمس الہدیٰ صاحب، مولانا ہارون رشید صاحب اور مولانا محمد قاسم صاحب مظفر پوری مدظلہ جیسے دیدہ ورانِ چمن کی صحبت میں اپنی ثانوی تعلیم کا آغاز کیا، اکابر علم وفن سے آپ نے بھرپور استفادہ کیا، خصوصاً مولانا محمد قاسم مظفر پوری کی شفقت ومحبت آپ کو حاصل رہی اور ان کی فیض تربیت کے نتیجہ میں ہی آپ کے جوہر نکھرنے شروع ہوئے اور پھر مولانا کے مشورہ سے ہی آپ نے دار العلوم ندوۃ العلماء کا رُخ کیا۔

اعلیٰ تعلیم

۱۹۸۴ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا اور پوری محنت ولگن اور دلجمعی کے ساتھ یہاں کی تعلیم شروع کی، اس دانش گاہ میں آپ کو کھل کر چمنستان علم کے مختلف پھولوں سے عطر کشید کرنے کا موقع ملا اور تقریباً ۱۹۸۹ء تک اس کے گل بوٹوں سے اپنے جیب

ودامن کو بھرتے رہے۔

اس طویل مدت میں آپ نے مختلف ماہر اساتذہ خصوصاً مولانا ابوالعرفان خان ندویؒ اور مولانا ضیاء الحسن صاحبؒ سابق شیخ الحدیث، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ اور ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ جیسے اساطین علم سے اکتساب فیض کیا۔

اختصاص فقہ

ندوۃ العلماء میں آپ کے اندر علمی ذوق اور تحقیق وجستجو کی صفت پیدا ہو چکی تھی اور علم کے بحر عمیق سے صدف ریزی کے لطف سے آشنا ہو چکے تھے، چنانچہ فراغت کے بعد ۱۹۹۰ء میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد کے شعبہ اختصاص فقہ میں داخلہ لے کر پورے ایک سال اپنی علمی تشنگی بجھاتے رہے اور حضرت مولانا مدظلہ سے خصوصی استفادہ کرتے رہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریس وافتاء کی ذمہ داری

یہاں سے فراغت کے بعد مادر علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء کی وسیع علمی فضاء میں کام کرنے کا موقع ملا اور تدریس وافتاء کی ذمہ داری آپ کے سپرد ہوئی، جسے اب تک بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔

علمی کاوشیں

علم فقہ شروع سے ہی آپ کا پسندیدہ موضوع رہا ہے، پھر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حفظہ اللہ کی تربیت ونگرانی میں پورا فقہی ذوق ملا، جس کی وجہ سے اس موضوع کو ہی آپ نے اپنی تالیف وتحقیق کی جولان گاہ بنایا، طویل عرصہ سے ماہنامہ بانگ دار لکھنؤ میں فقہی سوال وجواب کا کالم لکھ رہے ہیں، اسلامک فقہ اکیڈمی کے اکثر سیمیناروں میں شریک ہوتے ہیں، اس کے لئے

پندرہ سے زیادہ فقہی وتحقیقی مقالات تحریر کرچکے ہیں، جو اکثر مجلّہ ’’فقہ اسلامی‘‘ کی زینت بنتے رہتے ہیں، اس کے علاوہ تدریس کے ساتھ دارالافتاء کی عظیم ذمہ داری بھی آپ کے سپرد ہے، چنانچہ اب تک تین ہزار سے زائد فتاویٰ آپ کے قلم سے جاری ہوچکے ہیں۔

آپ کی علمی وتحقیقی کاوشوں کا بڑا حصہ اب تک غیر مطبوعہ شکل میں ہے، جس میں چند اہم اس طرح ہیں:

۱) علامہ عینیؒ اور ان کی کتاب عمدۃ القاری (سو صفحات سے زائد)
۲) امام طبریؒ حیات اور کارنامے (سو صفحات)
۳) حکم الازدواج فی الاسلام (پچاس صفحات سے زائد)
۴) کتاب اللہ سے اخذ واستنباط کے طریقے اور اُصول (سو صفحات سے زائد)
۵) حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے نظریات وکارنامے، (مقالہ)
٦) وقف کی اہمیت اور اس کی افادیت (سو صفحات سے زائد)
۷) کتاب العشر والزکوٰۃ (تقریباً پچاس صفحات)

اس کے علاوہ دیگر موضوعات پر بھی آپ کے مقالات مختلف رسائل میں طبع ہوچکی ہیں۔

مولانا فہیم اختر ندوی

تعلیم

مولانا فہیم اختر ندوی ۷/ستمبر۱۹۷۱ء کو سمستی پور میں پیدا ہوئے، آپ کے والد کا نام حافظ محمد اختر صاحب ہے، ابتدائی تعلیم گھر پہ ہوئی، پھر دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا اور ۸۲ء میں حفظ وتجوید کی تعلیم مکمل کی، پھر ۱۹۸۹ء میں عالمیت اور ۱۹۹۱ء میں فضیلت اور ۱۹۹۲ء میں افتاء کی سند امتیازی نمبرات کے ساتھ حاصل کی، اس طرح ندوہ کی فکر کو دیکھنے اور اس کی علمی وادبی گلگاریوں سے مشام جاں کو معطر کرنے کا سنہری موقع نصیب ہوا، آپ نے اس مبارک موقع کو پوری طرح کام میں لایا، یہاں کے اساتذہ فن سے اکتساب فیض کیا اور اس کی علمی فضاء میں اپنے جیب ودامن کو علم وادب کے صدف ریزوں سے بھرتے رہے اور پھر ایک ہونہار فاضل اور ندوی فکر کے ترجمان کی حیثیت سے مادر علمی سے رخصت ہوئے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کی خدمت

دار العلوم سے فراغت کے بعد حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ نے اس جوہر قابل کو اسلامک فقہ اکیڈمی کے لئے چنا، مولانا فہیم صاحب نے قاضی صاحبؒ کے فیض تربیت سے بھی فائدہ اُٹھایا اور آپ کی سرپرستی میں اکیڈمی کے مختلف علمی وعملی کام بھی انجام دیئے، قاضی صاحبؒ جب آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر منتخب ہوئے تو آپ پرسنل لاء کے آفس سکریٹری بھی بنائے گئے، اس کے علاوہ قاضی صاحب کے پرائیوٹ سکریٹری کی حیثیت سے ہمیشہ کام کیا اور اب

بھی اکیڈمی کے علمی مجلس کے انچارج کی حیثیت سے کام کرر ہے ہیں۔

اس مدت میں اکیڈمی کی مشغولیات کے ساتھ ۱۹۹۷ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے بی، اے کیا، پھر ۲۰۰۲ء میں دہلی یونیورسٹی سے ایم،اے کیا اور اب جامعہ ملیہ اسلامیہ سے پی، ایچ، ڈی جاری ہے۔

بیرونی اسفار

حضرت قاضی صاحب مرحوم کی رفاقت میں آپ نے ملک و بیرون ملک کا متعدد سفر کیا اور علمی، فقہی اور تحقیقی سیمیناروں میں شرکت کی، جس میں انٹرنیشنل سیمینار کویت ۱۹۹۷ء، انٹرنیشنل امام ابوحنیفہؒ سیمینار پاکستان ۱۹۹۸ء، بین الاقوامی فقہی سیمینار بحرین کے علاوہ سعودی عرب، امارات عربیہ، کویت، قطر اور ساؤتھ افریقہ کے اسفار شامل ہیں۔

علمی خدمات

آپ اُبھرتے ہوئے مقبول قلم کار ہیں، عربی زبان پر قدرت رکھتے ہیں، فقہ ومتعلقات پر وسیع نظر ہے، عصری علوم اور جدید فنون سے بھی آشنا ہیں، اب تک دو درجن سے زائد علمی و فقہی مقالات ومضامین مختلف رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں، موسوعہ فقہیہ کے ترجمہ کے علاوہ آپ کی تازہ تصنیف ''فقہی اختلافات اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا موقف'' ابھی چھپ کر آئی ہے اور مختلف موضوعات سے متعلق آٹھ عربی کتابوں کے ترجمے بھی چھپ چکے ہیں، جو اس طرح ہیں:

۱— حدیث نبوی ﷺ اور علم النفس (۳۸۲/صفحات)

۲— قرآن اور علم النفس (۴۶۵/صفحات)

۳— عورت عہد رسالت میں (۴۷۵/صفحات)

۴— اسلامی ثقافت کی حفاظت (۱۳۳/صفحات)

۵— اختلاب، اسباب وآداب (۱۰۲/صفحات)

۶— فکر اسلامی کی تجدید (۶۰/صفحات)

۷— حقوق شہریت (۱۴۷/صفحات)

۸— مکہ اکیڈمی کے فقہی فیصلے (۲۸۷/صفحات)

اس کے علاوہ فقہی موضوعات پر تین رسالے اور چار مترجم کتابیں ابھی غیر مطبوعہ شکل میں ہیں ، اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی مشہور کتاب ''**عقد الجید فی احکام الاجتھاد والتقلید**'' کی تحقیق وایڈیٹنگ کا کام جاری ہے۔

مولانا راشد حسین ندوی

مولانا راشد حسین ندوی دار العلوم ندوۃ العلماء کے ان ہونہار فضلاء میں سے ہیں جنھوں نے زمانہ طالب علمی میں ہی فقہ کو اپنا موضوع بنایا اور پورے شغف و دلچسپی کے ساتھ اس کی تحصیل کرتے رہے، پھر فراغت کے بعد اسی کی طرف اپنی توجہ مرکوز رکھی اور اسی میدان کو اپنا مطمح نظر اور میدان عمل بنا کر علمی و عملی کاوشوں کا آغاز کیا۔

تعلیم وتربیت

کھیتہ سرائے ضلع بارہ بنکی کے ایک متوسط زمیندار گھرانے میں ۱۹۶۶ء میں پیدا ہوئے، مکتب کی تعلیم کے بعد ۱۹۷۴ء میں والد محترم جناب حاجی شاہد حسین صاحبؒ کی خواہش پر مدرسہ شاہد الاسلام کھیتہ سرائے میں حفظ شروع کیا، جس کی تکمیل قاری یعقوب صاحب صاحب کی نگرانی میں مدرسہ اشاعت العلوم حفظ القرآن ڈالمؤ میں کی، اس کے بعد ۱۹۸۰ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا اور ایک سال حفظ کا دورہ کرنے کے بعد عربی کی تعلیم شروع کی، یہاں آپ نے عالمیت کی تعلیم مکمل کی، اس کے بعد ۱۹۸۹ء میں اختصاص فقہ میں داخلہ لیا اور اس کے ذریعہ اپنے فقہی ذوق کی تسکین کا سامان فراہم کرتے رہے، اسی درمیان دار العلوم ندوۃ العلماء میں تدریب افتاء کے شعبہ کا آغاز ہوا، چنانچہ اختصاص کی تکمیل کے بعد آپ بھی تدریب افتاء کے پہلے کارواں میں شریک ہوگئے۔

زمانۂ طالب علمی سے ہی آپ کو فقہ سے خصوصی دلچسپی تھی جس کی وجہ سے اختصاص فقہ اور تدریب افتاء کے شعبہ سے فیض یابی نے آپ کے فقہی ذوق کو مزید جلا بخشا، پھر مولانا ناصر علی

ندوی شیخ الحدیث ندوۃ العلماء اور مولانا عتیق احمد بستوی استاذ فقہ کی شفقت وعنایت اور رہنمائی نے اس فن سے رشتہ کو مزید گہرا کردیا جس کی وجہ سے مطالعہ میں وسعت آئی اور قدیم وجدید مصادر سے استفادہ کرنے اور شرعی اُصول وقواعد کی روشنی میں جدید مسائل پر بحث کرنے کا حوصلہ ملا۔

تدریسی خدمت

دارالعلوم سے فراغت کے بعد ۱۹۹۱ء میں حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی سرپرستی اور آپ کے خانوادہ کی نگرانی میں قائم مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی میں اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا، یہ تدریسی سلسلہ اب بھی جاری ہے، جہاں فقہ کی منتہی کتابیں شرح وقایہ، قدوری اور الفقہ المیسر کے علاوہ دیگر موضوعات کی کتابوں کا درس آپ کے سپرد ہے۔

افتاء وقضاء کی ذمہ داری

مدرسہ ضیاء العلوم میں تدریس کی خدمت کے ساتھ دارالافتاء کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد ہوئی، جسے بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں، مدرسہ شہر سے دور ہونے کی وجہ سے استفتاءات کم آتے ہیں اور اکثر لوگ بالمشافہ یا بذریعہ فون مسائل پوچھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود سو کے قریب تحریری فتاویٰ ہر سال جاری ہوتے ہیں جن کا پورا ریکارڈ محفوظ ہے، اس کے علاوہ یہاں رائے بریلی شہر میں تقریباً ۱۹۸۵ء سے دارالقضاء بھی قائم ہے، مولانا کی آمد کے بعد ۱۹۹۳ء میں دارالقضاء کی نازک ذمہ داری آپ کے سپرد کردی گئی، اس وقت سے اب تک آپ ہی یہاں قاضی کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور اب تک بائیس مقدمات فیصل ہوچکے ہیں جب کہ چند مقدمات ابھی زیر سماعت ہیں۔

علمی خدمات

شروع سے ہی فقہ آپ کا خاص موضوع رہا ہے اس لئے آپ کی ساری علمی کاوشیں بھی اسی

فن سے متعلق ہیں، ۱۹۹۶ء سے آپ فقہی سیمیناروں میں شریک ہورہے ہیں، جس میں آپ کے مقالات تحسین کی نظر سے دیکھتے جاتے ہیں، آپ کی چند تحریروں کو فقیہ زماں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے کافی پسند فرمایا تھا، جو صاحب تحریر کے لئے سند کی حیثیت رکھتی ہے، اسلامک فقہ اکیڈمی کے فقہی سیمیناروں کے لئے آپ نے جو مقالات تحریر کئے ہیں، وہ اس طرح ہیں :

۱- حج وعمرہ کے مسائل

۲- مسئلہ ولایت پر ایک نظر

۳- مسئلہ کفائت پر ایک نظر

۴- مسئلہ طلاق اور مسلم سماج

۵- دعوتی اور تبلیغی مقاصد کے لئے الیکٹرونک ذرائع ابلاغ کا استعمال

۶- غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل

۷- زکوۃ کے بعض اہم مسائل

یہ سارے مقالات خالص فقہی ہیں اور ۳۵ سے ۵۵/ صفحات پر مشتمل ہیں، ان میں سے بعض سہ ماہی ''بحث ونظر'' کے صفحات کی زینت بھی بن چکے ہیں، جب کہ پاکستان کے مشہور رسالہ ''الفاروق'' نے بھی اس سے ایک مضمون نقل کیا ہے، ان کے علاوہ وقف کے مسائل سے متعلق ایک مقالہ اور حقوق انسانی سے متعلق مقالہ بعنوان ''اسلام میں تصور حریت اور اس کے حدود'' بھی ہے، جو فقہ اکیڈمی کے آئندہ سیمینار کے لئے لکھا گیا ہے، یہ دونوں مقالات بھی کافی ضخیم ہیں۔

اسلامی فقہ اکیڈمی کی طرف سے الموسوعۃ الفقہیہ کے ترجمہ کا جو کام ہوا ہے اس میں آپ کا علمی تعاون بھی شامل ہے، بارہویں اور سولہویں جلدوں مکمل ترجمہ اور انتالیسویں جلد کے دوسو صفحات کا ترجمہ آپ نے کیا ہے۔

اسی کے ساتھ تقریباً پانچ، چھ سالوں سے خواتین کے ماہنامہ رسالہ ''رضوان'' لکھنؤ میں

فقہی سوال و جواب کا مستقل کالم لکھ رہے ہیں، اس میں زندگی کے مختلف گوشوں سے متعلق پیش آمدہ مسائل کا جواب دیا جاتا ہے۔

ان کے علاوہ آپ کی ایک تازہ فقہی کاوش ''تجہیز و تکفین کتاب و سنت کی روشنی میں'' ہے، جو ۱۰۹/ صفحات پر مشتمل ہے اور کفن و دفن کے تمام ضمنی مسائل پر محیط ہے۔

مولانا رحمت اللہ ندوی

ابتدائی تعلیم وتربیت

مولانا رحمت اللہ ندوی اکتوبر ۱۹۷۴ء میں مظفر پور ضلع کے ایک گاؤں منت نگر، مادھو پور کے دینی وعلمی گھرانہ میں پیدا ہوئے، والد گرامی کا نام حافظ محمد ناظم رحمانی ہے، حضرت مولانا محمد قاسم مظفر پوری جیسے صاحب نظر عالم آپ کے عم بزرگوار ہیں، اسی دینی ماحول میں آپ کی پرورش ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر پہ مکمل کی، پھر مدرسہ رحمانیہ سوپول میں داخل ہوئے، یہاں آپ کے عم محترم قاضی محمد قاسم مظفر پوری مدظلہ شیخ الحدیث کے منصب جلیلہ پر فائز تھے، انھوں نے پورے لگن اور دلسوزی کے ساتھ آپ کی تربیت کی، مدرسہ کے دیگر اساتذہ نے بھی اس جوہر قابل کو چمکانے کی کوشش کی، چنانچہ ان توجہات کے نتیجہ میں ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'' کی طرح جلد ہی آپ کے جوہر کھلنے لگے۔

ندوۃ العلماء سے استفادہ

آپ کی اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ کے مشفق مربی نے دار العلوم ندوۃ العلماء کا انتخاب کیا، یہاں کی علمی فضا میں آپ کے اندر بڑا انکھار پیدا ہوا، عربی میں شد بد پہلے سے تھی، یہاں اس کو جلا بخشنے کا بہترین موقع ملا، آپ نے اس میں مزید محنت کی اور جلد ہی عربی زبان سے خاص مناسبت حاصل کرلی، اسی طرح دیگر مضامین میں بھی گہرائی پیدا کی اور اس طرح ۱۹۹۱ء میں عالمیت مکمل کی اور ۱۹۹۲ء میں اختصاص فقہ سے فضیلت کی سند حاصل کی۔

مثالی طالب علم کی سند

بچپن سے ہی بڑے ذہین، محنتی اور اخاذ ذہن کے مالک ہیں، جماعت میں ہمیشہ آگے رہتے اور ہر سال امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے، آپ کی اس جودتِ طبع اور وسعت نظری کے سارے اساتذہ قائل ہیں، خصوصاً ڈاکٹر سعید الاعظمی ندوی مدظلہ آپ کو اپنے بیٹے کی طرح مانتے اور ہمیشہ آپ کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے، ان ہی امتیازات کے پیش نظر ۱۹۹۲ء میں دارالعلوم میں الطالب المثالی (مثالی طالب علم) کی سند کے لئے قرعہ فال آپ کے نام نکلا اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی مدظلہ کے ہاتھوں ''مثالی طالب علم'' کی تاریخی سند آپ کو ملی۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تعلیم

ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور کلیۃ الشریعہ واُصول الدین کے شعبہ سے بی، اے کی ڈگری حاصل کی، اس کے بعد ہندوستان واپس آئے اور چند ماہ حضرت قاضی صاحب مرحوم کے قائم کردہ ''مرکز البحث والدراسۃ'' میں تحقیقی کام کیا، ان کی صحبت سے فیض یاب ہوئے، اس کے بعد قطر گئے اور وزارتِ دفاع سے متعلق ہوئے۔

علمی خدمات

تعلیم سے فراغت کو ابھی چند ہی سال ہوئے ہیں، لیکن اس مختصر مدت میں متعدد اہم علمی وتحقیقی کام کر چکے ہیں، جس کی وجہ سے آپ کی شخصیت اہل علم کے درمیان متعارف ہو چکی ہے۔

آپ کی پہلی کاوش جو منظر عام پر آئی وہ وصیت سے متعلق مختصر اردو رسالہ ہے، جو ''وصیت اور اس کے احکام'' کے نام سے مولانا محمد قاسم مظفر پوری سابق شیخ الحدیث مدرسہ رحمانیہ سوپول کے مقدمہ کے ساتھ مدرسہ طیبہ منت نگر مادھو پور بہار سے شائع ہوا ہے، اس کے بعد آپ نے

فتاویٰ امام نوویؒ کے قدیم مخطوطہ کو جدید تحقیق کے ساتھ ایڈیٹ کیا، یہ کتاب ''المنثورات فی عیون المسائل المهمات'' کے نام سے مکتبہ اسلامی بیروت سے ۱۴۲۲ھ میں چھپی ہے، علامہ سید سلیمان ندوی کی مشہور کتاب سیرت عائشہؓ کا عربی ترجمہ'' سيرة السيدة عائشه الصديقةؓ'' اور خطباتِ مدراس کا عربی ترجمہ بھی دار القلم دمشق سے شائع ہو چکی ہیں، اس کے علاوہ ''الطمانينة والاعتدال فی ارکان الصلوٰة'' کی بھی آپ نے تحقیق کی ہے، جو جلد ہی المکتب الاسلامی بیروت سے طبع ہو کر آئی ہے۔

قطر کے قیام میں دیگر مشغولیات کے ساتھ تحقیق و تالیف کا کام مستقل طور پر جاری ہے، مذکورہ کتابوں کے علاوہ کئی تحقیقات آپ کی ابھی زیر طبع ہیں اور کچھ کتابوں پر تحقیق کا کام جاری ہے ،آپ کی ان علمی کاوشوں کی تفصیل اس طرح ہے :

۱— حضرت تھانویؒ کی حیات اور اصلاحی و علمی کارناموں پر مشتمل عربی کتاب۔ یہ دار القلم دمشق سے چھپ رہی ہے۔

۲— امام غزالیؒ کی حیات اور علمی کارناموں پر مشتمل عربی کتاب۔

۳— حقوق المراة فی الاسلام کی تالیف و ترتیب (عربی میں)۔

۴— امام برکوی کی کتاب ''الطريقة المحمدية'' کی تحقیق، یہ کام ابھی جاری ہے۔

ان مطبوعہ و غیر مطبوعہ کاوشوں کے علاوہ متعدد علمی و تحقیقی مقالات ہیں، جو البعث الاسلامی لکھنؤ، الرائد لکھنؤ اور الداعی دیوبند میں شائع ہو چکے ہیں۔

مولانا محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی

مولانا محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی صاحب اُبھرتے ہوئے ممتاز عالم دین اور صاحب قلم ندوی فاضل ہیں، اپنی آسان ودل نشیں تحریروں کے ذریعہ خواص وعوام دونوں حلقوں میں متعارف ہیں اور ہندوستان کے منفرد تحقیقی ادارہ المعہد العالی اسلامی حیدرآباد میں مختلف فنون میں تخصص کرنے والے فضلاءِ مدارس کو فیض یاب کررہے ہیں۔

آپ کا تعلق صوبہ بہار کے ضلع بیگوسرائے سے ہے، جہاں چلمل نامی گاؤں میں ۵/جنوری ۱۹۷۱ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے مدرسہ میں حاصل کی، پھر دارالعلوم مئوناتھ بھنجن میں کچھ عرصہ گذارا، اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے اور ۱۹۹۰ء میں عالمیت اور ۱۹۹۲ء میں فضیلت (اختصاص حدیث) کی سند حاصل کی۔

ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد مزید علمی سیرابی کے لئے علم نواز شہر حیدرآباد آئے اور دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ کی تربیت ونگرانی میں اختصاص فقہ وافتاء کا کورس مکمل کیا۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد ایک سال جامعۃ القرآن حیدرآباد میں بحیثیت مدرس کام کرنے کے بعد ۱۹۹۵ء میں دارالعلوم سبیل السلام بلالئے گئے اور یہاں آپ نے چار سالوں تک تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے پھر جامعہ القرآن آئے، پھر ۲۰۰۰ء میں جب فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کی سرپرستی ونگرانی میں ایک اعلیٰ تحقیقی ادارہ المعہد العالی الاسلامی حیدرآبا کا قیام عمل میں آیا، تو آپ بھی اس کے اولین کارواں میں شریک ہوئے، اوراب

تک اسی ادارہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولانا کو دیگر علوم کے ساتھ فقہ سے خصوصی مناسبت ہے، عربی زبان پر بھی قدرت حاصل ہے اور لکھنے کا اچھا ذوق رکھتے ہیں، آپ کے مقالات ملک کے متعدد معیاری مجلدوں میں شائع ہو چکے ہیں، عربی مجلّہ ماہنامہ البعث الاسلامی لکھنؤ میں فقہی مضامین لکھتے رہتے ہیں، حیدرآباد کے روزنامہ ''ہمارا عوام'' کے جمعہ ایڈیشن میں دو سالوں تک مسلسل فقہی سوال و جواب کا کالم لکھا ہے، اسی طرح سہ ماہی حراء، سہ ماہی صفا اور ماہنامہ النصیحہ میں آپ کی تحریریں چھپتی رہتی ہیں۔

آپ کا سب سے اہم تصنیفی و تحقیقی کام ''رمضان کے شرعی احکام'' کی تالیف ہے، جس میں تحقیقی انداز میں رمضان سے متعلق مسائل بیان کئے گئے ہیں، یہ ۴۷۵/صفحات پر مشتمل ہے اور حضرت مولانا عتیق احمد بستوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی تقدیم اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی کے پیش لفظ کے ساتھ منظر عام پر آچکی ہے، اس کے علاوہ صاحب ہدایہ کی کتاب ''مختارات النوازل'' جواب تک مخطوطہ تھی، کی تیسری جلد کی تحقیق بھی آپ نے کی ہے اور الموسوعۃ الفقھیۃ کی متعدد جلدوں کا ترجمہ بھی کیا ہے، یہ دونوں کتابیں اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی سے شائع ہونے والی ہیں، اس کے علاوہ زلزلہ نامی مختلف رسالہ آپ کی پہلی باضابطہ تصنیف ہے، جو گجرات کے زلزلہ کے بعد مولانا نے مرتب فرمائی تھیں، اس میں آپ نے گجرات کے زلزلہ کو درسِ عبرت کی شکل میں اُمت مسلمہ کے سامنے پیش کیا۔

مولانا کی کئی اہم کتابیں ابھی زیر طبع ہیں، اُمید ہے کہ جلد ہی یہ علمی سرمایہ زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر اہل شوق کے ہاتھوں میں ہوگا، یہ غیر مطبوعہ کتابیں حسب ذیل ہیں:

۱) احکام الستر والحجاب فی الفقہ الاسلامی ۲) مشکلات جدیدۃ حول السمک

۳) قضایا معاصرۃ حول القرآن ۴) معرفۃ الحدیث الضعیف

مولانا قاضی محمد حسن ندوی

مولانا قاضی محمد حسن ندوی خاموش فطرت کے مالک، سنجیدہ مزاج، سادگی پسند، فقہ وافتاء کے جوہر شناس اور کارِ قضاء کے منصب پر فائز ہیں، جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ میں اونچی کتابوں کے استاذ ہیں، شہر اعظم گڑھ اور اس کے مضافات کے مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں، طبیعت میں بڑا تواضع ہے اور اپنے ہنر کو چھپانے کا فن خوب جانتے ہیں، جس کی وجہ سے آپ کی شخصیت غیر متعارف رہی ہے۔

مولانا محمد حسن ندوی کی پیدائش صوبہ بہار کے ضلع مدھوبنی کے ایک گاؤں طوفان پور کے دینی گھرانہ میں ۱۹۶۹ء کو ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم مولانا احمد حسین صاحب سے حاصل کی، جو مظاہر علوم کے ممتاز فضلاء اور قطب وقت مولانا اسعد اللہؒ کے قریبی تلامذہ میں سے ہیں، اس کے بعد عربی تعلیم کے لئے ندوۃ العلماء کی قدیم ترین شاخ دار العلوم نور الاسلام جلپا پور نیپال کا سفر کیا، اس کے بعد کچھ عرصہ مدرسہ عالیہ عرفانیہ لکھنؤ میں بھی زیر تعلیم رہے، پھر ۸۷ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے اور عالمیت مکمل کی، پھر فقہ سے اختصاص کیا اور سند فراغت حاصل کی۔

ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد افتاء وقضاء کی تربیت کے لئے امارت شرعیہ پٹنہ تشریف لے گئے اور المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء میں حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نور اللہ مرقدہ کی نگرانی وسرپرستی میں افتاء وقضاء کی تربیت حاصل کی اور قاضی صاحب مرحوم کے مشورہ سے ہی جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ بحیثیت قاضی بھیجے گئے۔

۹۵ء سے لے کر اب تک اسی جامعہ میں مولانا مجیب اللہ ندوی مدظلہ کی سرپرستی میں افتاء

وقضاء کے فرائض انجام دے رہے ہیں، فقہ کی اکثر بڑی کتابیں مثلاً ہدایہ، شرح وقایہ، قدوری وسراجی وغیرہ کا درس آپ کے ذمہ ہے، اس کے علاوہ جامعہ کے ترجمان ماہنامہ ''الرشاد'' میں دیگر مضامین کے علاوہ ''باب الاستفسار والجوابات'' کے عنوان سے فقہی سوال وجواب کا صفحہ لکھتے ہیں۔

آپ کی پہلی تصنیفی کاوش ''اسلام میں دُعاء کا نظام مع مسائل واحکام'' ہے، جسے آپ نے اپنے ایک رفیق مولانا اخلاق حسین کریمی (استاذ جامعۃ الرشاد) کے ساتھ مکمل کیا ہے، ابھی یہ کتاب کتب خانہ نعیمیہ دیوبند میں زیرِ طبع ہے، اس میں مؤلفین موصوف نے دُعاء کے موضوع پر تفصیلی کام کیا ہے، اور دُعاء سے متعلق جتنے احکام ومسائل ہیں، ان کو مختلف ابواب میں تقسیم کر کے بیان کیا ہے، اپنے موضوع پر یہ کتاب منفرد ہے، اس کے علاوہ ''قضایا فقہیہ'' اور ''المسائل المهمة فی ضوء القرآن والسنة'' بھی زیرِ ترتیب ہیں، اول الذکر دارالقضاء کے فیصلوں پر مشتمل ہے جب کہ دوسری کتاب ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جو مرتب کے قلم سے جاری ہوئے ہیں۔

دارالقضاء میں آپ کے ذریعہ اب تک ۷۰/ مقدمات فیصل ہو چکے ہیں، جس میں اکثر نکاح، خلع، طلاق، میراث، نفقہ وغیرہ کے متعلق ہیں، فتاویٰ کی تعداد بھی ہزار سے متجاوز ہو چکی ہے، اس کے علاوہ اسلامک فقہ اکیڈمی کے کئی فقہی سیمیناروں میں مقالات بھی پیش کر چکے ہیں۔

♦ باب ہفتم ♦

علمی سرمایہ

علمی سرمایہ

علم فقہ بہت ہی وسیع اور پھیلا ہوا موضوع ہے اور ابناء ندوۃ العلماء نے اس کی جو علمی خدمت کی ہے اور اس موضوع پر قلمی سرمایہ جمع کیا ہے وہ بھی فقہ کے تمام گوشوں کو شامل ہے، اس لئے سہولت کی خاطر اس فنی ذخیرہ کو درج ذیل حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱) تاریخ فقہ ۲) اُصول وقواعد فقہ

۳) فقہ کے خاص ابواب سے متعلق کتابیں ۴) بچوں کی فقہ

۵) سلطانی احکام ۶) فقہ شافعی

۷) تراجم ۸) تحقیقات

۹) مقالات ومضامین

تاریخ فقہ اسلامی سے متعلق کتابیں

۱- تاریخ فقہ کے موضوع پر اردو میں بہت کم کام ہوا ہے، لیکن جو کچھ بھی لکھا گیا ہے اس میں مولانا عبدالسلام صاحب ندویؒ (۱۸۸۳-۱۹۵۶ء) کی کتاب "تاریخ فقہ اسلامی" بڑی اہم سمجھی جاتی ہے، دارالمصنفین کے قیام کے وقت علامہ شبلی نعمانیؒ نے اسلامی علوم وفنون مرتب کرنے کا ارادہ کیا تھا، اس وقت اس موضوع پر اردو میں کوئی تحریر نہیں تھی، اس لئے انھوں نے اس موضوع کی جامع اور بہترین کتاب خضری بک کی "تاریخ التشریع الاسلامی" کا انتخاب کیا، اس کا شگفتہ اور دلآویز ترجمہ مولانا عبدالسلام ندویؒ کے قلم سے دارالمصنفین سے شائع ہوا، اس میں فقہ اسلامی کے

مختلف ادوار کی تفصیلی تاریخ، اس کے تغیرات و خصوصیات کی تفصیل اور اس کے اسباب وعلل کی تشریح کی گئی ہے، یہ کتاب ۴۸۰ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۳۴۶ھ میں پہلی بار دارالمصنفین اعظم گڑھ سے چھپی تھی، شروع میں مترجم کا دیباچہ اور مقدمہ ہے، اُسلوب نہایت شستہ ہے۔ (۱)

۲- علامہ سید سلیمان ندویؒ (۱۸۸۴-۱۹۵۳ء) نے ۱۹۰۷ء میں ''الندوۃ'' میں ''حیات امام مالکؒ '' کے عنوان سے کئی قسطوں میں ایک مضمون لکھا تھا، اس میں آپ اضافہ کر کے مستقل تصنیف بنانا چاہتے تھے لیکن مشغولیات کی وجہ سے اس پر نظر ثانی نہ ہوسکی اور اسی صورت میں اگست ۱۹۱۷ء میں دارالمصنفین سے چھپ کر منظر عام پر آئی، اب تک اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

سید صاحب کی تصانیف میں یہ کتاب بھی شاہکار کا درجہ رکھتی ہے، اس کو لکھنے کا اول مقصد یہ تھا کہ اکابر اسلام کی سوانح عمریوں کے پردے میں علوم اسلامیہ کی تاریخ لکھی جائے اور اس ضمن میں ضروری مسائل کی تشریح ہو، (۲) اس لئے سید صاحب نے حضرت امام مالکؒ کے شخصی تعارف کے ساتھ فقہ مالکی کی ابتدائی تاریخ، عہد رسالت سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور تک کی تدوین فقہ کی تاریخ، مؤطا کی فقہی حیثیت اور اس کے مسائل، فقہ مالکی کی خصوصیات و امتیازات، آپ کے شاگردوں کی علمی کاوش اور فقہ مالکی کی تدوین و ترویج وغیرہ کے موضوعات پر تفصیلی بحث کی ہے، یہ ۱۰۶/ صفحات پر مشتمل ہے، اس کو لکھے ہوئے طویل عرصہ گذر چکا ہے، لیکن اس کی افادیت آج بھی مسلم ہے، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب مرحوم نے پیرس میں ایک تقریر کرتے ہوئے اس کے متعلق کہا تھا:

> ''اس کتاب کو لکھے ہوئے تقریباً ۸۷ برس ہو گئے، لیکن یہ اب بھی
> مفید معلومات کا ماخذ بنی ہوئی ہے، اگر کوئی اس سے بہتر کتاب
> لکھنے کی کوشش کرے گا تو وہ اسی کے ایجاز کا اطناب ہوگا''۔ (۳)

---

(۱) مقالات عبدالسلام حیات اور علمی فتوحات سیمینار، ص:۳۹

(۲) مولانا سید سلیمان ندوی کی تصانیف ایک مطالعہ: ۲۹/۱

(۳) حوالہ سابق: ۴۲/۱

۳- تاریخ فقہ کے جلو میں ایک باب اس کے بانیین وحاملین کا بھی آتا ہے، کہ کن ہستیوں نے اس کی داغ بیل ڈالی اور کن کن شخصیتوں نے اس علم کو اوجِ کمال تک پہنچایا، نیز وہ کیا اسباب وعوامل تھے جس کے نتیجہ میں انھوں نے اس علم کو ترقی دینے کی کوشش کی، اس سلسلہ کی ایک بہترین ومستند کتاب ''تذکرۃ الفقہاء'' ہے، جسے مولانا عمیر الصدیق ندوی نے مرتب کیا ہے، اس میں تیسری صدی ہجری سے پانچویں صدی، ہجری کے آغاز تک کے چھبیس نامور فقہاء شافعیہ امام بویطی شافعیؒ سے امام ابواسحٰق اسفرائینیؒ تک کے حالات، ان کی علمی وفقہی خدمات اوران کے اوصاف ومحاسن کا ذکر کیا گیا ہے، یہ کتاب ۲۷۶/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۹۷ء میں پہلی بار دارالمصنفین سے شائع ہوئی تھی۔

اس تذکرہ میں صرف ان فقہاء کو جگہ دی گئی ہے، جونہایت ممتاز ونمایاں صاحب تصانیف واجتہاد یا درس وتدریس اور مسند قضاء وافتاء پر امتیازی شان رکھتے تھے، اس طرح تیسری صدی سے پانچویں صدی ہجری کے فقہاء شافعیہ کی پوری تاریخ آگئی ہے، جس میں ان کے علمی کمالات، فقہی خدمات، تصانیف اور تلامذہ کا پورا تجزیہ پیش کیا گیا ہے، ابتداء میں مؤلف کتاب کا پرمغز اور قیمتی مقدمہ ہے، جس میں اجتہاد اور فقہ وتدوین فقہ کا پورا جائزہ پیش کیا گیا ہے، انداز محققانہ ہے اور قدیم مراجع سے پورا استفادہ کیا گیا ہے اور علمی موضوع کی گراں باری کے ساتھ زبان وبیان کی روانی وشگفتگی پوری طرح نمایاں ہے۔

۴- سیرت ائمہ اربعہ

یہ کثیر التصانیف مؤلف ومترجم مولانا رئیس احمد جعفری ندویؒ کی تصنیف ہے، اس میں انھوں نے ائمہ اربعہ کے حالاتِ زندگی کے ساتھ ان کے اجتہادات، وسعتِ علم، فقہی افکار ونظریات اور اولیات وخصوصیات پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، اس ضمن میں فقہ واُصولِ فقہ سے متعلق متعدد موضوعات زیر بحث آئے ہیں، جن سے ائمہ فقہ کے حالات کے ساتھ فقہ کی تدوین،

اس کے مختلف مراحل اور اجتہاد کے طریقہ کار پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

۵- اسی سلسلہ کی ایک کتاب ''فتاویٰ عالمگیری اور اسکے مؤلفین'' بھی ہے جو مولانا مجیب اللہ ندوی مدظلہ کے قلم سے ۱۹۸۸ء میں مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری لاہور سے طبع ہوکر منظر عام پر آئی ہے، جو ۱۳۶/ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں فتاویٰ عالمگیری کا تعارف، تالیف کا طریقہ کار، اس کے تراجم اور مؤلفین کے تذکرہ پر بحث کی گئی ہے، خصوصاً مؤلفین کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے، جس میں بڑی دقیقہ ریزی اور تحقیق وجستجو کے ساتھ ان کے حالات، فقہی بصیرت اور علمی کارناموں کو جمع کیا ہے، اس میں ۲۷/ مرتبین کا تذکرہ ہے جو براہ راست فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب میں شریک ہوئے تھے، اخیر میں دو مضامین دیگر حضرات کے ہیں، جو قلم کار کے نام کی صراحت کے ساتھ شائع ہوئے ہیں، مولانا کی یہ تحریر دراصل ۱۹۴۶ء کے معارف میں شائع ہوئی تھی، اس کی ایک ایک سطر سے دقت نظر اور ذوق تحقیق نمایاں ہے، جس کی وجہ سے اس وقت کے چوٹی کے علماء نے اس پر کھل کر داد دی تھی، سید صاحب نے بھی اپنی خوشی کا اظہار فرمایا تھا اور مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے تو یہاں تک لکھا تھا کہ ''مضمون کو پڑھ کر یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ مجیب اللہ کا ہے''۔(۱)

۶- اورنگ زیب اور تدوین فتاویٰ عالمگیری

یہ مولانا صدرالحسن ندوی کی کتاب ہے، جو بیک وقت تاریخ فقہ، سیرت اور تاریخ تینوں علوم کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے، اس میں مؤلف نے پہلے اورنگ زیب عالمگیرؒ کے مختصر حالات کو بیان کیا ہے اور سلطنت کی وسعت اور عالمگیر کے اوصاف وکمالات کا تذکرہ کیا ہے، اس کے بعد فتاویٰ عالمگیری کی تدوین، خصوصیات اور تراجم وشروحات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، اس باب میں انھوں نے موضوع سے متعلق بہت سے ایسے حقائق کا انکشاف کیا ہے، جو اب تک پردۂ خفاء میں تھے، آخری باب فتاویٰ عالمگیری کے مدونین کے حالات وواقعات پر مشتمل ہے،

---

(۱) فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین مقدمہ، ص: ۱۱

اس میں اکیس حضرات کے حالات زیر بحث آئے ہیں، پوری کتاب میں تحقیقی رنگ غالب ہے اور زبان نہایت شیریں وشگفتہ ہے، ۸۰/ صفحات پر مشتمل یہ کتاب اسلامی اکیڈمی برائے تحقیقات ونشریات اورنگ آباد سے چھپی ہے۔

اُصولِ فقہ وقواعد فقہ سے متعلق کتابیں

۱- مبادی علم اُصول فقہ (عربی) از: محمد اکرم ندویؔ

یہ مختصر رسالہ حقیقت میں اُصول فقہ کی پہلی سیڑھی ہے جو مدارس عربیہ کے طلبہ کے لئے بطور نصابی کتاب تیار کی گئی ہے، اس میں اُصولِ فقہ کی بنیادی چیزیں بشمول ادلہ شرعیہ کی تعریفات اوراس کے احکام کو مثالوں کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے، اس کے علاوہ اُصول کی دیگر ضروری چیزیں بھی ہیں جو مبتدی طلبہ کے لئے بڑی مفید ہیں، زبان عربی ہونے کے باجود بڑی آسان اور عام فہم ہے، مثالوں کے ذریعہ مزید وضاحت کی گئی ہے، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے مقدمہ سے مزین یہ رسالہ ۳۲/ صفحات پر مشتمل مؤسسۃ الصحافہ والنشر ندوۃ العلماء سے چھپا ہے، ۱۹۹۸ء میں اس کا پہلا ایڈیشن نکلا اور اب تک متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں، یہ رسالہ ندوۃ العلماء کے نصاب میں داخل ہے اور اُصول الشاشی سے پہلے پڑھایا جاتا ہے۔

۲- القواعد الفقہیۃ (عربی) از: ڈاکٹر علی احمد ندویؔ

یہ ضخیم کتاب اصل میں مؤلف کا تحقیقی مقالہ ہے جو انھوں نے جامعہ ام القرآن مکہ مکرمہ میں ماجستر (ایم-اے) کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے تیار کیا تھا، اس کا موضوع جیسا کہ نام سے واضح ہے قواعد فقہیہ ہے، لیکن صاحب مقالہ کی علمی کاوش، حسن ترتیب، وسعت معلومات، زبان کی بلاغت اور مواد کی فراہمی نے اسے ایک وقیع علمی وفنی سرمایہ بنادیا ہے، اس میں فقہی قواعد کی توضیح وتطبیق کے علاوہ قواعد فقہ کی تاریخ، اس کی نشو ونما، اس فن کی مشہور کتب، ان کے مؤلفین کا

تعارف اوراس کی فنی اصطلاحوں کو پوری تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، جب کہ دوسرے حصہ میں ان قواعد فقہیہ کو ذکر کیا گیا ہے جو احادیث نبوی اور شرعی نصوص سے مستنبط ہیں، پھراس کی اہمیت اور فتاوئ وشرعی فیصلوں میں اس کی حیثیت کی وضاحت کی ہے اور احکام سے مطابقت کر کے دکھلایا ہے، اس طرح تقریباً ۴۵۵/ قواعد کی بصیرت افروز اور چشم کشا تشریح آ گئی ہے، ابتداء کتاب میں عالمی شہرت کے حامل مشہور فقیہ شیخ مصطفیٰ زرقاءؒ کا پراز معلومات مقدمہ ہے، جو کتاب کی اہمیت اوراس کے فنی استناد کے لئے کافی ہے، یہ کتاب ۵۶۵/ صفحات پر مشتمل ہے اور چوتھی بار ۱۹۹۸ء میں دارالقلم دمشق سے چھپی ہے۔

۳- القواعد والضوابط (عربی) از: ڈاکٹر علی احمد ندوی

امام محمد بن حسن شیبانی (۱۳۲-۱۸۹ھ) کی مشہور تالیف جامع کبیر ہے، اس کا شمار فقہ حنفی کی بنیادی مراجع میں ہوتا ہے، اس کی ایک شرح امام جمال الدین حصیریؒ (۵۴۶-۶۳۶ھ) نے لکھی تھی، جواب تک نایاب تھی، محقق موصوف نے اس کا مخطوطہ تلاش کیا، پھراس میں جو قواعد تحریر کئے گئے تھے ان کی تحقیق کی اور فقہی جزئیات پر تطبیق دے کر اس کے مفہوم کو واضح کیا، اس کے علاوہ صاحبِ کتاب امام جمال الدین حصیریؒ کی حیات اور علمی کاوشوں پر تفصیلی نوٹ لکھا اور ان کی علمی حیثیت کو گوشۂ گمنامی سے نکالا، اس طرح اس کی حیثیت اب مستقل کتاب کی ہو چکی ہے، اسی تحقیق پر آپ نے دکتورۃ (ڈاکٹریٹ) کی ڈگری حاصل کی ہے، اس کتاب میں ۱۱۲ قواعد پر فنی گفتگو اور اس کی عملی تطبیق کی گئی ہے، اُسلوب علمی اور تحقیقی ہے، پڑھنے سے بالکل اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ امام حصیریؒ کی کتاب کی تحقیق ہے، بلکہ مستقل کتاب کا خیال ہوتا ہے، اخیر میں جدید انداز پر تفصیلی فہرست بھی دی گئی ہے، یہ تحقیقی کتاب ۵۵۹ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۹۱ء میں پہلی بار مطبع المدنی قاہرہ سے چھپی ہے۔

۴- موسوعة القواعد والضوابط الفقهية (عربی)

از: ڈاکٹر علی احمد ندوی

اس کتاب کا پورا نام ''موسوعة القواعد والضوابط الفقهية الحاكمة للمعاملات المالية'' ہے جو تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، اس میں ان فقہی قواعد وضوابط کو زیر بحث لایا گیا ہے جن کا تعلق مالی اُمور یا معاملات سے ہے، اس میں پہلے قواعد کو ذکر کیا ہے پھر اس کا مطلب بیان کیا ہے، اس کے بعد اس کی اصل یعنی وہ قاعدہ کس دلیل سے ماخوذ ومستنبط ہے؟ اس کو بتایا گیا ہے اور عملی مسائل سے تطبیق دے کر اس کی مزید وضاحت کی گئی ہے، اس طرح مالی معاملات سے متعلق تمام قواعد وضوابط کا احاطہ کرلیا گیا ہے، اس ضمن میں فقہاء کے مسالک بھی مذکور ہیں اور ائمہ اربعہ کے علاوہ علامہ ابن حزمؒ، علامہ ابن تیمیہؒ اور دیگر علماء محققین کے اقوال وآراء بھی شامل کئے گئے ہیں۔

اس کی پہلی جلد ۵۷۳ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں پانچ ابواب ہیں، پہلے باب میں ان قواعد کو بیان کیا ہے جو احادیث جوامع الکلم سے ماخوذ ہیں، دوسرے باب میں مشہور فقہی قواعد پر گفتگو کی گئی ہے، تیسرے باب میں اُصولی قواعد کا ذکر ہے، چوتھے باب میں ان عمومی قواعد کو بیان کیا ہے جن سے اکثر مالی معاملات کے مسائل مستنبط ہوتے ہیں اور پانچواں باب ان قواعد کے لئے خاص ہے، جو مجلّہ الاحکام العدلیہ میں بیان کئے گئے ہیں، اس کے علاوہ ان قواعد کی تطبیقی شکل، اس کے ضمنی مسائل اور احادیث کی سند ورجال پر فنی بحث بھی موجود ہے۔

دوسری جلد ۵۱۹ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں حروف تہجی کے اعتبار سے جلد اول کے تمام قواعد کو جمع کیا ہے، ان کے اصل مراجع کا حوالہ دیا گیا ہے، نیز تشریح طلب مقامات کی تشریح وتفصیل بھی کی گئی ہے، اس طرح حروفِ تہجی کی ترتیب سے الف سے ی تک کے تمام قواعد مع حوالہ اصل یکجا کردئے گئے ہیں، جو محققین کے لئے بڑی مفید چیز ہوگئی ہے۔

اس کی تیسری جلد ان قواعد کی لفظی ڈکشنری ہے، یعنی شروع کی دونوں جلدوں میں جو قواعد

جمع کئے گئے ہیں وہ متفرق کتابوں اور مختلف دبستان فقہ سے متعلق ہیں، جس کی وجہ سے الفاظ میں کافی تبدیلی آ گئی ہے، اس لئے اس تیسری جلد میں اصل لفظ کے اعتبار سے تمام قواعد کو ترتیب دیا ہے، تا کہ وہ کلمات جن جن قواعد میں آئے ہیں وہ سب ایک ساتھ جمع ہو جائیں اور اس طرح تمام قواعد کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا مفہوم متعین کیا جا سکے، یہ جلد ۶۱۰/صفحات پر مشتمل ہے۔

اس طرح یہ تینوں جلدیں مل کر واقعی قواعد کی انسائیکلوپیڈیا بن گئی ہے اس میں مؤلف کا تحقیقی ذوق اور دقت نظر پوری طرح نمایاں ہے، جس سے ان کی علمی گہرائی اور فقہی بصیرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، یہ تینوں جلدیں ''شركة الراجحی المصرفية للاستثمار'' ریاض اور ''شركة المستثمر الدولی'' کویت کی جانب سے ۱۴۲۱ھ م ۲۰۰۰ء میں شائع ہوئی ہیں، یہ تینوں جلدیں ''جمهرة القواعد الفقهية فی المعاملات المالية'' کے نام سے بھی چھپی ہیں۔

۵- فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل

از: مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے، آپ کی ایک درجن سے زیادہ کتابیں فقہی موضوعات پر اب تک آ چکی ہیں اور علم داں طبقہ سے خراجِ تحسین وصول کر چکی ہیں، مذکورہ کتاب آپ کے ان پانچ مضامین کا مجموعہ ہے جو معارف اور دیگر علمی رسالوں میں شائع ہوئے تھے، یہ مضامین اس طرح ہیں :

فقہ اسلامی اور اس کا دائرہ کار، فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ، شریعت اسلامی کے ضمنی مآخذ، عرف وعادت، فسادِ زمانہ اور عمومِ بلویٰ، ان مباحث پر قرآن وحدیث اور فقہاء امت کی عبارتوں کی روشنی میں بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ اسلامی فقہ ایسی نہیں ہے جو حالات زمانہ اور ترقیات وفتوحات کا ساتھ نہ دے سکے، بلکہ اس میں مصالح مرسلہ، عرف وعادت، استحسان اور دیگر اُصول وقواعد کے ایسے سرچشمے موجود ہیں جنکی بنیاد پر ہر مسئلہ کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے، علماء

اسلام کی کاوشیں اس کی واضح دلیل ہیں، کتاب حوالوں سے مزین ہے، البتہ ذیلی عناوین کی فہرست نہیں دی گئی ہے، یہ ۲۰۸/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۷۷ء میں پہلی بار مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ سے شائع ہوئی ہے۔

۶- اجتہاد وتقلید کا آخری فیصلہ مرتب: محمد زید مظاہری ندوی

اس کتاب میں اجتہاد کی حقیقت، قیاس، تقلید، تقلید شخصی کا مفہوم، تلفیق مذاہب کی نوعیت اور فقہ حنفی پر ہونے والے اعتراضات وغیرہ کے مباحث کو حضرت تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات سے ترتیب دیا گیا ہے، اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ نادر ونایاب موتی جو حضرت تھانوی کی منتشر تحریروں میں بکھرے ہوئے تھے، ان کو مفتی زید صاحب نے ایک لڑی میں پروکر قیمتی ومفید ہار بنا دیا ہے، اور اس طرح اہل علم کے لئے ایک قیمتی اثاثہ بن گیا ہے، یہ مجموعہ ۱۱۲/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۴۱۰ھ میں ادارہ افادات اشرفیہ ہتھورا باندہ سے چھپا ہے۔

۷- الاجتہاد ونشأۃ المذاہب الفقہیۃ (عربی)

یہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا وہ مقالہ ہے جو انھوں نے ایک علمی سیمینار کے لئے تحریر فرمایا تھا، یہ سیمینار ۱۵/ شوال ۱۴۰۳ھ کو قسطنطنیہ میں منعقد ہوا تھا، اس فکر انگیز تحریر میں مفکر اسلامؒ نے اجتہاد کی حقیقت، مذاہب اربعہ کی ضرورت، اس کی خصوصیات، اس زمانہ میں اجتہاد کی ضرورت، اس کے حدود، اور اجتہاد وتقلید کے مابین نقطہ اعتدال کے مباحث پر اظہار خیال فرمایا ہے، ساتھ ہی علماء کو نئے مسائل کو حل کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے، ۳۴/ صفحات پر مشتمل یہ مختصر رسالہ المجمع الاسلامی العلمی ندوۃ العلماء سے شائع ہوا ہے۔

۸- اجتہاد اور تبدیلی احکام از: مولانا مجیب اللہ ندوی مدظلہ

یہ کتاب ۲۱۵/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۸۸ء میں مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور سے طبع ہوئی ہے، اس میں انھوں نے اجتہاد کی حقیقت، اس کے حدود اور کن کن مسائل میں

اجتہاد کرنا صحیح ہے اس پر بحث کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اجتہاد کے نام پر ہر مسئلہ کو تختۂ مشق بنانا اور اپنی ضرورت کے مطابق مذہب کو ڈھالنا درست نہیں ہے، بلکہ اجتہاد کے خاص حدود ہیں، نیز منصوص مسائل میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے، ان میں تخصیص تو کی جاسکتی ہے، لیکن انھیں مکمل طور پر بدلا نہیں جاسکتا، اس ضمن میں تجدد پسندوں نے اجتہاد کے راستہ سے منصوص مسائل پر جو کلام کرنا شروع کیا ہے اس پر سخت نکتہ چینی کی ہے اور ان کے دلائل کا تجزیہ کرتے ہوئے مکمل جواب دیا ہے۔

۹- فقہ الائمۃ الاربعۃ (عربی)

دکتور عبد الوہاب زاہد ندوی شامی نژاد عالم ہیں، علم کے شوق میں ہندوستان و پاکستان کا سفر کیا اور دونوں جگہ کے اداروں میں اکتسابِ فیض کیا، پاکستان میں سندھ یونیورسٹی سے پی- ایچ- ڈی کیا تھا، یہ ان ہی کا مقالہ ہے جو کراچی سے ۱۹۸۴ء میں چھپا ہے، یہ کتاب ۵۶۸/صفحہ پر مشتمل ہے، اس میں انھوں نے چاروں ائمہ کا تفصیلی تعارف کرایا ہے، پھر ان اُصول کو بیان کیا ہے جن پر ان مسالک فقہ کی بنیاد ہے، اسی کے ساتھ چاروں دبستان فقہ کی مسانید کا بھی تذکرہ کیا ہے، جب کہ اس کے دوسرے حصہ میں طہارت، صلاۃ، زکوٰۃ اور حج کے مسائل کو ائمہ اربعہ کے اقوال اور ان کے اصل دلائل کی روشنی میں لکھا ہے، ابتداء میں ڈاکٹر محمد حبیب اللہ صاحب (پاکستان) کا مقدمہ اور جامعہ اسلامیہ کراچی کے مفتی مولانا ولی حسن ٹونکی کی تحریر ہے۔

۱۰- آراء الامام الدہلوی فی تاریخ التشریع الاسلامی (عربی)

یہ استاذ محترم حضرت مولانا سید سلمان الحسینی ندوی کا وہ مقالہ ہے جو انھوں نے دار العلوم ندوۃ العلماء میں فضیلت کی سند کے لئے تحریر کیا تھا، اس مقالہ کا عنوان ''فقہ الامام الدہلویؒ'' تھا، بعد میں یہ مقالہ البعث الاسلامی کی چودہ قسطوں میں شائع ہوا، پھر ''آراء الامام الدہلویؒ فی تاریخ التشریع الاسلامی'' کے نام سے کتابی صورت میں ۱۹۸۶ء میں دار السنۃ للنشر والتوزیع لکھنؤ سے شائع ہوا، یہ ۱۹۵/صفحات پر مشتمل ہے، اس میں مولانا نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ

کے فقہی افکار کو پیش کیا ہے، خصوصاً شاہ صاحبؒ نے فقہی مکاتب فکر کی جو محققانہ وضاحت کی ہے اور فقہاء کے اختلافات کے اسباب پر جو گفتگو کی ہے اور حدیث وفقہ کے مابین تطبیق کی شکل بتائی ہے، اس کا خلاصہ ذکر فرمایا ہے، آخری باب میں تقلید کی ابتدائی شکل، بعد کے زمانہ کی کیفیت اوراس سے پیدا ہونے والے مفاسد کا ذکر ہے۔

۱۱- اجتماعی اجتہاد

یہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے تین خطبات ومقالات کا مجموعہ ہے جو آپ نے اسلامک فقہ اکیڈمی کے فقہی سیمیناروں میں پیش فرمایا تھا، اس میں آپ نے اُمت مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے اسلام کی ابدیت وحقانیت کو واضح کیا ہے، نیز علماء متکلمین نے جس طرح جدید مسائل کا حل پیش کیا تھا اور جو طریقہ اختیار کیا تھا اس کو حقیقت کے آئینہ میں پیش فرمایا ہے اور موجودہ دور کے علماء کو دور جدید کے مسائل کے حل کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے نیز اجتماعی اجتہاد کی شکل کو اپنانے کی دعوت دی ہے، یہ ۲۰۰۱ء میں اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی سے چھپا ہے۔

۱۲- فقہ حنفی کے اُصول وضوابط

یہ حضرت تھانویؒ کے افادات ہیں، جن کو مفتی محمد زید مظاہری نے عنوان کی مناسبت سے مرتب کیا ہے، جو ۲۲۰/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۴۱۱ھ میں پہلی بار ادارہ افادات اشرفیہ ہتھورا باندہ سے شائع ہوا ہے، شروع میں قاری محمد صدیق صاحب مرحوم، قاضی اطہر مبارکپوریؒ اور مفتی سعید احمد پالن پوری کی تقاریظ ہیں، اس میں انھوں نے فقہ، اُصول فقہ، دلائل شرعیہ، تشبہ، قواعد فقہیہ، فقہی قواعد میں فرق وغیرہ مباحث کو تفصیل کے ساتھ جمع کیا ہے، کتاب فنی معلومات سے لبریز ہے اور کلیات وجزئیات کا اتنا احاطہ ہے کہ مستقل تصنیف لگتی ہے۔

۱۳- اجتہاد: ضرورت اور اہمیت

یہ رسالہ اصلاً مولانا محمد صدر الحسن ندوی مدنی کا وہ مقالہ ہے جو انسٹی ٹیوٹ آف

آبجکٹیو اسٹڈیز دہلی (آئی-او-ایس) کے زیراہتمام منعقدہ سیمینار کے لئے تیار کیا گیا تھا، اس میں اجتہاد کی ضرورت، شرائط، حدود اور اجتہاد سے متعلق احکام جیسے مباحث پر گفتگو کی گئی ہے اور تجزئ اجتہاد پر روشنی ڈالتے ہوئے مختلف ادوار میں اجتماعی اجتہاد کی صورتوں کو بیان کیا ہے، اس سلسلہ میں متقدمین کی آراء کے ساتھ متاخرین فقہاء اور ماضی قریب کی اہم شخصیات کی عبارتوں کو بھی نقل کیا ہے، یہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود مواد سے پر ہے اور حوالوں کا اہتمام بھی ہے، ۴۰/صفحات پر مشتمل یہ قیمتی رسالہ جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم اورنگ آباد سے ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا ہے۔

۱۴- فقہ اسلامی اور مستشرقین

علم وتحقیق کے نام پر مستشرقین جس طرح اسلامی تعلیمات کو تختۂ مشق بنائے ہوئے ہیں وہ علمی خیانت کے ساتھ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو دین اسلام سے متنفر کرنے کی سازش بھی ہے، اسی پس منظر میں مولانا صدر الحسن ندوی مدنی نے فقہ اسلامی سے متعلق مستشرقین کے اعتراضات کا علمی جائزہ لیا ہے، اس رسالہ میں تحریک استشراق کی ابتداء، اس کے تاریخی مراحل، بنیادی اسباب ومحرکات اور ان کے علمی کارناموں کو بیان کیا ہے اور فقہ اسلامی سے متعلق انھوں نے جو شبہات اُٹھائے ہیں ان کا جواب دیا ہے، اس ضمن میں مستشرقین کے اس اعتراض کا کہ اسلامی قوانین رومی قوانین سے ماخوذ ہیں کا علمی تجزیہ کیا گیا ہے اور اس پر پوری بحث کی گئی ہے، اس طرح یہ رسالہ علم وتحقیق کے بہت سے گوشوں کو وا کرتا ہے، جو تحقیقی مزاج رکھنے والوں کے لئے ایک قیمتی سرمایہ ہے، کل صفحات ۸۰/ ہیں اور یہ بھی جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم، اورنگ آباد سے ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا ہے۔

۱۵- المستشرقون والفقہ الاسلامی (عربی)

الدکتور محمد صدر الحسن الندوی المدنی کا یہ عربی رسالہ مستشرقین اور فقہ اسلامی سے متعلق ان کے اعتراضات پر مشتمل ہے، اس میں پہلے رومی قوانین کی تدوین اور اس کے مصادر پر بحث کی گئی ہے، اس کے بعد فقہ اسلامی سے متعلق جو اعتراضات انھوں نے اٹھائے ہیں اس کا تحقیقی جواب دیا

گیا ہے، کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے اپنی اُردو کتاب ''فقہ اسلامی اور مستشرقین'' کو عربی لبادہ میں پیش کیا ہے، یہ ۴۸/ صفحات پر مشتمل ہے اور معہد الدراسات الاسلامیہ اورنگ آباد سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا ہے۔

۱۶- آداب افتاء واستفتاء

یہ کتاب بھی حضرت تھانویؒ کے افادات ہیں، جن کو مفتی محمد زید مظاہری ندوی نے مرتب کیا ہے ،اس میں افتاء واستفتاء کے مسائل، مفتی اور مستفتی کے آداب، فتویٰ دینے کے طریقے، راجح ومرجوح اور اختلاف فقہاء میں تطبیق وترجیح کے مسائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، یہ ۱۵۲/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۴۱۰ھ میں ادارہ اشرفیہ ہتھورا باندہ سے شائع ہوئی ہے۔

۱۷- اجتہادی مسائل از: مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی ندوی

مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی کی یہ کتاب ۳۶۰/ صفحات پر مشتمل ہے اور چوتھی بار ۱۹۹۹ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سے شائع ہوئی ہے، اس میں فقہ جدید کی ضرورت، کیا اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہے؟ اسلامی قانون وراثت، یتیم پوتے کی وراثت، رویت ہلال، طلاق، ایک مجلس کی تین طلاق، سزائے رجم، اقتدار اسلامی کا تصور، طریقہ دفن میں اصلاح کی ضرورت جیسے موضوعات پر مضامین ہیں، اس میں بعض مستقل مضامین ہیں اور بعض سوالات کے جوابات ہیں، جو مضامین کی شکل اختیار کر چکے ہیں، مؤلف نے اس میں بعض نئے مسائل پر بھی بحث کی ہے، اور رویت ہلال کے لئے فلکیات کے استعمال اور دفن کے طریقے میں اصلاح پر زور دیا ہے، اسی طرح فقہ جدید کی ضرورت اور اجتہاد کے موضوع پر تفصیلی کلام کیا ہے، نیز ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک طلاق قرار دینے کی پرزور وکالت کی ہے۔

۱۸- فقہی اختلافات اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا موقف

مولانا فہیم اختر ندوی (رفیق اسلامک فقہ اکیڈمی، دہلی) کی یہ کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے،

اس میں سے اسلامی شریعت میں فقہی اختلافات کی حیثیت کو بیان کیا ہے، اور بتایا ہے کہ شریعت کے احکام دو طرح کے ہیں: اُصولی اور فروعی، فروعی مسائل میں عہد نبوی اور صحابہ سے اختلاف رہا ہے، پھر آپ نے فقہی اختلافات کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تحریروں اور آپ کی آراء کی روشنی میں واضح کیا ہے، اس کے بعد فقہی مسالک میں جمع و تطبیق اور اجتہاد و تقلید کے بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے کو پیش کیا ہے اور ان موضوعات سے متعلق آپ کے نظریہ کی وضاحت کی ہے، اخیر میں فقہی اختلافات سے متعلق رابطہ عالم اسلامی اور ہندوستان کے اکابر علماء کا فیصلہ ذکر کیا ہے، ۱۱۲/ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۲۰۰۳ء میں اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی سے شائع ہوئی ہے، ابتداء میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ اور دیگر محقق علماء کی تحریریں ہیں۔

فقہ کے خاص ابواب سے متعلق کتابیں

عبادات :

۱- سیرت النبی ﷺ (پنجم) از: علامہ سید سلیمان ندویؒ

سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی شہرہ آفاق کتاب ''سیرت النبی'' سیرت کے موضوع پر منفرد مقام اور مرجع کی حیثیت رکھتی ہے، اس کی پانچویں جلد عبادات پر مشتمل ہے، اس میں مؤلف نے عبادات جسمانی نماز، زکوۃ، روزہ وحج کے ساتھ عبادات قلبی، تقویٰ، اخلاص، توکل اور صبر وشکر کے تفصیلی مباحث کو قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں پیش فرمایا ہے، فقہی مسائل اور جزئیات بھی زیر بحث آئے ہیں، لیکن سید صاحب نے اس میں اختلافی رنگ نہیں پیدا ہونے دیا ہے، اُسلوب کی چاشنی اور زبان کی شگفتگی جو سید صاحب کا طرہ امتیاز ہے، یہاں بھی پوری طرح نمایاں ہے، اس جلد کے متعلق سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ ''ان موضوعات پر فقہاء میں بڑا اختلاف رہا ہے، ان دشوار گذار راہوں کو سید صاحب نے جس طرح طے کیا ہے اور اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے اس سے بڑے بڑے متقشف فقہاء کو بھی اختلاف نہیں ہوا ہے اور ان کے لکھنے میں جو کلامی رنگ پیدا کر دیا ہے، اس سے بڑا سے بڑا متکلم بھی لطف اندوز ہوسکتا ہے'' (۱) یہ جلد ۲۶۹ صفحات پر مشتمل ہے، دار المصنفین سے متعدد ایڈیشن نکلے ہیں، اب الفیصل ناشران وتاجران کتب غزنی اسٹریٹ پاکستان سے بھی چھپ رہی ہے۔

---

(۱) مولانا سید سلمان ندوی کی تصانیف، ص: ۱/۱۹

۲- الفقہ المیسر علی مذہب الامام ابی حنیفہ النعمان (عربی)

از: مولانا شفیق الرحمٰن صاحب ندویؒ

یہ حضرت الاستاذ مولانا شفیق الرحمٰن صاحب ندویؒ استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی وہ شہرہ آفاق کتاب ہے جسے جمہور اُمت نے قبولیت سے نوازا ہے اور جو ہندوستان کے علاوہ پاکستان، بنگلہ دیش، لندن، افریقہ اور دیگر ممالک کے مدارس و جامعات میں داخل نصاب ہے، صرف ہندوستان سے اس کے سات ایڈیشن نکل چکے ہیں، جب کہ پاکستان اور بنگلہ دیش سے بھی متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں اور اب دار ابن کثیر بیروت سے بڑی آب وتاب کے ساتھ شائع ہوئی ہے، اس میں صرف عبادات یعنی طہارت، صلاۃ، صوم، زکوٰۃ اور اضحیہ کے مسائل کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے مشورہ سے یہ کتاب مرتب کی گئی ہے، اس میں بچوں کی نفسیات کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، زبان وبیان اور اُسلوب بالکل آسان ہے، دلائل اور اختلافات سے گریز کیا گیا ہے، نیز ہر باب کے شروع میں اس سے متعلق آیات واحادیث کو ذکر کیا گیا ہے، ابتداء میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا قیمتی مقدمہ ہے، آپ طویل عرصہ تک دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ اور دیگر علمی مناصب پر فائز رہے ہیں، ۲۲/ جون ۲۰۰۲ء کو آپ کی وفات ہوگئی۔

۳- اسلامی فقہ (اول)

حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی دامت برکاتہم کی سب سے اہم اور ضخیم کتاب ہے، جسے شرعی احکام کا انسائیکلوپیڈیا کہا جاسکتا ہے، اس میں عبادات سے متعلق تمام مسائل یعنی نجاست وطہارت، وضو، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور قربانی وغیرہ کے مباحث کو تفصیل کے ساتھ آسان اُسلوب میں پیش کیا گیا ہے، اس کتاب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ مسائل کی توضیح وتشریح میں دیگر دبستان فقہ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، جس کا حوالہ موجود ہے، پھر ہر باب کے شروع میں اس کی تمہید ہے جس میں

قرآن وحدیث کی روشنی میں اس باب کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، اس کے تمام مسائل اصل مراجع سے ماخوذ ہیں، حوالوں کا پورا اہتمام ہے، اس کا پہلا باب عقائد پر مشتمل ہے، اس کے بارے میں ناشر کی یہ تحریر کہ ہر مسلمان کے گھر میں اس کتاب کا ہونا ضروری ہے بالکل بجا ہے، مکتبہ الحسنات رام پور سے اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں، اب یہ تاج کمپنی دہلی سے چھپ رہی ہے، کل صفحات ۵۲۴ ہیں۔

۴- ارکانِ اربعہ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (۱۹۱۴-۱۹۹۹ء) کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، آپ کی تصنیفات میں ایک اہم کتاب ''ارکانِ اربعہ'' بھی ہے، جو اُردو و عربی دونوں زبانوں میں متعدد بار شائع ہو چکی ہے، صرف ہندوستان سے اُردو کے سات ایڈیشن نکل چکے ہیں، یہ ۳۸۴/ صفحات پر مشتمل ہے اور مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ندوۃ العلماء کے علاوہ مجلس نشریات اسلام کراچی سے بار بار شائع ہوئی ہے، اس کتاب میں اسلام کے چار بنیادی ارکان نماز، زکوۃ، روزہ اور حج کی حقیقتوں اور حکمتوں سے بحث کی گئی ہے اور ان کی صحیح شرعی حیثیت، قانونی پہلو، دینی نظام اور انفرادی واجتماعی زندگی میں ان کے مقام اور مقاصد واسرار کو جو قرآن وحدیث سے ثابت ہیں اُجاگر کیا گیا ہے، کتاب کی ترتیب میں سب سے پہلے قرآن وحدیث کو سامنے رکھا گیا ہے، اور ان دونوں میں ارکان اسلام کی روح اور حقیقت ومقاصد کے بارے میں جو کچھ آیا ہے اس کا پورا مغز بیان کر دیا ہے، اسی طرح بعض متاخرین ومعاصر اہل علم کے اقتباسات کو بھی پیش کیا ہے اور دیگر مذاہب سے موازنہ کر کے دکھایا ہے، جس سے اس کی پوری حقیقت سامنے آ گئی ہے، اُسلوب وبیان میں ادبی چاشنی پوری طرح نمایاں ہے، بہت سے اہل علم واصحابِ قلم نے اس شاہکار تصنیف کی داد وتحسین کی ہے۔

۵- کتاب الصلوۃ واحکامہ المقارنۃ بالکتاب والسنۃ (عربی)

از: دکتور عبدالوہاب زاہد ندوی

یہ کتاب ۳۱۹ صفحات پر مشتمل ہے اور ۲۰۰۰ء میں طبع ہوئی ہے، مصنف شامی نژاد عالم ہیں، ہندوستان اور پاکستان کے مرکزی اداروں سے اکتساب فیض کیا ہے، پاکستان کے زمانہ قیام میں انھوں نے سندھ یونیورسیٹی سے پی، ایچ، ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی، ان کی متعدد تصنیفات ہیں جو منظر عام پر آ کر خراج تحسین وصول کر چکی ہیں، اس کتاب میں انھوں نے نماز کے مسائل کو قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیا ہے، یہ تین ابواب پر مشتمل ہے، پہلا باب طہارت سے متعلق ہے، دوسرے باب میں ارکان صلوۃ، واجبات صلوۃ اور سنن صلوٰہ سے بحث کی ہے اور تیسرے باب میں قصر، جمعہ، عیدین، کسوف وخسوف اور جنائز کے مسائل کو بیان کیا گیا ہے، اور مسائل کے ساتھ دلائل کو بھی ذکر کیا ہے، لیکن کسی متعین امام کی پیروی نہیں کی ہے، بلکہ اکثر مسائل میں چاروں مسالک کو ذکر کیا ہے اور دلائل میں احادیث اور ائمہ کے اقوال کو ترجیح دی ہے۔

۶- اذانِ خطبہ کا صحیح محل (اول) از: مولانا بدر احمد مجیبی ندوی

مولانا بدر احمد مجیبی ندوی خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف پٹنہ اس خاندان کے چشم و چراغ ہیں، جس میں مولانا شاہ سلیمان پھلواروی، مولانا جعفر پھلواروی اور امیر شریعت اول مرحوم جیسی شخصیتیں پیدا ہوئیں، ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد آپ نے المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء سے تدریسی زندگی شروع کی اور اب تک یہیں تخصص کرنے والے طلبہ کو فیض یاب کر رہے ہیں۔

یہ کتاب دراصل ''اذانِ خطبہ کہاں ہو؟'' نامی کتاب کا جواب ہے، جس میں خانقاہ مجیبیہ کے فتوی کو جو اذان خطبہ سے متعلق تھا استہزاء وتمسخر کا نشانہ بنایا گیا تھا، مولانا بدر احمد مجیبی ندوی صاحب نے اس کا جواب دیا ہے یہ ۱۳۵/ صفحات پر مشتمل دانش کدہ پھلواری شریف پٹنہ سے ۱۴۱۰ھ میں شائع ہوئی ہے، اس میں مؤلف کتاب نے پہلے مسئلہ کی وضاحت کے لئے اصل فتویٰ کو

قدرے تفصیل سے نقل کیا ہے، پھر معترض کے اعتراض پر گفتگو کی ہے اور ان کے دلائل کا جواب تحریر فرمایا ہے، انداز تحقیقی ہے اور فقہی مراجع کی بکثرت عبارتیں ذکر کی گئی ہیں اور ان حوالوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اذان ثانی منبر کے پاس مکروہ تحریمی نہیں بلکہ جائز و مستحسن ہے، اور اس کا مقصد اعلام غائبین کے بجائے حاضرین کو خطبہ کے لئے خاموش ومتنبہ کرنا ہے۔

۷- مقتدی کے ذمہ سورہ فاتحہ کی فرضیت، قرآن وحدیث کی روشنی میں

از: مولانا محمد اسرائیل ندوی

یہ کتاب ایک کتابچہ کے جواب میں لکھی گئی ہے، جو غیر مقلد حضرات کی فکر پر مبنی ہے، اس میں قرآن وحدیث کے ذریعہ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے، اور اس مسئلہ میں احناف کے جو دلائل ہیں اس کا جواب بھی دیا ہے، ۱۵۵/ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۹۹۷ء میں الدار السّلفیہ سے چھپی ہے۔

۸- اسلام میں نماز جمعہ کا حکم   از: مولانا محمد رئیس ندویؔ

یہ کتاب ۴۷۸/ صفحات پر مشتمل ہے اور ادارۃ البحوث الاسلامیہ جامعہ سلفیہ بنارس سے ۱۹۹۵ء میں چھپی ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ جمعہ کی نماز کے سلسلہ میں احناف کا جو مسلک ہے وہ از روئے حدیث غلط ہے، بلکہ حدیث وقرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ کی نماز شہر اور دیہات دونوں جگہ پڑھی جاسکتی ہے، اس تعلق سے احناف کے دلائل کا جائزہ لیا ہے، پھر مستدل روایتوں پر کلام کیا ہے، پھر اپنی دلیل پر روشنی ڈالتے ہوئے وجوہ رجحان کو نمایاں کیا ہے، نیز مدینہ منورہ کے دیہات ہونے کی دلیل پیش کی ہے، اس طرح یہ کتاب فقہی مباحث کے ساتھ حدیث کی فنی موشگافیوں اور رجالِ کلام پر مشتمل ہے اور مؤلف نے پوری تفصیل کے ساتھ اپنے مسلک کی وضاحت کی ہے۔

۹- اسلام میں زکوٰۃ کا نظام

مولانا شہاب الدین ندوی کا یہ مختصر رسالہ ۲۶/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۸۷ء میں فرقانیہ اکیڈمی بنگلور سے شائع ہوا ہے، اس میں مؤلف نے اس موضوع پر بحث کی ہے کہ کیا زکوٰۃ کی رقم صرف عربی مدارس کے بچوں کو دی جاسکتی ہے یا علمی و تحقیقی کام کرنے والے غریب علماء اور جدید علوم حاصل کرنے والے طبقہ بھی اس کے مستحق ہوں گے، قرآن وحدیث کی روشنی میں آپ نے اس کی وضاحت کی ہے کہ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں ''فی سبیل اللہ'' نہایت اہم مصرف ہے اور اس کے تحت عربی مدارس کے علاوہ علمی و تحقیقی کاموں کے ادارے بھی آتے ہیں اور علمی واشاعتی ادارے بھی اس کے مستحق ہوسکتے ہیں، چوں کہ یہ بھی دینی علوم کی نشر واشاعت اور اسلامی نظام برپا کرنے کی راہ ہموار کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

۱۰- زکوٰۃ کے مستحق کون؟ از: مولانا شہاب الدین ندویؒ

یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے، اس کتاب کی داستان یہ ہے کہ صاحب کتاب نے ۱۹۸۷ء میں ''اسلام میں زکوٰۃ کا نظام'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا، جو متعدد رسالوں میں چھپا، اس میں انھوں نے یہ لکھا تھا کہ زکوٰۃ کی رقم صرف مدارس کے لئے خاص نہیں ہے، بلکہ دیگر حضرات بھی جو علم دین کی خدمت میں لگے ہوتے ہیں لے سکتے ہیں، مولانا کی اس رائے پر کئی بڑے علماء نے نقد کیا، چنانچہ اس کے جواب میں مضمون نگار نے دوبارہ قلم اُٹھایا اور اس مسئلہ کی پوری وضاحت کی، اس میں پہلے معترض کے دلائل کا جائزہ لیا ہے، پھر احادیث کی روشنی میں فی سبیل اللہ کا مفہوم بیان کیا ہے اور اس سلسلہ میں فقہاء احناف کے نقطہ نظر کی وضاحت کی ہے، اس کے بعد تملیک اور اس کے متعلق مسائل کو زیر بحث لایا ہے، کتاب حوالوں سے مزین ہے، لیکن اُسلوب میں تلخی آ گئی ہے اور مختلف جگہوں پر نامناسب جملے استعمال ہوئے ہیں، یہ جلد ۲۴۱/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۹۰ء میں شائع ہوئی ہے۔

اس کی دوسری جلد ۱۸۳/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۹۱ء میں یہ مکمل ہوئی ہے، اس میں جہاد فی سبیل اللہ کی حقیقت اور جہاد اور فی سبیل اللہ کے بارے میں علماء اور محققین کے نقطہ ہائے نظر پر بحث کی گئی ہے اور فی سبیل اللہ اور جہاد سے متعلق جو آیتیں ہیں اس کا جائزہ پیش کیا گیا ہے، اس کے علاوہ اس مصرف میں اہل علم کس طرح شریک ہوتے ہیں، اس کی وضاحت کی ہے اور نواب صدیق حسن خان کی تحقیق کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے، یہ جلد بھی فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور سے شائع ہوئی ہے، یہ کتاب زکوٰۃ سے متعلق قرآن وحدیث کے رموز اور فلسفہ شریعت کی تشریح وتوضیح کے سلسلہ میں اپنی نوعیت کی بے مثال تصنیف ہے، اس میں اہل علم کو زکوٰۃ دیئے جانے کے سلسلہ میں پیش کئے جانے والے تمام شکوک وشبہات کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، نیز یہ مختلف فقہی مسلکوں میں تطبیق دینے اور اُمت کے مختلف طبقات میں پائے جانے والے اختلافات کو دور کرنے کے سلسلہ میں بھی ایک بہترین کوشش ہے۔

۱۱- زکوٰۃ فضائل ومسائل از: مولانا عبدالرشید ندوی

سید عبدالرشید ندوی صاحب قصبہ کوڑا جہان آباد ضلع فتح پور (ہسوہ) کے رہنے والے اور اب لکھنؤ میں مقیم ہیں، انھوں نے ندوۃ العلماء کے درجہ اول مکتب میں ۱۹۵۹ء میں داخلہ لیا، ۱۹۷۱ء میں عالمیت اور ۱۹۷۳ء میں فضیلت کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی سے بی-اے کیا اور جامعۃ الامام محمد بن سعود ریاض سے ایم-اے کیا ہے، چار سال تک دار العلوم ندوۃ العلماء کے استاذ بھی رہ چکے ہیں، فقہ کے علاوہ مختلف موضوعات پر ان کے کئی رسالے ہیں، اس رسالہ میں انھوں نے مسائل کو نئے انداز میں پیش کیا ہے، آپ کا طرز یہ ہے کہ مسائل بیان کرنے کے بعد دلیل میں صرف قرآن یا حدیث کو پیش کرتے ہیں، اس طرح فقہ حنفی کے متعلق عرب ممالک میں جو غلط فہمیاں پھیلائی جارہی ہیں اس کا ازالہ ہو جاتا ہے، مذکورہ کتاب میں بھی اسی انداز سے زکوٰۃ کے مسائل کو بیان کیا ہے، اس میں بعض جدید مسائل کو بھی بیان کیا ہے، حوالوں کا پورا اہتمام کیا ہے، یہ ۴۸/ صفحات پر

مشتمل ہے اور ۱۹۹۵ء میں کمپیوٹر اُردو کتابت سنٹر ندوہ روڈ لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے، اس سے قبل یہ رسالہ پاکستان سے بھی چھپ چکا ہے۔

۱۲- زکوٰۃ اور مصالح عامہ از: مولانا شہاب الدین ندویؒ

زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں ایک فی سبیل اللہ بھی ہے، فی سبیل اللہ کے بارے میں شروع سے ہی اختلاف رہا ہے، بعض حضرات اس میں عمومیت کے قائل ہیں جب کہ دیگر علماء اس کو غازی اور حجاج کے لئے خاص مانتے ہیں، مذکورہ کتاب میں مؤلف نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے، مؤلف کا ابتداءً نقطۂ نظر یہ تھا کہ یہ مصرف مطلق عام نہیں ہے، بلکہ اس کے تحت تین طبقے آسکتے ہیں (۱) غازی (۲) حاجی (۳) اہل علم، پھر بعد میں مزید غور وفکر اور احادیث کی مراجعت سے معلوم ہوا کہ اس مصرف میں حسب ضرورت مصالح عامہ بھی شامل ہوسکتے ہیں، چنانچہ مذکورہ کتاب میں متعدد متقدمین ومتاخرین کی عبارتوں کو پیش کرکے یہ واضح کیا ہے کہ علماء اُمت کا بڑا طبقہ فی سبیل اللہ کے مصرف میں تعدد کا قائل ہے اور مصالح عامہ کو بھی اس مد میں داخل مانتا ہے، اس کے علاوہ سہ ماہی بحث ونظر کے ایک مضمون کا جواب بھی ہے اور اخیر میں ایک استفتاء جسے اہل علم کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے، پہلے مضمون میں تحقیقی رنگ غالب ہے اور زبان آسان وعام فہم ہے البتہ انداز میں کہیں کہیں تلخی آگئی ہے اور بسا اوقات مناظرہ کا گمان ہونے لگتا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۹۱ء میں فرقانیہ اکیڈمی بنگلور سے چھپی ہے اور ۱۹۷/ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۳- احکام الزکوٰۃ والصدقہ مرتب: مفتی محمد زید مظاہری ندوی

یہ کتاب ۱۰۴/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۴۱۹ھ میں ادارہ افادات اشرفیہ ہتھورا باندہ یوپی سے چھپی ہے، اس میں مرتب نے صدقہ واجبہ، صدقہ نافلہ، زکوٰۃ اور چندہ کے مسائل کو حضرت تھانویؒ کے افادات سے جمع کردیا ہے، قرآنی آیات اور دیگر حوالہ جات کا پورا اہتمام ہے۔

۱۴- زکوٰۃ کے اجتماعی نظام کی اہمیت از: مولانا شہاب الدین ندویؒ

یہ مختصر رسالہ دو مقالوں پر مشتمل ہے، پہلے مقالہ میں زکوٰۃ کی اہمیت، معاشرہ کی اصلاح وترقی میں زکوٰۃ کا کردار، زکوٰۃ کا اجتماعی نظام، زکوٰۃ کے مصارف اور زکوٰۃ کے صحیح طریقہ استعمال کے مباحث ہیں، جب کہ دوسرا مقالہ نصاب تعلیم سے متعلق ہے، اس میں جدید اُسلوب میں تعلیم کی اہمیت کے ساتھ زکوٰۃ کے فنڈ سے تعلیمی وظائف دینے اور تعلیمی مقاصد کے لئے اس رقم کو استعمال کرنے کے بارے میں لکھا ہے اور یہ بتایا ہے کہ معاشرہ کی اصلاح کے لئے زکوٰۃ کا اجتماعی نظام ضروری ہے اور علمی و تعلیمی مقاصد کے لئے زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا بعض صورتوں میں فرض کفایہ اور بعض صورتوں میں فرض عین ہو جاتا ہے، یہ ۲۴/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۹۵ء میں فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ سے شائع ہوا ہے۔

۱۵- زکوٰۃ کس طرح ادا کریں؟ از: ڈاکٹر مولانا محمد صدر الحسن ندوی

یہ مختصر رسالہ زکوٰۃ کی اہمیت، معاشیات میں اس کا مقام، زکوٰۃ کی مصلحتیں، زکوٰۃ کی نمایاں خصوصیات، زکوٰۃ کا اجتماعی نظام، وجوب زکوٰۃ کے شرائط اور زکوٰۃ کے مستحقین جیسے ابواب پر مشتمل ہے، عوامی ضرورت کے پیش نظر عام فہم انداز میں صرف مسائل کو بیان کیا ہے، روزمرہ کے استعمال کی چیزوں اور تجارت کی مختلف صورتوں میں کس طرح زکوٰۃ واجب ہوتی ہے کو الگ الگ ذکر کیا ہے، کل صفحات ۲۴/ ہیں اور معہد الدرسات الاسلامیہ اورنگ آباد سے شائع ہوا ہے۔

۱۶- کیا زکوٰۃ علماء کو دی جاسکتی ہے؟

مولانا شہاب الدین ندویؒ کا یہ مختصر رسالہ دراصل ان کی مفصل تصنیف ”زکوٰۃ کے مستحق کون“ کا خلاصہ ہے، اس میں فقہاءِ کرام کے فتاویٰ کی روشنی میں یہ بتایا گیا ہے کہ ”فی سبیل اللہ“ کے تحت دینی خدمت میں لگے ہوئے علماء کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہی نہیں بلکہ علم دین کی بقاء کے لئے نہایت ضروری ہے، ۱۶/ صفحات پر مشتمل یہ کتابچہ ۱۹۹۰ء میں فرقانیہ اکیڈمی بنگلور سے شائع ہوا ہے۔

۱۷- کتاب الصوم واحکامہ المستمدۃ من الکتاب والسنۃ (عربی)

از: دکتور عبدالوہاب زاہد حلبی ندویؔ

یہ کتاب ۱۶۴/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۲۰۰۱ء میں شائع ہوئی ہے، اس میں پانچ فصلیں ہیں، پہلی فصل میں روزہ کی تعریف مشروعیت اور فضائل کو بیان کیا ہے، دوسری فصل روزہ کے شرائط وارکان پر مشتمل ہے، تیسری میں مفسدات ومبیحات پر بحث کی گئی ہے، جب کہ چوتھی فصل میں روزہ کی قسموں اور پانچویں میں اعتکاف، صدقہ فطر اور تراویح کے مباحث کا بیان ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں ان مسائل کو لکھا گیا ہے اور دلائل بھی ان ہی مراجع سے فراہم کیا ہے، البتہ مستند فقہی کتب سے بھی مراجعت کی گئی ہے جس کے حوالے موجود ہیں۔

۱۸- روزہ فضائل ومسائل از: مولانا سید محمد عبدالرشید ندویؔ

اس میں روزہ اور اس کے متعلق مسائل کو قرآن وسنت کی روشنی میں ترتیب دیا گیا ہے اور مسائل کے ساتھ دلائل کا بھی ذکر کیا ہے اور اس بات کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ دلائل قرآن اور صحاح کی احادیث سے دیئے جائیں، تاکہ قرآن وحدیث کے ساتھ قارئین کا رشتہ ٹوٹنے نہ پائے، البتہ کہیں کہیں فقہی کتابوں کے حوالے بھی ہیں، اس میں روزہ کے اہم مسائل آگئے ہیں، مصنف نے پورے اعتدال کے ساتھ بعض جدید مسائل خصوصاً غیر ممالک میں پیش آنے والے مسائل کو بیان کیا ہے، فروعی مسائل کے سلسلے میں مؤلف کا ذہن بہت وسیع ہے اور انھوں نے دیگر مسالک پر عمل کرنے کا مشورہ بھی دیا ہے، تاکہ تمام احادیث پر عمل ہوجائے، یہ ۱۴۸/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۹۵ء میں کمپیوٹر سنٹر ندوی منزل ندوہ روڈ لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔

۱۹- روزہ اور دستور العمل از: مولانا علاء الدین ندویؔ

مولانا علاء الدین ندویؔ صاحب ندوۃ العلماء کے استاذ ہیں اور اُردو وعربی دونوں زبانوں

میں متعدد کتابوں کے مصنف بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے لکھنے کا خاص ذوق عطا کیا ہے، ادب ان کا پسندیدہ موضوع ہے، جس کی وجہ سے ان کی ساری تحریروں میں ادبی چاشنی نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے، آپ کی ایک کتاب روزہ اور دستور العمل بھی ہے، جو شاید ابتدائی دور کی قلمی یادگار ہے، یہ ۹۶/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۸۴ء میں مجلس علم و عرفان رانچی سے شائع ہوئی ہے، اس میں روزہ کا مفہوم، اس کی اہمیت، فضیلت اور حکمت پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس کی خصوصیات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ روزہ ایک دستور العمل ہے، جو مسلمانوں سے پوری زندگی میں نظم وضبط کی پابندی کا مطالبہ کرتا ہے اور اس کا مقصد انسان کی روحانی تربیت اور اس کے اندرون کو غذا پہنچانا ہے، کتاب اختصار کے باوجود معلومات سے لبریز ہے اور اُسلوب بیان نہایت عمدہ ہے۔

۲۰- معلم روزہ — از: مولانا ذکر اللہ ذاکر ندویؒ

یہ مختصر رسالہ ۱۶/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا ہے، اس میں روزہ کی فرضیت، اس کا مقصد اور دنیا و آخرت کے اثرات کے متعلق قرآن و حدیث کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔

۲۱- رمضان کے شرعی احکام — از: مولانا محمد مصطفیٰ عبد القدوس ندوی

مولانا مصطفیٰ عبد القدوس ندوی کی یہ تحقیقی کتاب رمضان کے احکام سے متعلق مرجع کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں رمضان سے متعلق تقریباً تمام ضروری ابواب مثلاً رویت ہلال، روزہ، تراویح، وتر، اعتکاف، صدقہ فطر اور عید الفطر وغیرہ کے مسائل بیان کئے گئے ہیں، موضوع سے متعلق جدید مسائل کو بھی زیر بحث لایا ہے اور اس کے متعلق شرعی نقطہ نظر کی وضاحت کی ہے، اس طرح یہ اس موضوع پر بالکل منفرد اور جامع کتاب ہوگئی ہے، اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ تمام مسائل کو تحقیقی انداز میں مرتب کیا گیا ہے، اور جو کچھ لکھا ہے وہ دلائل کی روشنی میں لکھا ہے، پھر دلائل میں نصوص کو اولیت دی ہے، اس کے بعد مجتہدین کے اجتہادات اور فقہ اسلامی کی

متون وشروح سے استفادہ کیا ہے، مجتہد فیہ مسائل میں فقہاء کے ان اقوال کو ترجیح دی ہے جو نص سے زیادہ قریب ہیں اور جن جزئیات میں فقہاء کی عبارتیں نہیں ملتیں اس میں راست نص شرعی اور اسلامی اُصول وقواعد کو تلاش کر کے پیش کیا ہے، ابتداء میں مولانا عتیق احمد بستوی صاحب استاذ فقہ دار العلوم ندوۃ العلماء کا مقدمہ اور حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا پیش لفظ ہے، جس سے اس کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے، زبان آسان اور انداز محققانہ ہے، ۴۷۵/صفحات پر مشتمل یہ کتاب المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد سے ۲۰۰۲ء میں چھپی ہے، جو اُردو داں طبقہ کے لئے قیمتی تحفہ اور طالبین علوم کے لئے گراں قدر علمی سرمایہ ہے۔

۲۲- حج ومقامات حج از: مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

حج کے موضوع پر اُردو میں اتنا سرمایہ جمع ہے کہ شاید ہی کسی مذہب کو اتنا ذخیرہ میسر آیا ہوگا، لیکن اس کثرت کے باوجود مذکورہ کتاب کی ایک انفرادیت اور الگ شناخت ہے، اس میں ایک طرف حج کے فضائل، ادا کرنے کا طریقہ، سفر کے آداب اور دیگر ہدایات موجود ہیں اور ذاتی تجربات اور بار بار کے مشاہدات کی روشنی میں حجاج کرام کی رہنمائی کی گئی ہے، تو دوسری طرف مقامات حج کی تاریخ اور اس کی جغرافیائی حالات، مشہور مقامات، شہروں اور بازاروں کی کیفیات بھی تحریر کی گئی ہے، جس سے اس کی اہمیت دوچند ہوگئی ہے، ابتداء میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا فکرانگیز مقدمہ ہے، اس طرح یہ کتاب حجاج کرام کے لئے بیش قیمت تحفہ اور تاریخ وجغرافیہ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے قابل قدر نعمت ہے۔

۲۳- حج اور زیارت

مرتبین: ڈاکٹر محمد یوسف نگرامی ندوی، محمد ہارون نگرامی ندوی

یہ کتاب اصلاً مولانا محمد ہارون نگرامی ندوی کی محنت وکاوش کا نتیجہ ہے، اس میں حج اور زیارت کے بارے میں مختلف ادوار کی تفصیل اور مقامات حج وطریقہ حج کی وضاحت کی ہے

اور مصطلحات حج اور رمی وسعی کے مسائل کی وضاحت کی ہے، اس کے علاوہ زیارت کے باب میں مسجد نبوی کی تعمیر اور زیارت کے آداب پر روشنی ڈالی ہے، اس میں ایک مضمون مرتب کے والد مولانا اویس نگرامی ندویؒ سابق شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء کا بھی ہے، اخیر میں زیارت کے وجوب اور عدم وجوب پر بحث کی گئی ہے اور جو حضرات وجوب کے قائل ہیں ان کے دلائل کا جواب دیتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ زیارت حقیقت میں مستحب ہے اور جن روایتوں سے وجوب کا پتہ چلتا ہے اس کی علامہ ابن حجرؒ اور شیخ ناصر الدین البانیؒ نے تضعیف کی ہے، اسی طرح مرتب نے مسجد قبا اور بقیع کی زیارت کو مستحب لکھا ہے۔

۲۴- اعمالِ حج　　　　　　　　از: سید محمد عبدالرشید ندوی

یہ ۱۶/ صفحات پر مشتمل پاکٹ سائز کا مختصر رسالہ ہے، جسے حجاج کرام کی سہولت کے لئے مؤلف نے مرتب کیا ہے، اس میں حج کے ضروری مسائل اور ایام حج میں ادا کئے جانے والے اعمال کا ترتیب وار ذکر ہے، تاکہ ہر طرح کے لوگوں کو ارکان حج کی ادائے گی میں سہولت ہو، حج کے اعمال میں وقت کی قلت اور اژدہام کی وجہ سے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں اسے مصنف نے بہت قریب سے دیکھا ہے اور بار بار اس کا مشاہدہ کیا ہے، اس لئے ان کا خیال ہے کہ رمی جمار زوال سے پہلے بھی کر سکتے ہیں اور ترتیب کے سلسلہ میں احناف کا جو مسلک ہے اس میں وسعت دینی چاہئے، ورنہ اس سے بڑے مسائل پیدا ہوتے ہیں، بعض عرب علماء بھی اس کے قائل ہیں، یہ پہلی بار ۱۴۱۴ھ میں کمپیوٹر اُردو کتابت سنٹر ندوی منزل روڈ لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔

۲۵- حج مسنون　　　　　　　　از: مولانا مختار احمد ندوی

مؤلف کتاب مشہور شخصیت کے حامل اور جمعیت اہل حدیث کے مرکزی ذمہ داروں میں سے ہیں، آپ متعدد کتابوں کے مؤلف ومترجم اور ماہنامہ البلاغ بمبئی کے ایڈیٹر بھی ہیں، مذکورہ کتاب ۲۵/ صفحات پر مشتمل ۱۹۷۷ء میں پہلی بار الدار السلفیہ سے چھپی ہے، اس میں مؤلف نے

حج کے مسائل اور مختلف مقامات کی دُعائیں قرآن وسنت کی روشنی میں پیش کی ہیں اور مقامات حج کی وضاحت بھی کی ہے۔

۲۶- تقدس حج   مرتب: ڈاکٹر محمد یونس نگرامی ندویؒ

یہ ان مقالات کا مجموعہ ہے جو''تقدس حج کانفرنس،، لکھنؤ منعقدہ ۱۹۸۷ء کے موقع پر پیش کئے گئے تھے، یہ ہندوستان کے منتخب علماء ودانشوران قوم کا شاندار اجتماع تھا، جس میں دینی مدارس وجامعات کے ذمہ داران، یونیورسٹیز کے پروفیسران اور علمی وتحقیقی شعبوں کے محققین شریک تھے، اس وقت مکہ مکرمہ میں ایرانی حادثہ پیش آنے کی وجہ سے مسلمانوں میں جو غم وغصہ کی لہر اور بیت اللہ سے عقیدت ومحبت کے جذبات موجزن تھے، اسی پس منظر میں یہ کانفرنس ہوئی تھی، اس میں بیرون ہند کی مایہ ناز ہستیوں نے بھی مقالہ پیش کیا تھا، ان ہی مقالات کو کتابی صورت دی گئی ہے، مختلف عناوین کے ساتھ مقالات کی انفرادیت اور ان کا علمی وتحقیقی وقار باقی ہے، اس طرح یہ اپنے موضوع پر بہترین سرمایہ ہے، ۱۹۸۸ء میں ۲۳۹/ صفحات پر مشتمل یہ کتاب جمعیۃ المثقفین المسلمین للتوعیہ الاسلامیہ لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔

۲۷- ہمارا حج   از: قاری ودود الحی ندویؒ (م:۱۹۹۶ء)

یہ مختصر رسالہ ۴۴/ صفحات پر مشتمل انجمن تبلیغ بمبئی سے چھپا ہے، اس میں ضروریاتِ سفر اور مناسک حج کی ضروری تفصیلات اختصار کے ساتھ بیان کی گئی ہیں، اخیر میں مختلف مقامات کی مسنون دُعائیں بھی مذکور ہیں۔

۲۸- معلومات متعلق حج   از: اعجاز ندوی

یہ مختصر رسالہ ۹۶/ صفحات پر مشتمل پاکٹ سائز میں مطبوع ہے، اس میں حج کرنے کا مختصر طریقہ اور حج کی مسنون دُعائیں ذکر کی گئی ہیں، اخیر میں عرب کے مروج الفاظ اور مختلف موقعوں کے لحاظ سے جملے، محاورے اور گنتیاں بھی درج ہیں، ۱۳۵۷ھ میں یہ شائع ہوا ہے۔

۲۹- تحفۃ الحجاج از: مولانا معین الدین اکرمی ندوی

۹۶/ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مکتبہ امام شافعی بھٹکل (کرناٹک) سے شائع ہوئی ہے، اس میں پہلے فضائل حج سے متعلق صحیح احادیث کوذکر کیا ہے، اس کے بعد حج کے احکام مثلاً: حج وعمرہ کا مفصل طریقہ، زیارت کے آداب، خواتین کو پیش آنے والے اہم مسائل وغیرہ سے متعلق ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں اور بالخصوص ان مسائل کو بیان کیا، جن سے متعلق عموماً حجاج دریافت کرتے ہیں، کتاب کے آخر میں سہولت کی خاطر قرآن وحدیث اور دیگر بعض اہم دُعاؤں کو مع ترجمہ ذکر کیا ہے، زبان آسان اور اُسلوب سہل ہے، ابتداء میں مولانا فاروق صاحب کا مقدمہ ہے ، یہ کتاب ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئی تھی۔

۳۰- حج وعمرہ فضائل ومسائل از: سید محمد عبدالرشید ندوی

یہ مختصر رسالہ ۶۱/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۴۱۶ھ میں کمپیوٹر کتابت سنٹر ندوی منزل، ندوہ روڈ لکھنؤ سے شائع ہوا ہے، اس میں مؤلف نے حج کی فرضیت، شرائط، حج کی قسمیں، میقات سے متعلق مسائل، احرام باندھنے کا طریقہ، عمرہ کی اہمیت، عمرہ کے ارکان وواجبات اور مختلف موقعوں کے لئے دُعائیں بھی ہیں، دیگر کتابوں کی طرح مؤلف نے اس میں بھی مسائل کو احادیث سے مؤکد کرنے کی کوشش کی ہے۔

۳۱- غایۃ التحقیق فی تضحیۃ ایام التشریق از: مولانا محمد رئیس ندوی

یہ کتاب ۸۰/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۴۰۳ھ میں پہلی بار طبع ہوئی ہے، اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایام تشریق میں قربانی کرنی چاہئے اور اس سلسلہ میں کتاب وسنت سے مدلل انداز میں تحقیق پیش کی گئی ہے، (۱) خصوصاً اس مسئلہ سے متعلق چھ حدیثوں کو جمع کیا ہے اور ان کی سند رجال پر گفتگو کی ہے۔

---

(۱) جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات، ص: ۲۴۱

معاملات :

۱- اسلامی فقہ (جلد دوم) از: مولانا مجیب اللہ ندویؒ

یہ جلد معاشرت اور معاملات کے احکام پر مشتمل ہے، اس میں ان ابواب سے متعلق ہزاروں مسائل زیر بحث آئے ہیں، خصوصاً خرید وفروخت کے قدیم اور جدید طریقوں کو پوری تفصیل کے ساتھ اصل ماخذ کی روشنی میں پیش کیا ہے، جو خواص اور عوام دونوں کے لئے یکساں مفید اور لائق استفادہ ہے، اس ضمن میں مؤلف کتاب نے ائمہ اربعہؒ کے مسالک کو بھی بیان کیا ہے اور جہاں جہاں ضرورت پڑی ہے دیگر مسالک کو اختیار کرنے کا مشورہ بھی دیا ہے، اس طرح یہ کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے بڑی مفید اور اُردو سرمایہ میں گراں قدر اضافہ ہے، ۴۱۷/صفحات پر مشتمل یہ کتاب متعدد بار طبع ہو چکی ہے، پانچواں ایڈیشن حال ہی میں تاج کمپنی دہلی سے شائع ہوا ہے۔

۲- ربوا اور مضاربت از: مولانا عبدالقدوس ہاشمی ندویؒ

مولانا عبدالقدوس ہاشمیؒ کا شمار پاکستان کے اکابر علماء میں ہوتا ہے، انھوں نے پاکستان میں بڑی خدمات انجام دی ہیں اور آپ کے متعدد اہم علمی کارنامے ہیں، مذکورہ کتاب آپ ہی کی مرتب کردہ ہے، جو دوسری بار ۱۹۹۶ء میں ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد پاکستان سے چھپی ہے، اس کے دو حصے ہیں، پہلا حصہ ربوا سے متعلق ہے، جس میں ربوا سے متعلق مباحث کو احکام القرآن للجصاصؒ، ہدایہ، الشرح الصغیر، المہذب، المغنی اور اعلام الموقعین سے ترجمہ کر کے جمع کیا ہے، جب کہ دوسرے حصہ میں مضاربت سے متعلق تفصیلی بحث ہے، یہ کتاب ۳۰۸/صفحات پر مشتمل ہے اور ادارہ تحقیقات اسلامی کی جانب سے قانون داں حضرات کے لئے بطور حوالہ اور ریفرینس بک تیار کی گئی ہے۔

۳- بیع مرابحہ اور اسلامی بنک کاری

یہ مولانا شہاب الدین ندویؒ کا مقالہ ہے، جو انھوں نے اسلامک فقہ اکیڈمی کے زیر اہتمام

منعقدہ تیسرے فقہی سیمینار بمقام بنگلور میں پیش کیا تھا، یہی مقالہ ۱۹۹۰ء میں فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور سے کتابچہ کی شکل میں شائع ہوا ہے، اس مقالے میں اسلامی بنکوں کے تحت کی جانے والی بلاسودی تجارت پر فقہ اسلامی کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔

۴- عبادت وخدمت از: مولانا مجیب اللہ ندوی

اس کتاب میں عبادت کی وسعت کو بیان کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے کہ خدمت بھی عبادت میں شامل ہے، بلکہ یہ وہ اکسیر ہے جس کے ذریعہ برادران وطن کے قلوب کو فتح کیا جاسکتا ہے اوران تک اسلام کی دعوت پہنچائی جاسکتی ہے، اس ضمن میں اسلام نے خدمت خلق کا جوتصور دیا ہے اوراس کے متعلق قرآن وحدیث میں جوفضائل وارد ہوئے ہیں اس کو بھی اچھے پیرایہ میں ذکر کیا ہے، اس کے بھی متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں، چوتھا ایڈیشن ۱۹۹۱ء میں دار التالیف والترجمہ جامعہ الرشاد اعظم گڑھ سے طبع ہوا ہے، اس کا انگریزی ترجمہ بھی ہو چکا ہے، صفحات کی تعداد ٦٦ ہے۔

۵- آداب معاملات از: ابومسعود اظہر ندوی

۱۷۶/صفحات پر مشتمل یہ کتاب تیسری بار ۲۰۰۰ء میں مکتبہ اشاعت القرآن دہلی سے شائع ہوئی ہے، اس میں روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے عام معاملات اور عام انسانی سلوک کے آداب واحکام اوراس کے اسلامی طریقوں کو بیان کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ عبادات کی تصحیح کے ساتھ معاملات کی درستگی کتنی اہم ہے اور صالح معاشرہ کی تعمیر میں یہ چیز کتنا اہم رول ادا کرتی ہے، انداز بالکل آسان ہے اوراحادیث سے پورا استفادہ کیا ہے، کتاب دوحصوں میں منقسم ہے، پہلے حصہ میں عام معاملات سے بحث کی ہے اوردوسرے حصے میں خاص معاملات اورحقوق کو ذکر کیا ہے۔

٦- حقوق والدین از: محمد کاظم ندوی

۸۰/صفحات پر مشتمل یہ کتاب مکتبہ ایوب کاکوری لکھنؤ سے متعدد بار طبع ہو چکی ہے، اس میں قرآنی آیات اوراحادیث نبوی کی روشنی میں والدین کے حقوق بتائے گئے ہیں اوران کی اطاعت

وخدمت کوضروری قرار دیا ہے، عوام الناس کے فائدہ کے پیش نظر اُسلوب بہت آسان اور زبان سہل اختیار کی ہے۔

۷- سود، رشوت، قرض کے شرعی احکام مرتب: مفتی زید مظاہری ندوی

اس مختصر رسالہ میں سود، رشوت اور قرض کے مسائل کو بیان کیا ہے اور موجودہ زمانہ میں جو مختلف حیلوں کے ذریعہ سود اور رشوت خوری کی فضا بن چکی ہے، ان چور دروازوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور اس کی شناعت کو بیان کیا ہے، یہ رسالہ بھی حضرت تھانوی کے افادات سے مرتب کیا گیا ہے، صفحات کی تعداد ۸۰ ہے اور ۱۴۱۵ھ میں ادارہ افادات اشرفیہ باندہ سے شائع ہوا ہے۔

۸- پڑوسی کے حقوق از: محمد کاظم ندوی

۳۲/صفحات پر مشتمل یہ رسالہ ۱۹۷۸ء میں مکتبہ ایوب کاکوری لکھنؤ سے چھپا ہے، اب تک اس کے کئی ایڈیشن آچکے ہیں، اس میں پڑوسی کے حقوق کو قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح کیا ہے اور اس سے متعلق آیات واحادیث کی تشریح کی گئی ہے۔

۹- حقوق المال مرتب: محمد زید مظاہری ندوی

اس کتاب میں مال خرچ کرنے کے طریقے، بخل اور فضول خرچی کی شرعی حیثیت، اولاد کے ساتھ حسن سلوک، میراث کی شرعی تقسیم اور وصیت کے احکام ومسائل کو بیان کیا ہے، اس ضمن میں میراث کے تعلق سے جو غفلت برتی جاتی ہے اور عورتوں کو میراث سے محروم کیا جاتا ہے اس کی تفصیل بھی ذکر کی گئی ہے، یہ مجموعہ بھی افادات تھانوی پر مشتمل ہے صفحات ۱۲۵ ہیں، ۱۴۱۵ھ میں ادارہ افادات اشرفیہ باندہ سے طبع ہوئی ہے۔

معاشرتی مسائل

۱- اسلام کا قانونِ طلاق از: مولانا شہاب الدین ندویؒ

اس میں نکاح کی اہمیت اور اس کا فلسفہ، مرد اور عورت کا انتخاب، نکاح کے اُصول ومبادی،

ولیمہ کا فلسفہ اور اس کے احکام، مہر کا فلسفہ اور اس کے احکام، اسلامی معاشرت کے چند اُصول اور میاں بیوی کے حقوق، فرائض وغیرہ عناوین کے تحت مبسوط بحث کی گئی ہے، ہر مسئلہ کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے اور بعض مسائل پر نئے انداز میں روشنی بھی ڈالی گئی ہے، پھر شادی بیاہ سے متعلق غیر اسلامی عناصر کی نشاندہی کرتے ہوئے مسلمانوں کو صحیح اسلامی قانون اپنانے کی تلقین کی ہے، ۲۸۰/صفحات پر مشتمل یہ کتاب فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور سے شائع ہوئی ہے۔

۲- مطلقہ عورت کا نان ونفقہ اور سپریم کورٹ کا فیصلہ

از: مولانا محمد عمیر الصدیق ندوی

اس کتاب میں مطلقہ عورت کے نان ونفقہ سے متعلق سپریم کورٹ نے ایک مسلمان مرد پر جو ذمہ داری عائد کی ہے اور اس سلسلہ میں یکساں سول کوڈ کی جو تجویز پیش کی ہے، اس کا پورا تجزیہ کیا ہے، سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ دی کریمنل لاء جرنل ناگپور سے شائع ہوا تھا، اس کو سامنے رکھ کر اس کے ہر پیراگراف کا مدلل جواب دیا ہے اور طلاق، نفقہ اور مہر کے اسلامی تصور کو قرآن وحدیث اور ائمہ فقہ کی عبارتوں سے وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے، اُسلوب نہایت عمدہ ہے اور حوالوں کا اس طرح اہتمام ہے کہ تحقیق کا رنگ پیدا ہو گیا ہے، ۹۲/صفحات پر مشتمل یہ کتاب پہلی بار ۱۹۸۸ء میں منظر عام پر آئی ہے، مؤلف ندوۃ العلماء کے جید فاضل، صاحب قلم اور دار المصنفین کے رفیق ہیں۔

۳- اسلام کا قانون طلاق از: مولانا شہاب الدین ندویؒ

اس میں طلاق کے پورے نظام کو قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش کیا ہے، کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب میں بطور تعارف طلاق کے ضروری مسائل فقہ کی مستند کتابوں کے حوالہ سے بیان کئے گئے ہیں، دوسرے باب میں طلاق اور عدت کے بارے میں قرآن کریم میں جو مجمل آیات ہیں، ان کی تشریح وتفسیر مستند کتب تفاسیر سے بیان کی ہے اور تیسرے باب میں طلاق وعدت کے مسائل کا ایک جامع انتخاب مع تشریح وتوضیح پیش کیا ہے، اس کے علاوہ چند اختلافی

مسائل بھی زیر بحث آئے ہیں، کتاب ۱۴۴/صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۸۸ء میں پہلی بار فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور سے طبع ہوئی ہے۔

۴- مسئلہ کفاءت از: مولانا مجیب اللہ ندویؒ

اس میں مولانا مدظلہ نے کفاءت کے مسئلہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور فقہاء کے دلائل سے واضح کیا ہے کہ کفاءت اور برابری اصلاً تقویٰ میں دیکھنی چاہئے، اس کے علاوہ اس باب کی جتنی چیزیں ہیں سب اضافی ہیں، اور جن فقہاء نے ان کو کفاءت میں شامل کیا ہے وہ مصلحت اور عرف کی بنیاد پر ہے نہ کہ شرعی بنیاد پر، اس ذیل میں احناف کے علاوہ دیگر مسالک کا بھی جائزہ لیا ہے اور حوالوں کے ساتھ اپنی بات پیش کی ہے، یہ کتاب ۲۹/صفحات پر مشتمل ہے، اس کا پہلا ایڈیشن مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری ٹرسٹ لاہور سے شائع ہوا تھا، اب دار التالیف والترجمہ جامعہ الرشاد اعظم گڑھ سے بھی طبع ہو رہی ہے۔

۵- تنویر الآفاق فی مسئلۃ الطلاق از: مولانا محمد رئیس ندویؒ

۵۱۶/صفحات پر مشتمل یہ ضخیم کتاب پہلی بار ۱۹۸۷ء میں ادارۃ البحوث الاسلامیہ جامعہ سلفیہ بنارس سے طبع ہوئی ہے، اس میں ایک مختلف فیہ مسئلہ ایک مجلس کی تین طلاق پر مؤلف نے بڑی تفصیل سے بحث کی ہے، خصوصاً اس مسئلہ میں جمہور کے جو دلائل ہیں ان سب کا جواب دیا ہے، مستدل روایات پر بحث کی ہے، سند و رجال پر کلام کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک شمار ہوگی، لیکن ظاہر ہے کہ یہ نقطہ نظر جمہور سلف وخلف کے خلاف ہے اور شذوذ پر مبنی ہے۔

۶- نکاح کتنا آسان اور کتنا مشکل؟ اسلامی شریعت کی روشنی میں

مولانا شہاب الدین ندوی نے اس میں قرآن وحدیث کی روشنی میں بتایا ہے کہ اسلامی شریعت کی روشنی میں نکاح کس قدر آسان ہے اور دورِ رسالت میں کس طرح نکاح ہوا کرتا تھا؟ پھر اس ضمن میں انجام پانے والے بعض رسومات اور غیر شرعی اُمور کو ختم کرنے پر زور دیا ہے، اسی طرح

مہر اور ولیمہ کے بعض ضروری مسائل کو بیان کیا ہے اور احادیث کی روشنی میں بتایا ہے کہ ولیمہ مرغن دعوت کا نام نہیں، بلکہ چائے بسکٹ کے ذریعہ بھی ہوسکتا ہے، اخیر میں ازدواجی زندگی کے چند اُصول اور میاں بیوی کے حقوق وفرائض پر بھی روشنی ڈالی ہے، ۴۸/صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۹۹۱ء میں فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ سے شائع ہوئی ہے۔

۷- خطبہ نکاح ایک اہم معاشرتی ہدایت — از: مولانا مجیب اللہ ندوی

یہ مختصر رسالہ خطبہ نکاح کی تشریح پر مشتمل ہے، نکاح کے خطبہ میں جو آیتیں اور احادیث پڑھی جاتی ہیں اس کی دل نشیں تشریح کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ مختصر خطبہ دراصل ایک معاشرتی ہدایت ہے جس کے احترام سے مسلمان بہت سی چیزوں سے بچ سکتے ہیں، اس ذیل میں لڑکوں اور لڑکیوں کے انتخاب کا طریقہ اور اسراف وتبذیر کے نقصانات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، ۳۲/صفحات پر مشتمل یہ رسالہ دارالتالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ سے طبع ہوا ہے۔

۸- تین طلاق کا ثبوت — از: مولانا شہاب الدین ندویؒ

یہ مؤلفؒ موصوف کے دو اہم مقالوں کا مجموعہ ہے، پہلے مقالہ میں قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس سے مؤلف نے ثابت کیا ہے کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاق تین ہی واقع ہوگی اور یہی جمہور علماء اُمت کا مسلک ہے، اور دوسرے مقالہ میں ان تمام روایتوں کو ذکر کیا ہے جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت کی تین طلاق تین سمجھی جاتی ہیں، نیز اس سلسلہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر جو الزام لگایا جاتا ہے اس کی پردہ دری بھی کی ہے، زبان آسان اور شستہ ہے اور حوالوں کا پورا اہتمام کیا گیا ہے، جس سے اس کی افادیت دوچند ہوگئی ہے، کتاب ۵۴/صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۸۸ء میں پہلی بار فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور سے طبع ہوئی ہے۔

۹- نفقہ مطلقہ — از: مولانا محمد رئیس ندوی

۴۸/صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۹۸۵ء میں مطبع سلفیہ بنارس سے چھپی ہے، اس میں بتایا

گیا ہے کہ شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ کہ مطلقہ عورت جب تک دوسری شادی نہ کرے اس کے نان ونفقہ کی پوری ذمہ داری شوہر پر ہوگی، اسلامی شریعت کے خلاف ہے، پھر عورت کے نفقہ سے متعلق جو احکام ہیں اس کی تفصیل بتائی گئی ہے۔

۱۰- حقوق زوجین — از: مولانا محمد کاظم ندوی

اس کتاب میں زوجین کے حقوق اور اس کے متعلقہ مسائل کو تفصیل کے ساتھ قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ نکاح کے فضائل، نکاح کے مقاصد، عورت کی عزت وعصمت اور طلاق وغیرہ کے مسائل بھی زیر بحث آتے ہیں، یہ کتاب ۱۱۲/صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۸۴ء میں عظیم بک ڈپو دیو بند سے چھپی ہے۔

۱۱- شریعت اسلامیہ کی جنگ نفقہ مطلقہ کی روشنی میں

از: مولانا شہاب الدین ندوی

نفقہ مطلقہ کے متعلق سپریم کورٹ سے جو فیصلہ ہوا تھا اور مسلم رہنماؤں کی بروقت بیداری سے جو شریعت میں مداخلت کی کوشش ناکام ہوئی، اس کے متعلق یہ تحریر ہے، اس میں پہلے سپریم کورٹ کے فیصلہ کا جائزہ لیا گیا ہے، پھر ہندو لاء اور اسلامی قوانین کا موازنہ کیا گیا ہے اور نفقہ مطلقہ کے بارے میں مؤلف نے اسلامی نقطہ نظر کی وضاحت کی ہے اور قرآن وحدیث کی روشنی میں اسے پیش کیا ہے، اس کے علاوہ متاع اور طلاق کے مسائل کو بھی بیان کیا ہے، یہ ۲۲۰/صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۸۶ء میں فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور سے طبع ہوئی ہے۔

۱۲- الفرائد فی الفرائض (عربی) — از: دکتور محمد صدر الحسن الندوی المدنی

یہ کتاب میراث کے احکام ومسائل سے متعلق ہے، مؤلف نے مدارس کے طلبہ کے لئے مرتب کیا ہے، اس میں دو فصلیں ہیں، پہلی فصل فرائض کے علوم یعنی علم فرائض کی تعریف، فضائل،

زمانہ جاہلیت اور اسلام میں میراث کا نظام اور میراث کے ارکان وغیرہ ابواب پر مشتمل ہے، جب کہ دوسری فصل میں مختلف حیثیتوں سے ملنے والے ترکہ کی تفصیل ہے، زبان آسان اور انداز سلجھا ہوا ہے، جو طلبہ کے لئے بہت مفید ہے، کل صفحات ۴۸/ ہیں اور معہد الدراسات اسلامیہ اورنگ آباد سے شائع ہوئی ہے۔

۱۳- ازدواجی زندگی کے لئے اہم قانونی تجاویز

از: مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی ندویؒ

یہ کتاب پہلی بار ثقافت اسلامیہ لاہور سے ۱۹۵۵ء میں طبع ہوئی تھی، کل صفحات ۱۲ ہیں، اس میں مہر، ولیمہ، طلاق، خلع، ترکہ، دین وشریعت جیسے اہم عناوین پر گفتگو کی گئی ہے، اسلوب آسان اور عام فہم ہے، البتہ حوالوں کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے۔

۱۴- طلاق

از: مولانا مختار احمد ندوی

۱۳۹/ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۹۹۴ء میں الدار السّلفیہ سے طبع ہوئی ہے، اس میں مؤلف نے اسلامی نظام طلاق کو بیان کیا ہے اور طلاق کے بارے میں شریعت میں جو حد بندیاں کی گئی ہیں اس کو ذکر کیا ہے، اس کے بعد زبردستی دی گئی طلاق اور غصہ کی حالت میں دی ہوئی طلاق کے موضوع پر روشنی ڈالی ہے، اخیر میں ایک مجلس کی تین طلاق کو بھی زیر بحث لاکر اپنے مخصوص نقطہ نظر کو واضح کیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق کو تین قرار دینا عورتوں پر شدید ظلم اور ان کے ساتھ سراسر ناانصافی ہے اور حضرت عمرؓ نے اس کے متعلق جو فتویٰ دیا تھا وہ تادیب وتعزیر کی بنیاد پر ہے، نہ کہ کوئی دائمی حکم۔

۱۵- سپریم کورٹ کا فیصلہ حقائق وواقعات کی روشنی میں

مولانا شہاب الدین ندوی نے یہ کتاب ہندوستانی سپریم کورٹ کے اس غلط فیصلے کے

جواب میں لکھی ہے، جو ۲۳/ اپریل ۱۹۸۵ء کو نفقہ مطلقہ کے سلسلہ میں کیا گیا تھا، اس کتاب میں سپریم کورٹ کے غلط فیصلے اور اس سے پیدا ہونے والے نتائج کا حقائق و واقعات کی روشنی میں جائزہ لیتے ہوئے اس کے حقیقی اسباب و محرکات سے پردہ ہٹایا گیا ہے، اسی کے ساتھ مسلم پرسنل لاء پر کئے جانے والے اعتراضات کا مدلل و مسکت جواب دیا ہے، یہ کتاب ۱۹۸۶ء میں فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ سے شائع ہوئی ہے، اس کا انگریزی ترجمہ بھی ''دی بیٹل آف اسلامک شریعہ ان انڈیا'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

۱۶- تعدد ازدواج پر ایک نظر

یہ مولانا شہاب الدین ندویؒ کا ایک تحقیقی مقالہ ہے، جو مختلف اخبارات و رسائل میں چھپنے کے بعد ۱۹۸۹ء میں رسالہ کی شکل میں شائع ہوا ہے، اس میں مؤلف نے یہودی، عیسائی، ہندو اور اسلامی قوانین کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ ایک سے زائد شادیاں کرنے کی اجازت صرف اسلام میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے اکثر مذاہب میں ہے، اور آج بھی دنیا کے ۴۱۵ معاشروں میں اس کا رواج پایا جاتا ہے، اور مسلمان بڑی حد تک یک زوجگی کے پابند ہیں، جب کہ ہندوستان کی دیگر قوموں میں تعدد ازدواج یعنی کثیر زوجگی کا رواج مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ پایا جاتا ہے، یہ کتاب بھی فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور سے شائع ہوئی ہے۔

۱۷- جہیز ایک غیر اسلامی تصور

مولانا شہاب الدین ندویؒ نے اس کتاب میں قرآن اور حدیث کے دلائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ جہیز ایک غیر شرعی عمل ہے، اس ضمن میں شریعت اسلامی کے محاسن، اسلام میں عورتوں کے حقوق، شادی بیاہ کے غیر شرعی اعمال، فضول خرچی، اور مشرکانہ رسومات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، اور معاشرہ میں پڑنے والے اثرات کے تحلیل و تجزیہ کے بعد اُمت مسلمہ کو اس کے خاتمہ کے لئے جھنجھوڑا ہے، ۹۶/ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی ہے۔

۱۸- جہیز خلافِ شریعت کیوں؟

اس کتاب میں مولانا شہاب الدین ندویؒ نے اپنی مذکورہ کتاب جہیز ایک اسلامی تصور سے چند آسان مضامین کو عوامی استفادہ کی غرض سے جمع کیا ہے، اور نوجوانوں سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ معاشرہ کے اس سرطان کو روکنے کے لئے جگہ جگہ تحریک چلائیں، ۴۰/صفحات پر مشتمل یہ کتاب بھی فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور سے شائع ہوئی ہے۔

۱۹- شریعت کا مذاق کب تک؟ از: مولانا محمد صدر الحسن ندوی مدنی

یہ مختصر رسالہ ۲۴/صفحات پر مشتمل ہے، اس میں چند معاشرتی مسائل مثلاً نکاح رحمت یا زحمت، مہر اُدھار جوڑا نقد، ولیمہ سنت یا نمائش اور طلاق ضرورت یا تفریح جیسے عناوین کے ذریعہ مؤلف نے معاشرتی آداب واحکام کو بیان کیا ہے اور ان معاملات میں مسلمانوں کے عمل پر نکیر کرتے ہوئے صحیح طریقہ کی رہنمائی کی ہے، ۲۰۰۱ء میں یہ رسالہ اورنگ آباد سے شائع ہوا ہے۔

سلطانی احکام

۱- سیرت النبی ﷺ (جلد ہفتم) از: علامہ سید سلیمان ندویؒ

سیرت النبی کے سلسلہ میں سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کا ارادہ اخلاق کے بعد معاملات وسیاسیات پر ایک ضخیم جلد تیار کرنے کا تھا، اگر ایسا ہو جاتا تو یہ کتاب سیرت وتعلیمات نبوی پر مکمل انسائیکلوپیڈیا کا درجہ حاصل کر لیتی، لیکن افسوس کہ اس موضوع پر چند مضامین لکھنے کی نوبت آئی تھی کہ آپ کی کتاب زندگی کا آخری ورق اُلٹ گیا اور اس کتاب کو آپ مکمل نہ کر سکے، مذکورہ کتاب ان ہی چند مضامین کا مجموعہ ہے جو آپ نے معاملات اور سیاست کے موضوع پر سپرد قلم کیا تھا، یہ ضخامت کے اعتبار سے بہت کم ہے لیکن بقول حضرت مولانا علی میاں ندویؒ ’’اس چھوٹی کتاب میں بہت سے ایسے نکتے، وسیع مطالعہ کا نچوڑ اور فکر ونظر کی پختگی کے ایسے نمونے موجود

ہیں جو بہت سی ضخیم کتابوں میں نہیں ملیں گی‘‘(۱) ابتداء میں معاملات کے متعلق ایک مضمون اس کے بعد اسلام میں حکومت کی اہمیت، عہد نبوی کا نظام حکومت، سلطنت اور دین کا تعلق اور اُمتِ مسلمہ کی حیثیت، قوت عاملہ، قوتِ قاہرہ، حاکمِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے وغیرہ کے عناوین سے متعلق مضامین ہیں، جو اس موضوع پر بڑی اہمیت کے حامل ہیں، ۱۹۴/صفحات پر مشتمل یہ جلد آٹھویں بار ۱۹۹۲ء میں دارالمصنفین سے طبع ہوئی ہے، اس سے قبل پاکستان سے بھی یہ چھپ چکی ہے۔

۲- اسلام کا سیاسی نظام از: مولانا اسحٰق سندیلوی ندویؒ

۱۹۴۰ء میں جب مسلم لیگ کا طوطی بول رہا تھا اور ہندوستان میں بڑی شدومد کے ساتھ اسلامی حکومت کے قیام کا مطالبہ ہو رہا تھا، اس وقت ارباب مسلم لیگ کو خیال ہوا کہ اسلامی حکومت کے لئے اسلامی دستور ضروری ہے، اس لئے انھوں نے اس وقت کے مشاہیر علماء کی جو شریعت کے ماہرین تھے، ایک جماعت بنائی، اس میں علامہ سید سلیمان ندویؒ، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ، مولانا آزاد سبحانیؒ اور دیگر علماء شامل تھے، اس کی پہلی میٹنگ ندوۃ العلماء میں سید صاحبؒ کی زیر صدارت ہوئی اور اسلامی دستور کے مسودہ کی تیاری کی ذمہ داری مولانا اسحٰق سندیلوی ندوی کے سپرد کی گئی، مذکورہ کتاب اسی اسلامی دستور کا خاکہ ہے، جو بعض ناگزیر اسباب کی بناء پر عرصہ تک گوشہ گمنامی میں پڑا رہا، اس مسودہ کو سید صاحب نے ملاحظہ کیا تھا اور کہیں کہیں متعلق حاشیہ لگایا تھا، طباعت کے وقت مرتب نے نظر ثانی بھی کی ہے۔

اس میں اسلامی دستور کے بنیادی مباحث تفصیل کے ساتھ آگئے ہیں اور بقول مقدمہ نگار اس کو سامنے رکھ کر سلطنت کی ساری جزئیات طے کی جاسکتی ہیں، اس میں اسلامی نظریہ خلافت، قانون، قانون سازی کا طریقہ، خلیفہ، کے اختیارات، حرب ودفاع کے احکام، بیت المال، رعایا کے حقوق اور خاص معاملات وغیرہ کے متعلق تفصیلی ابواب ہیں، عبارت آسان اور سلیس ہے،

(۱) سیرت النبی (پیش لفظ): ۵/۷

اس کو دیکھ کر اسلامی نظام حکومت کا پورا خاکہ سامنے آجاتا ہے اور طرز خلافت جھلکنے لگتی ہے، یہ اسلامی شعور تیار کرنے کے لئے بڑی مفید اور مسلم حکمران کے لئے قابل قدر نعمت ہے، کاش اس کی قدر کی جاتی اور اس سے فائدہ اُٹھایا جاتا، ایک عرصہ کے بعد ۱۹۵۷ء میں دارالمصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوئی ہے۔

۳- اسلامی فقہ (جلد سوم) از: مولانا مجیب اللہ ندوی

یہ جلد حدود وقصاص اور تعزیرات کے مسائل پر مشتمل ہے، اس میں زنا کی حد، قذف کی حد، سرقہ کی حد، نشلی چیزوں کے احکام، ڈاکہ زنی، قصاص شہادت، دعوی (مرافعہ) ثبوت وشہادت، تعزیراتی جرائم جہاد، فی سبیل اللہ اور بین الاقوامی تعلقات کا دائرہ جیسے اہم موضوعات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے، مذکورہ ابواب ایسے ہیں جن سے اُردو کا دامن خالی ہے، لیکن اس کے باوجود مؤلف نے نہایت دقت نظر کے ساتھ آسان پیرائے میں ان گمنام گوشوں کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے، اس طرح اسلامی شریعت کا بڑا حصہ جو اسلامی حکومت کے نہ ہونے کی وجہ سے نظروں سے اوجھل ہوگیا تھا اس کی تفصیل جدید مسائل کی تطبیق کے ساتھ سامنے آتی ہے، ۳۶۴/ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۹۹۶ء میں تاج کمپنی دہلی سے طبع ہوئی ہے۔

۴- اسلامی قانون فوجداری از: مولانا عبدالسلام ندویؒ

یہ کتاب جیسا کہ نام سے واضح ہے فوجداری احکام پر مشتمل ہے، جو اصلاً مولانا سلامت علی خان جو حذاقت علی خان کے نام سے مشہور تھے کے ایک قلمی نسخہ کا ترجمہ مع تشریح ہے، یہ قلمی نسخہ ''کتاب الاختیار'' کے نام سے فارسی زبان میں لکھا گیا تھا، مذکورہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے، پہلے حصہ میں حد سرقہ، حد زنا، شراب خوری کی حد اور حد قذف کے بارے میں تفصیلی مباحث ہے، اس کا دوسرا حصہ جرائم پر مشتمل ہے، جس میں جرائم کی تفصیل، قصاص کے وجوب اور عدم وجوب کی بحث، قتل کے شاہد اور مدعی کا بیان، اعضاء کا قصاص، زخموں کی بحث، دیت کی بحث جانوروں کے

جرائم اور اس جیسے دیگر ابواب پر روشنی ڈالی گئی ہے، پوری کتاب فقہ کی عبارتوں پر مشتمل ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس باب سے متعلق مباحث کو مختلف کتابوں سے اخذ کر کے ایک ساتھ ترتیب دے دیا گیا ہے، کتابوں کے حوالے موجود ہیں، لیکن صفحہ نمبر وغیرہ کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے، یہ ۴۵۲/ صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب ۱۹۲۹ء میں دارالمصنفین اعظم گڑھ سے طبع ہو کر منظر عام پر آئی ہے۔

۵- اسلامی حکومت و دستور مملکت عقل و نقل کی روشنی میں

مرتب: مفتی زید مظاہری ندوی

یہ کتاب اسلامی حکومت کے احکام وآداب پر مشتمل ہے، اس میں مسئلہ امارت و امامت، عورتوں کی سربراہی، حکومت کی ضرورت، اغراض و مقاصد، نظام حکومت، حکام کے ضروری آداب، دستور مملکت اور قانون کی اہمیت اور اسلامی قوانین کے دفعات جیسے اہم مباحث اور ضروری چیزوں کو حضرت تھانویؒ کے افادات سے ترتیب دیا گیا ہے، اس کے علاوہ حدود، قصاص، عدالت، جہاد اور جزیہ وغیرہ کے مسائل بھی زیر بحث آئے ہیں، ۶۴۸/ صفحات پر مشتمل یہ ضخیم کتاب ۱۴۱۸ھ میں ادارہ افادات اشرفیہ باندہ سے شائع ہوئی ہے۔

۶- ہندوستان میں امارت شرعیہ از: مولانا سید سلمان حسینی ندوی

اس مختصر رسالہ میں امارت کی اہمیت وضرورت، امیر کی فضیلت اور خلافت کی ضرورت پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور فقہی و تاریخی حوالوں سے واضح کیا گیا ہے کہ اسلام میں اجتماعیت کی کتنی اہمیت ہے اور اس اجتماعیت کی بقاء کے لئے شریعت نے امیر وامارت کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ کتنا اہم ہے، ۱۲/ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ بقامت کہتر بقیمت بہتر کا مصداق ہے ۱۹۹۵ء میں دوسری بار جمعیت شباب اسلام لکھنؤ سے طبع ہوا ہے۔

۷- اسلام کے بین الاقوامی اُصول وتصورات از: مولانا مجیب اللہ ندوی

اس کتاب میں مولانا نے دور جدید کے ایک مسئلہ ''بین الاقوامی تعلقات'' کے موضوع پر

بحث کی ہے، اس سلسلہ میں اسلامی نقطۂ نظر کی وضاحت کی ہے اور بتایا ہے کہ بین الاقوامی تعلقات ومعاملات کے بارے میں مذہب اسلام نے کیا کیا ہدایتیں دی ہیں اور اس کے کیسے کیسے اُصول مرتب فرمائے ہیں، نیز اس کا صحیح مفہوم اور دائرہ کار کیا ہے؟ اس ضمن میں قومیت اور بین الاقوامی کے مسئلہ پر گفتگو کی ہے اور اس کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے، اس کے بعد اس تعلق سے جو اُصول شریعت میں ملتے ہیں اس کا ذکر کیا ہے اور اخیر میں معاہدات کی تقسیم اور اس کے احکام پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، اس کتاب میں زیادہ تر اُصولی مباحث کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، یہ ۱۹۳/ صفحات پر مشتمل ۱۹۹۰ء میں مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری ٹرسٹ لاہور سے طبع ہوئی ہے۔

۸- القضاء فی الاسلام از: مولانا عبدالسلام ندویؒ

اس کتاب میں اسلام کے عدالتی نظام کو تفصیل سے بیان کیا ہے کہ مذہب اسلام میں مقدمات ومعاملات کے فیصلہ کے لئے کیسے کیسے اُصول وضوابط ہیں، پھر مقدمات کو فیصل کرنے کا طریقہ بیان کیا ہے، خصوصاً شہادت کے باب میں تفصیل سے کلام کیا ہے کہ کن کن لوگوں کی گواہی قبول کی جائے گی، مدعی ومدعا علیہ کے کیا احکام ہیں؟ مسلمان قاضی کی کیا ذمہ داریاں ہیں، ان کے اختیارات کیا ہیں، انھیں کن شرائط کا پابند ہونا پڑتا ہے اور وہ کس طرح مقدمات کی سماعت کے بعد اپنا فیصلہ سناتا ہے؟ اس طرح اسلامی دارالقضاء کا پورا نقشہ کھینچا ہے اور اس کے تمام مسائل بیان کرنے کی کوشش کی ہے، حوالوں کے اہتمام کے ساتھ اُسلوب آسان اور رواں ہے، ۹۲/ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۹۴۸ء میں پہلی بار دارالمصنفین سے چھپی ہے، اب تک اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

۹- دستور مملکت قرآن کی روشنی میں مرتب: محمد زید مظاہری ندوی

یہ کتاب مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی منتشر تحریروں کا مجموعہ ہے جو انھوں نے اسلامی دستور مملکت کے بارے میں تحریر فرمائے تھے، بعض معارف القرآن کے صفحات میں تھے

اور بعض دیگر مضامین کے ساتھ، مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی نے بڑی خوش اُسلوبی کے ساتھ ان منتشر صدف ریزوں کو ایک ساتھ جمع کر دیا ہے اور اس انداز سے ترتیب دیا ہے کہ مستقل تصنیف کا گمان ہوتا ہے، اس میں دستور مملکت، طرز حکومت، حکومت کے فرائض واختیارات، صدر مملکت کے اوصاف، قضاء وشہادت اور حدود وقصاص کے مختلف عناوین سے اہم مباحث موجود ہیں، جس میں اسلامی نظام سیاست کی پوری جھلک ملتی ہے، یہ کتاب ۱۴۸/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۴۲۰ھ میں ادارہ افادات اشرفیہ باندہ سے طبع ہوئی ہے۔

۱۰- ثبوت رجم از: مولانا مجیب اللہ ندویؒ

اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے کہ شریعت نے شادی شدہ مرد وعورت کی سزا جو رجم یعنی سنگ ساری مقرر کی ہے وہ ایک اجماعی مسئلہ ہے، اس سلسلہ میں پہلے احکام زنا کو بتدریج بیان کیا ہے، پھر منسوخ التلاوۃ آیت کے بارے میں تفصیلی کلام کیا ہے اور اخیر میں مسئلہ رجم کے قدیم وجدید مخالفین کے اعتراضات کا جائزہ اور اس کا جواب پیش کیا ہے، یہ کتاب ۹۰/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۹۴ء میں دار التالیف والترجمہ اعظم گڑھ سے شائع ہوئی ہے۔

۱۱- اسلام کا سیاسی نظریہ اور فلاح عالم

از: مولانا محمد اسحٰق سندیلوی ندویؒ

یہ کتاب پہلی بار مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد سے طبع ہوئی ہے، کل صفحات ۵۸ ہیں، اس میں اسلامی نظام سیاست کو بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ پوری دنیا کی سلامتی اسی نظام کو قبول کرنے میں ہے، اس ضمن میں موجودہ سیاسی نظریات بھی زیر بحث آتے ہیں۔

۱۲- اسلام میں مرکزی حکومت کا تصور از: مولانا رشید اختر ندویؒ

یہ کتاب ادارہ معارف ملی اسلام آباد سے ۱۹۷۵ء میں طبع ہوئی ہے اور ۲۹۵/ صفحات پر

مشتمل ہے، شروع میں حرف آغاز کے عنوان سے مؤلف کی تمہیدی گفتگو ہے، مراجع کا اہتمام ہے، ماٰخذ میں کتب فقہ کا ذکر ہے اور اُسلوب تحریر آسان ہے۔

۱۳- حقیقت رجم ایک تنقیدی جائزہ — از: ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی

یہ کتاب مولانا عنایت اللہ سبحانی کی تصنیف ''حقیقت رجم'' کے جواب میں لکھی گئی ہے، اس میں پہلے اس کتاب کا تنقیدی جائزہ لیا ہے، پھر رجم کے جدید وقدیم منکرین، حدِ زنا اور کتاب وسنت، واقعات رجم کی تحقیق، احادیث رجم پر اشکالات کا جائزہ، جیسے اہم عناوین پر گفتگو کی گئی ہے، ابتداء میں مؤلف کا پیش لفظ ہے، تقریباً ۱۱۲/ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۹۹۶ء میں مکتبہ فردوس پبلی کیشنز دہلی سے چھپی ہے، حوالوں کا پورا اہتمام ہے اور ماٰخذ میں کتب تفسیر، حدیث اور تاریخ کا ذکر ہے۔

۱۴- غیر اسلامی حکومت کے شرعی احکام — مرتب: مفتی زید مظاہری ندوی

اس رسالہ میں غیر اسلامی حکومت کے شرعی مسائل بشمول دار الحرب و دار الاسلام کی تحقیق، دار الحرب میں سود کے جواز یا عدم جواز پر بحث، حکام کی اطاعت اور غیر مسلموں کے حقوق وغیرہ کے مسائل کو حضرت تھانویؒ کے افادات سے مرتب کیا گیا ہے، یہ کتاب ۹۵/ صفحات پر مشتمل ہے اور ادارہ افادات اشرفیہ باندہ سے شائع ہوئی ہے۔

۱۵- سیاست شرعیہ — از: رئیس احمد جعفری ندوی

یہ کتاب پہلی بار ۱۹۵۹ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سے چھپی ہے، اسلام میں اجتہاد، سیاست، مسئلہ خلافت، حکومت اسلامی کی خارجہ پالیسی جیسے اہم مباحث پر گفتگو کی گئی ہے، اُسلوب تحریر عام فہم ہے اور صفحات کی تعداد ۵۶۷ ہے۔

۱۶- مروجہ سیاست کے شرعی احکام — مرتب: مفتی زید مظاہری ندوی

اس مجموعہ میں سیاسی مسائل واحکام کو حضرت تھانویؒ کے ارشادات وافادات سے چن چن

کر جمع کیا گیا ہے اور واضح کیا ہے کہ سیاسی میدان کے شرعی احکام کیا ہیں، ساتھ ہی سیاسی اختلافات کے حدود کیا ہونے چاہئے، نیز پارٹی میں شرکت کے ضابطے اور مروجہ سیاسی تدبیروں کے شرعی احکام پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، ۸۵/صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ بھی ادارہ افادات اشرفیہ باندہ سے ۱۴۱۰ھ چھپا ہے۔

معاشی مسائل

اس دور ترقی وعروج میں جن نئے مسائل سے علماء کو سابقہ پڑ رہا ہے، ان میں ایک معاشی مسائل بھی ہیں، جس طرح اب ذرائع معاش میں بے انتہاء اضافہ ہو چکا ہے اور دولت کمانے اور خرید وفروخت کے نت نئے طریقے وجود میں آچکے ہیں، اسی طرح فقہاء کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، کہ ان جدید طریقوں کا اسلامی نقطہ نظر سے تجزیہ کریں اور اس کا حکم شریعت سے معلوم کریں، یہ کام جتنا اہم ہے اتنا ہی نازک بھی ہے، لیکن علماء اسلام نے اپنی بصیرت اور تفقہ کے ذریعہ ان مسائل کو ہمیشہ حل کیا ہے، چنانچہ ماضی قریب میں بھی اس سلسلہ کی متعدد کتابیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں، ندوی فضلاء، اس باب میں بھی دیگر علماء کے دوش بدوش ہیں، ان کے قلم سے بھی اس موضوع پر تحریریں آئی ہیں، جو اکثر مقالات کی شکل میں ہیں، تاہم جن کتابوں تک رسائی ہو پائی ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

۱- اسلام کا قانون اجرت — از: مولانا مجیب اللہ ندوی

اس کتاب میں محنت کی عظمت، محنت کش اور اجرت کے مسائل کے بارے میں قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی میں جو اُصول بتائے گئے ہیں اور اس تعلق سے جو ہدایات مذکور ہیں، ان سب پر تفصیلی بحث کی ہے، سب سے پہلے بے روزگاری اور مزدوروں کے سلسلہ میں معاشرہ اور حکومت کی جو ذمہ داریاں ہیں اس کو بیان کیا ہے پھر موجودہ حالات وواقعات سے اس کا موازنہ کرتے ہوئے اسلامی نقطہ نظر کی وضاحت کی ہے، خاص طور پر اجیر خاص کے مسئلہ کو تفصیل کے

ساتھ بیان کیا ہے، اس کے فسخ معاہدہ، معیار اجرت اور غلاموں اور مزدوروں کے حقوق سے متعلق اسلامی تصورات ونظریات کو پیش کیا ہے، اس طرح بقول متین ہاشمی صاحب (پاکستان) یہ اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے جوان جیسے مسائل پر محیط ہے، اس کتاب کی تیاری میں مؤلف نے شریعت کے اصل مأخذ سے استفادہ کے ساتھ جدید معلومات کو بھی پیش نظر رکھا ہے اور فقہاء کے مستند حوالوں کو دلیل راہ بنا کر تحقیق کی راہ کو طے کیا ہے، یہ کتاب پہلی بار ۱۹۸۳ء میں مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور سے شائع ہوئی تھی، اب تاج کمپنی دہلی سے بھی چھپی ہے، کتاب کے شروع میں مرکز کے ڈائریکٹر جناب متین ہاشمی صاحب کا مقدمہ ہے۔

۲- معاشی مشکلات کا اسلامی حل از: مولانا ذکر اللہ ذاکری ندویؒ

۳۲/صفحات پر مشتمل یہ رسالہ پہلی بار ۱۳۶۸ھ میں یونائیٹڈ پریس لکھنؤ سے طبع ہوا ہے، اس میں امیری وغریبی کو ختم کرنے کے تعلق سے جمہوریت، اشتراکیت، سوشلزم اور کمیونزم کے طریقہ کار کی تردید کرتے ہوئے دلائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ اس کا حل صرف اسلامی تعلیمات میں موجود ہے۔

۳- تجارت اور اسلام از: مولانا کاظم ندویؒ

اس رسالہ میں تجارت کی اہمیت، تجارت کے بارے میں قرآن وحدیث کے شواہد، صحابہ کرام کی تجارت کا طریقہ اور ایام جاہلیت میں تجارت کا طریقہ بیان کیا ہے اور تجار کے بارے میں جو ارشادات وارد ہوئے ہیں، ان سب کو جمع کیا ہے، اخیر میں سود کی حرمت وقباحت پر بھی روشنی ڈالی ہے، یہ ۷۹/صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۸۲ء میں پہلی بار مکتبہ ایوب کاکوری لکھنؤ سے طبع ہوا ہے۔

۴- کمرشیل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت

مرتب: مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی ندویؒ

یہ کتاب تین اہل علم وصاحبان قلم کے مقالات کا مجموعہ ہے، ''سود کے متعلق چند سوالات''

کے عنوان سے یعقوب شاہ کا مقالہ ہے، ''سود کا مسئلہ'' کے عنوان سے عطاء اللہ خان کا مقالہ ہے، ان مقالہ نگاروں نے بشمول مرتب یہ خیال پیش کیا کہ ربوا کے قدیم وجدید اصطلاحی مفہوم میں فرق کیا جائے اور کمرشیل انٹرسٹ کو آج کے ماحول میں جائز قرار دیا جائے، افسوس کہ مرتب وسیع المطالعہ ہونے کے باوجود اس طرح کے مسائل میں شذوذ اور جمہورِ اُمت کی رائے سے خروج کی روش پر قائم ہیں، اُسلوب تحریر آسان وعام فہم ہے، صفحات کی تعداد ۱۳۴ ہے اور ۱۹۵۹ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سے طبع ہوئی ہے۔

۵- الجزیۃ فی الاسلام مقارنتہا بالنظام المالی عند الرومان والفرس (عربی)

از: الدکتور یوسف النجرامی الندوی

۶۴/ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۹۸۱ء میں دار الفکر بیروت سے شائع ہوئی ہے، اس میں جزیہ کے اسلامی قوانین کا روم اور فارس کے قوانین سے تقابل کیا ہے، اسلام میں جزیہ کی فرضیت، اس کی اساس، جزیہ کا نظام، مشروعیت، حکمت، شرائط، اہل کتاب سے زکوۃ نہ لینے کا حکم اور اسلام قبول کرنے کے بعد جزیہ کا سقوط، اس کتاب کے اہم مباحث ہیں، مؤلف نے یہ مقالہ رابطہ عالم اسلامی کے لئے تیار کیا تھا، جو بعد میں کتابی صورت میں شائع ہوا ہے۔

۶- اسلامی مدارس کا مالی نظام از: عزیز الحق کوثر ندوی

۴۸/ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۹۵۷ء میں علمی الکٹرانک پریس بنارس سے شائع ہوئی ہے ، اس میں مؤلف نے مدارس کے مالی نظام پر گفتگو کی ہے اور مدارس کے ذرائع آمدنی یعنی بیت المال، اوقاف، انفاق اور چرم قربانی پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا کہ مدارس کی بقاء وحفاظت میں ان کی کتنی اہمیت ہے، اس تعلق سے مذکورہ عناوین کے تحت بنیادی مسائل بھی بیان کئے گئے ہیں۔

فقہ شافعی سے متعلق کتابیں

۱- فقہ شافعی (اول) از: مولانا محمد ایوب ندویؒ

یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے، پہلے حصہ میں مؤلف نے مروجہ طریقہ سے ہٹ کر ارکان اسلام اور عقائد کے باب کو پہلے ذکر کیا ہے، ایمانیات اور ضروری فقہی اصطلاحات کی توضیح کی ہے، اس کے بعد طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کے مسائل کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اخیر میں دُعاؤں سے متعلق ایک باب بھی ہے، یہ کتاب مدارس کے نصاب کے لئے تحریر کی گئی ہے، اس لئے بچوں کی نفسیات کے پیش نظر انداز اور اُسلوب بالکل سہل ہے، فقہ شافعی کی مستند کتابوں کو سامنے رکھ کر اس کو مرتب کیا ہے، البتہ بعض جگہوں پر حاشیہ میں حنفی مسلک کی صراحت بھی ہے، ۱۴۰۳ھ میں پہلی بار یہ منظر عام پر آئی تھی اب تک اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں، موجودہ کمپوز شدہ ایڈیشن ۱۸۰/ صفحات پر مشتمل دار العلم بھٹکل سے چھپا ہوا ہے، مختلف شافعی مدارس میں یہ داخل نصاب ہے۔

۲- فقہ شافعی دوم

۲۱۵/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۸۸ء میں پہلی بار دار العلم بھٹکل سے شائع ہوئی ہے، اس میں مؤلف نے معاملات کے ابواب کو ذکر کیا ہے، یعنی خرید و فروخت، وراثت، نکاح وطلاق، عدت، جنایت، حدود، جہاد اور قضاء کے ابواب کے تحت مسائل کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، زبان بہت آسان اور عوام وخواص دونوں کے لئے مفید ولائق مطالعہ ہے، اس کے اکثر مسائل دبستانِ فقہ شافعی کی مشہور مستند کتابیں تحفۃ المحتاج شرح المنہاج سے ماخوذ ہیں، چند مسائل دوسری کتابوں سے بھی لئے گئے ہیں، جن کا حوالہ دے دیا گیا ہے، اس طرح ابواب کے لحاظ سے معاملات، عائلی مسائل اور تعزیراتی احکام پر مشتمل ایک مکمل اور جامع کتاب ہوگئی ہے، مؤلف کے سامنے عوام وخواص دونوں ہیں، اس لئے دونوں کی رعایت کی گئی ہے، اور کثیر الوقوع مسائل کو زیادہ

بیان کیا گیا ہے۔

۳- کتاب الزکوٰۃ از: مولانا محمد ایوب ندویؔ

۸۰/صفحات پر مشتمل یہ رسالہ ۲۰۰۰ء میں مکتبہ الحسنات دہلی سے شائع ہوا ہے، اس میں فقہ شافعی کے مطابق زکوٰۃ کے مسائل ذکر کئے گئے ہیں، شروع میں احادیث کی روشنی میں زکوٰۃ کے آداب وفضائل کا بیان ہے، پھر مسائل کی بحث آئی ہے، زبان بہت آسان اور قابل فہم ہے، اس کے بھی اکثر مسائل ''تحفة المحتاج شرح المنهاج'' سے ماخوذ ہیں، جس کی وجہ سے حوالوں کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے۔

۴- احکام رمضان المبارک از: مولانا محمد ایوب ندویؔ

یہ مختصر رسالہ ۱۵/صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۳۹۸ھ میں جامعہ اسلامیہ بھٹکل سے چھپا ہے، اس میں رمضان المبارک کے ضروری مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

۵- احکام عید الاضحیٰ وعقیقہ از: مولانا محمد ایوب ندویؔ

اس مختصر رسالہ میں عید الاضحیٰ اور عقیقہ کے ضروری مسائل کو ذکر کیا ہے، انداز سہل اور بالکل سلجھا ہوا ہے، اس کے اکثر مسائل امام نوویؒ کی کتاب ''منهاج الطالبين'' سے ماخوذ ہیں، جہاں دوسری کتابوں سے اخذ کیا ہے وہاں اس کا حوالہ بھی دے دیا ہے، یہ ۳۷/صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۸۳ء میں دار العلم بھٹکل سے شائع ہوئی ہے۔

۶- مناسک حج (شافعی) از: مولانا محمد ایوب ندویؔ

اس کتاب میں حج کے احکام ومسائل کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ایک مشاہد کی حیثیت سے اس سفر میں جو دشواریاں پیش آئی ہیں اور جن مسائل سے ایک حاجی دوچار ہوتا ہے، ان کے متعلق ہدایات موجود ہیں، یہ کتاب عوام کی رہنمائی کے لئے ترتیب دی گئی ہے، اخیر میں حج

کا طریقہ اور مناسک حج کی دُعائیں بھی مذکور ہیں، یہ ۲۳۱/صفحات پر مشتمل ہے اور مکتبہ الحسنات دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

۷- تقسیم میراث از: مولانا محمد ایوب ندویؔ

یہ کتاب ۱۸۴/صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۹۸ء میں مکتبہ الحسنات دہلی سے شائع ہوئی ہیں، اس میں میراث کے مسائل کو سراجی کی ترتیب سے بیان کیا ہے اور مناسخہ تک کے ابواب کو پوری وضاحت کے ساتھ مثالوں کی روشنی میں سمجھانے کی کوشش کی ہے، اس کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ ہر باب کے اختتام پر مشقوں اور سوال و جواب کے ذریعہ طلبہ کے ذہن میں مسائل کو جاگزیں کرنے کی کوشش کی گئی ہے، مصنف نے اسے حنفی مسلک کے مطابق مرتب کیا ہے، لیکن جہاں جہاں حنفی وشافعی دونوں مسالک کا اختلاف ہے، وہاں فقہ شافعی کو بھی ذکر کیا ہے، ابتداء میں مولانا برہان الدین سنبھلی مدظلہ استاذ تفسیر وفقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا پر مغز اور تفصیلی مقدمہ ہے، جس میں مولانا نے وراثت کی اہمیت، اسلامی نظام وراثت اور دیگر مذاہب میں وراثت کے طریقہ کار پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور اس کے متعلق اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے۔

فقہ اطفال:

۱- ہماری فقہ از: مولانا سراج الدین ندویؔ

اس کتاب میں اسلام کے بنیادی ارکان توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے مسائل کو تفصیل کے ساتھ آسان اُسلوب میں بیان کیا گیا ہے، اس میں طہارت کے مسائل بھی کافی آ گئے ہیں، بچوں کی نفسیات کے پیش نظر صرف مسائل کی دلنشیں تشریح ہے اور ہر سبق کے آخر میں سوالات بھی قائم ہیں، اگر بطور نصاب اس کو پڑھایا جائے تو بچوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی۔

۲- آسان فقہ (اول) از: ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؔ

یہ مختصر رسالہ بچوں کی ذہنی سطح اور اس کے فطری ذوق کو مدنظر رکھتے ہوئے ترتیب دیا گیا

ہے، یہ طہارت کے ابواب پر مشتمل ہے، اس میں وضو، تیمّم، غسل وغیرہ کے مسائل آسان زبان میں ذکر کئے گئے ہیں، اخیر میں سوالات بھی دیئے گئے ہیں جو بچوں کی ذہن سازی کے لئے بہت مفید ہیں، شروع میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا مختصر مقدمہ ہے اور مفتی ندوۃ العلماء مولانا مفتی سعید صاحب ندویؒ کی تقریظ ہے، جو کتاب کے استناد واہمیت کے لئے کافی ہے، مؤلف متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، جامعہ ام القری کے پروفیسر بھی رہ چکے ہیں اور اب معتمد تعلیمات کی حیثیت سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی خدمت کررہے ہیں، ۶۳/ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ ۱۹۵۳ء میں مکتبہ دین ودانش مکارم نگر لکھنؤ سے طبع ہوا ہے۔

۳- نماز کیا ہے؟ از: سید محمد عبدالسمیع ندویؒ (۱۹۲۰-۱۹۹۵ء)

اس میں وضو، غسل، تیمّم، اذان، نماز، تراویح اور عیدین کے مسائل کو بہت آسان انداز میں پیش کیا گیا ہے، زبان بالکل سہل ہے اور بچوں کی سطح کے مطابق ترتیب دی گئی ہے، اس کے علاوہ فرائض وواجبات اور سنن ومستحبات کی تعداد بھی گنتی کے ساتھ مذکور ہے تاکہ بچوں کو یاد کرنے میں آسانی ہو، یہ ۴۰/صفحات پر مشتمل ہے اور ناشر کمپیوٹر اُردو کتاب سنٹر لکھنؤ سے ۱۴۱۹ء میں طبع ہوئی ہے۔

۴- اسلام کیا سکھاتا ہے؟ از: مولانا عبدالقیوم ندویؒ

یہ رسالہ مسلمان بچوں اور کم پڑھے لوگوں کے لئے تیار کیا گیا ہے، اس میں ایمان وعقائد، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ فطر، قربانی، معاشرت، معاملات، تجارت وغیرہ کے مسائل کو آسان زبان میں بیان کیا گیا ہے، کہیں کہیں حوالے بھی موجود ہیں، ۸۸/ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ ۱۹۵۲ء میں بارہ بنکی (یوپی) سے طبع ہوا ہے۔

۵- آسان دینیات از: مولانا سراج الدین ندوی

مولانا سراج الدین ندوی نے بچوں کے لئے دینیات کا مکمل سیٹ تیار کیا ہے، جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے، یہ بچوں کی ذہنی سطح کے بالکل مطابق ہے، اس میں مختلف انداز سے اسلام کے

بنیادی ارکان اور ضروری مسائل کو بیان کیا گیا ہے اور ابتدائی جلدوں میں بہت ہی آسان اور موٹی باتیں ہیں جب کہ آخری جلدوں میں بچوں کی عمر کے مطابق ذرا اونچے مسائل ہیں، یہ کتابیں نصاب کے لئے تیار کی گئیں ہیں، اور کئی مدارس میں پڑھائی بھی جاتی ہیں، یہ ساری جلدیں النصر اکیڈمی بجنور سے ۱۹۹۳ء ۱۹۹۴ء میں طبع ہوئیں ہیں۔

۶- اسلامی تعلیم از: مولانا مجیب اللہ ندویؒ

اسلامی تعلیم کے نام سے حضرت مولانا مجیب اللہ ندویؒ نے بھی بچوں کے لئے آسان سیٹ تیار کیا ہے، یہ بھی چار جلدوں پر مشتمل ہے، اس میں بہت ہی آسان زبان میں دینی مسائل کو بچوں کے ذہن میں بٹھانے کی کوشش کی گئی ہے، زبان بالکل آسان اور صاف ستھری ہے، فقہی اصطلاحات کی اکثر تشریح کی گئی ہے اور بچوں کی ذہنی ساخت کے مطابق مختلف جلدوں میں مختلف اُسلوب اپنایا گیا ہے، یہ کتاب اعظم گڑھ اور اس کے مضافات کے مدارس و مکاتب میں داخل نصاب ہے، یہ ساری جلدیں ۱۹۶۸ء میں مؤلف نے تیار کی ہیں، جو ندوۃ التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ سے چھپی ہیں۔

متفرق مسائل

۱- اسلام اور عدل واحسان از: مولانا رئیس احمد جعفری ندویؒ

اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ عدل واحسان کی کیا اہمیت ہے اور انسانی زندگی میں اس کی کتنی ضرورت ہے؟ خصوصاً مذہب اسلام جو عدل واحسان کا پیکر ہے، اس نے کس طرح انسانوں کو ہر ہر قدم پر عدل واحسان کا حکم دیا ہے، اس ذیل میں مؤلف کتاب نے انسانی رشتوں کے مطابق انسانی تعلقات کی تقسیم کی ہے اور ہر گوشہ میں عدل واحسان کے جلووں کو اُجاگر کیا ہے، اور عدل واحسان کی اسلامی تعلیمات کو پیش کیا ہے، مثلاً کافروں کے ساتھ عدل واحسان کا حکم، مشرکوں

اورمرتدین کے ساتھ عدل واحسان کا حکم، رشتہ داروں کے ساتھ عدل واحسان کا حکم، غریب، مسکین، یتیم اور بیواؤں کے ساتھ عدل واحسان کا حکم، جانوروں اور پرندوں کے ساتھ عدل واحسان کا حکم وغیرہ، ہر باب میں پہلے اس کے متعلق قرآنی آیات کو جمع کیا ہے، پھر صحیح احادیث کو بیان کیا ہے، اس کے بعد مسلمانوں نے کس طرح ان احکام پر عمل کیا اس کو سیرت رسول اور خلفاء راشدین کی تاریخ اور بعد کے مسلم سلاطین کی تاریخ سے پیش کیا ہے، یہ کتاب ۳۹۱/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۶۰ء میں پہلی بار ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سے طبع ہوئی ہے۔

۲- اسلام میں اہانت رسول کی سزا — از: پروفیسر محسن عثمانی ندویؔ

گذشتہ دہائیوں میں جب شاتم رسول سلمان رشدی نے شیطانی آیات لکھ کر اپنی روسیاہی کا ثبوت دیا تو تمام مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی، ایران کے مذہبی رہنما آیت اللہ روح خمینی نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا اور مسلمانوں نے اس کی تائید کی، اس وقت کچھ ایسے اہل قلم بھی تھے جنھوں نے آزادی تحریر کا سہارا لے کر اس مسلمہ حقیقت اور مسلک جمہور سے اختلاف کیا، اسی پس منظر میں پروفیسر محسن عثمانی ندوی (صدر شعبہ عربی سیفل حیدرآباد) نے ایک مختصر علمی رسالہ رقم کیا ہے جس میں آیات، احادیث، اجماع اور عقلی دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ اہانت رسول کی سزا اسلام میں قتل ہے اور اس پر جمہور اُمت کا اتفاق ہے، اسی کے ساتھ مؤلف نے دیگر حضرات کے دلائل کا تجزیہ بھی کیا ہے، کتاب کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی معتمد تعلیمات ندوۃ العلماء کا تبصرہ کافی ہوگا، انھوں نے اس کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ "ڈاکٹر صاحب نے اس موضوع پر اُصولی اور علمی گفتگو کی ہے، قرآن کریم کی آیات، صحاح کی احادیث، ائمہ مذاہب کے اقوال، اُمت کے تعامل کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے، جذبات سے الگ ہوکر خالص علمی دلائل پیش کئے ہیں —— انھوں نے دانشورانہ سنجیدگی سے، ٹھنڈے دماغ اور ٹھنڈے دل سے تجزیہ کیا ہے" یہ ۶۴/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۸۹ء میں اسلامک ریسرچ

فاؤنڈیشن ذاکرنگر دہلی سے طبع ہوئی ہے۔

۳- تجہیز و تکفین کتاب و سنت کی روشنی میں از: مفتی راشد حسین ندوی

۱۰۹/ صفحات پر مشتمل یہ کتاب سید احمد شہیدؒ اکیڈمی دار عرفات رائے بریلی سے شائع ہوئی ہے، اس میں تجہیز و تکفین سے متعلق جملہ مسائل بیان کئے گئے ہیں، کتاب کے چند ابواب اس طرح ہیں: عیادت، جانکنی، میت کو غسل دلانا، کفن کے مسائل، نماز جنازہ، میت کی تدفین، شہداء کے احکام وغیرہ، ان ابواب سے متعلق پیش آنے والے سارے مسائل کو آسان زبان اور اچھے اُسلوب میں پیش کیا گیا ہے، حوالوں کا التزام ہے، ابتداء میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کا مقدمہ بھی ہے۔

۴- مسائل جنازہ از: ڈاکٹر محمد صدر الحسن ندوی مدنی

یہ مختصر رسالہ ۲۴/ صفحات پر مشتمل ہے اور معہد الدراسات الاسلامیہ اورنگ آباد سے شائع ہوا ہے، اس میں جنازہ سے متعلق مسائل مثلاً عیادت، تجہیز و تکفین، طریقۂ غسل، نماز جنازہ، تدفین، تعزیت، زیارت قبور اور ایصالِ ثواب سے متعلق بنیادی مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

۵- ڈاڑھی کی شرعی حیثیت

مولانا حفظ الرحمٰن ندوی کی پہلی باضابطہ تصنیف ہے، آپ کا تعلق ضلع اعظم گڑھ یوپی سے ہے، جامعہ عربیہ مفتاح العلوم مئو سے فراغت حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء سے تخصص فی الادب العربی کیا، تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے ''البعث الاسلامی'' اور ''الرائد'' کے منیجر کی حیثیت سے دو سال کام کیا اور اسی اثناء میں دارالعلوم میں پڑھانے کا بھی موقع ملا، پھر آپ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ چلے گئے، وہاں سے فراغت کے بعد تقریباً بارہ سال متحدہ عرب امارات میں ''شعبہ دعوت وارشاد'' سے وابستہ رہے، ادھر نو سال سے جامعہ الہدایہ جے پور میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

اس کتاب کا پورا نام ''اعلام الفتیۃ باحکام اللحیۃ'' المعروف بہ ''ڈاڑھی کی شرعی حیثیت'' ہے، ۸۰/ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۲۰۰۱ء میں دار الکتاب الاسلامی اعظم گڑھ سے طبع ہوئی ہے، اس میں مؤلف نے ڈاڑھی کی مقدار کے بارے میں جمہور کے مسالک کو نقل کیا ہے اور احادیث کی روشنی میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے، اس کے بعد نقلی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ایک مشت سے زائد ڈاڑھی کی اصلاح سنت کے منشا کے عین مطابق ہے اور اس کے جواز پر صاحب کتاب نے احادیث مرفوعہ، موقوفہ، آثار تابعین اور اقوال مجتہدین سے استدلال کیا ہے، جو حضرات ارسال لحیہ (ڈاڑھی کو مستقل چھوڑنے) کے قائل ہیں، ان کے اشکالات کا مدلل جواب دیا ہے، عبارت آسان اور انداز محققانہ ہے، نیز حوالوں کا اہتمام بھی ہے۔

۶- الوقف ودورہ فی التنمیہ الاجتماعیہ (عربی)

از: مولانا شفیع احمد ہاشم الندوی

یہ کتاب وقف کے مسائل پر مشتمل ہے، اس میں وقف کی حقیقت، مشروعیت، حکمت و مصلحت اور اس کے ارکان وشرائط کو بیان کیا ہے، مختلف ممالک میں وقف کا کیا نظام ہے اور اس کی موجودہ صورت حال کیا ہے؟ اس کی وضاحت کی ہے، اسلامی اوقاف نے مسلمانوں کی اجتماعی ترقی میں کتنا مؤثر کردار ادا کیا ہے، موجودہ نظام میں کیا نقائص ہیں اور یہ نظام کیسے درست ہوسکتا ہے؟ ان مسائل پر تفصیلی کلام کیا ہے، مباحث کی ترتیب میں جدید معلومات اور اعداد وشمار سے بھی فائدہ اُٹھایا ہے، اخیر میں اوقاف کے نظام کی درستگی کے سلسلہ میں چند تجاویز بھی پیش کی ہیں، اس سلسلہ میں مؤلف کا خیال ہے کہ اوقاف کے نظام کو بہت زیادہ منظم کرنے کی ضرورت ہے، عالمی سطح پر بھی اور ملکی سطح پر بھی، نیز اوقاف کے نظام میں روح ڈالنے اور اس کے سرمایہ کو بڑھانے کے لئے جدید اقتصادی وسائل سے فائدہ اُٹھانے کی ضرورت ہے، یہ دار المعرفۃ دہلی سے ۲۰۰۰ء میں طبع ہوئی ہے۔

۷- اسلام اور موسیقی از: مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی ندویؒ

یہ کتاب پہلی بار ۱۹۵۶ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سے طبع ہوئی ہے، کل صفحات ۲۱۶ ہیں، اس میں سماع کے تعلق سے تفصیلی مباحث ہیں، خصوصاً ''الاسماع فی احکام السماع'' اور ''اسحاف السعادۃ'' سے استفادہ کیا گیا ہے، اُسلوب آسان ہے، مراجع کا اہتمام ہے، البتہ مؤلف کا خیال سماع کے جواز کی طرف ہے، جو جمہور محدثین وفقہاء کے نقطہ نظر کے خلاف ہے۔

۸- پردہ کے احکام عقل ونقل کی روشنی میں از: محمد زید مظاہری ندوی

یہ مجموعہ حضرت تھانویؒ کے افادات، ملفوظات اور تصانیف وفتاویٰ سے ماخوذ ہے، اس میں پردہ سے متعلق مباحث، غیر عورتوں سے پردہ کے مسائل، ایک گھر میں رہتے ہوئے پردہ کی دشواریاں اور لباس، زینت، نگاہ، عورتوں کے ساتھ سفر اور عورتوں کے زیور سے متعلق مسائل کو بیان کیا گیا ہے اور عقل ونقل دونوں کی روشنی میں کلام کیا گیا ہے، یہ مجموعہ ۱۷۴/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۴۱۴ھ میں ادارہ افادات اشرفیہ باندہ سے طبع ہوا ہے۔

۹- تصویر علم وعقل کی روشنی میں از: مولانا اسحٰق سندیلوی ندویؒ

۴۸/ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ ۱۹۴۷ء میں دوسری بار مکتبہ نشاۃ ثانیہ چنچل گوڑہ حیدرآباد سے طبع ہوا ہے، اس میں مؤلف نے تصویر کے بارے میں تفصیل سے عقلی بحث کی ہے اور تصویر ذی روح، غیر ذی روح، اس کے اثرات، ذوق جمال کی حقیقت، اس کے حدود پھر اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے مفاسد کو بیان کیا ہے، اس کے بعد شریعت کی روشنی میں اس مسئلہ پر بحث کی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ تصویر کشی وتصویر سازی فطری اعتبار سے بھی اور شرعی نقطہ نظر سے بھی غلط ہے، اخیر میں مولانا مودودی کا ایک فتویٰ بھی شامل ہے جو تصویر سے متعلق ہے۔

۱۰- وصیت اور اس کے احکام از: مولانا رحمت اللہ ندوی

یہ رسالہ پہلی بار ۲۰۰۰ء میں مدرسہ طیبہ منت نگر مادھوپور سے شائع ہوا ہے، کل صفحات ۳۰

ہیں، اس میں وصیت کے لغوی وشرعی معنی، وصیت کے احکام، وصیت کا محل، وصیت کی اقسام وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے، ابتداء میں مولانا محمد قاسم مظفر پوری مدظلہ کا مقدمہ ہے، مراجع کا اہتمام ہے اور حوالہ میں حدیث وفقہ کی کتابیں ہیں۔

۱۱- اسلام اور رواداری از: مولانا رئیس احمد جعفری ندوی

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ قرآن میں رواداری کی کیا تعلیم دی گئی ہے، احادیث سے کس طرح اس کی تائید ہوتی ہے اور اس سلسلہ میں فقہاء کرام کی آراء کیا ہیں؟ اس ضمن میں مشرکوں اور ذمیوں کے حقوق، ارتداد کا مسئلہ، کتابیات سے نکاح، جہاد وقتال کے مسائل اور جزیہ جیسے اہم مباحث کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ اسلام بالکل امن وسلامتی کا مذہب ہے، زبان سلیس اور انداز خطیبانہ ہے، قدیم مصادر کے ساتھ جدید ماٰخذ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور حوالے بھی دیئے گئے ہیں، ۱۳۲/ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ ۱۹۹۵ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سے شائع ہوا ہے۔

۱۲- شاہ عبدالعزیز کے علمی وفقہی ملفوظات

مرتب: مفتی محمد زید مظاہری ندوی

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے ملفوظات کا مجموعہ جو ''کمالات عزیزی'' کے نام سے موسوم ہے، علوم وفنون کا بیکراں سمندر اور رموز واسرار شریعت کا گنجینہ ہے، لیکن اسی کے ساتھ ایسے ارشادات بھی جمع کردئے گئے ہیں جو بہت ہی فروتر ہیں اور جس پر رطب ویابس کا گمان ہوتا ہے، اسی لئے مفتی زید مظاہری ندوی صاحب نے اس مجموعہ سے نایاب موتیوں کو چن کر انتخاب تیار کیا ہے جو فقہی ترتیب سے مرتب ہے، اس میں تفسیر وحدیث، اُصولِ فقہ، طہارت، عبادت، معاشرت، معاملات، بدعات اور تصوف وسلوک کے مختلف عناوین سے سینکڑوں مسائل جمع کردئے گئے ہیں، یہ کتاب ۱۰۴/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۴۲۰ھ میں ادارہ افادات اشرفیہ باندہ ہی سے چھپی ہے۔

۱۳- نشہ بندی اور اسلام از: مولانا ابو اللیث اصلاحی ندویؒ

یہ دراصل مولانا کا ایک مقالہ ہے جو انھوں نے آل انڈیا نشہ بندی کونسل کی دعوت پر ۱۹۸۳ء میں پیش فرمایا، جس کا عنوان نشہ بندی کی ترویج میں مذہبی، سماجی اور فلاحی تنظیموں کا رول تھا، اس میں آپ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں شراب کی حرمت، تحریم شراب کے تدریجی احکام اور دور حاضر میں شراب کے نقصانات پر مختصراً روشنی ڈالی ہے، یہ ۲۰/صفحات پر مشتمل رسالہ ہے اور ۱۹۹۱ء میں دوسری بار مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی سے شائع ہوا ہے۔

۱۴- احکام (اول) از: عزیز الحق کوثر ندویؒ

۳۲/صفحات پر مشتمل ہے یہ منظوم رسالہ ۱۹۵۰ء میں بنارس سے طبع ہوا ہے، اس میں طہارت اور نماز کے مسائل کو نظم میں بیان کیا گیا ہے، ابتداء میں ایمانیات کی بحث ہے، اس کے علاوہ دیگر مسائل بھی ہیں، ترکیب بہت آسان ہے تاکہ بچوں کو یاد کرنے میں آسانی ہو۔

۱۵- مال ودولت کی اہمیت اور اس کے شرعی احکام

مرتب: محمد زید مظاہری ندوی

مذکورہ رسالہ میں مال حاصل کرنے کے طریقے، حلال وحرام کی تمیز، تجارت کی شکلیں، تجارت کے آداب اور تاجر وگاہک سے متعلق ہدایات وغیرہ کو حضرت تھانویؒ کے افادات سے جمع کردیا ہے، اس ضمن میں بہت سے نئے مسائل بھی آگئے ہیں، اس کے کل صفحات ۱۶۵ ہیں اور ۱۴۱۰ھ میں ادارہ افادات اشرفیہ باندہ سے طبع ہوا ہے۔

۱۶- ذات پات اور اسلام از: ابو مسعود اظہر ندوی

یہ کتاب پہلی بار ۱۹۹۵ء میں کلیۃ اشاعت القرآن سے شائع ہوئی ہے اور ۱۱۲/صفحات پر مشتمل ہے، اس میں انسانی مساوات، ذات پات، فرد کے حقوق، کفوء کا مسئلہ وغیرہ ابواب پر روشنی

ڈالی گئی ہے، مراجع کا اہتمام ہے اور حوالہ میں کتب حدیث کا ذکر ہے۔

۱۷- تمباکو اور اسلام از: مولانا حفظ الرحمٰن اعظمی ندوی

یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب میں تمباکو کی حقیقت اور اس کے علمی و تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالی ہے، تمباکو نوشی کے مختلف طریقوں اور تمباکو نوشی کے خلاف ہونے والی کوششوں کا جائزہ پیش کیا ہے، دوسرے باب میں جن فقہاء کا رجحان تمباکو نوشی کی حلت کی طرف ہے ان کے مسلک کی وضاحت کی ہے، جب کہ تیسرے باب میں تمباکو نوشی کی حرمت سے متعلق مسالک کا جائزہ لیا ہے، اور مختلف فقہی مکاتبِ فکر علماء کے اقوال سے یہ واضح کیا ہے، کہ تمباکو نوشی حرام ہے، چوتھے باب میں مختلف مراکز افتاء اور اہم شخصیات کے فتاویٰ و تحریریں جمع کی گئی ہیں، جب کہ پانچویں باب میں تمباکو نوشی کو حلال کہنے والوں کی تحریروں کا جائزہ لیا ہے اور پھر یہ واضح کیا ہے کہ تمباکو کا استعمال شراب کی طرح حرام و نجس تو نہیں، لیکن مکروہ تحریمی سے کم بھی نہیں ہے۔

یہ اپنے موضوع پر وقیع و محققانہ تحریر اور مؤلف موصوف کی عظیم علمی کاوش ہے، اس میں فقہی مسائل اور حلت و حرمت کی بحث کے ساتھ تمباکو نوشی کے مضر اثرات، تمباکو کی حقیقت وغیرہ سے متعلق جدید معلومات بھی فراہم کی گئی ہیں، ۱۶۴/ صفحات پر مشتمل اس کتاب کا ترمیم شدہ ایڈیشن جمعیۃ الاصلاح جے پور سے شائع ہوا ہے، ابتداء میں مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی (مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء) کا پیش لفظ اور مولانا حکیم احمد حسن خاں مفتی شہر جے پور کا مقدمہ ہے۔

۱۸- کیلنڈر اور جنتری کے شرعی احکام مرتب: محمد زید مظاہری ندوی

اس میں شمسی و قمری تاریخ کی شرعی حیثیت، اس کے لکھنے کا طریقہ، فرض و نفل نمازوں کے اوقات کا تعارف، زوال شمس کی تعیین، طلوع و غروب شمس اور ضحوۃ الکبری کے شرعی احکام اور سحر و افطار سے متعلق ضروری مسائل کو حضرت تھانویؒ کے افادات سے ترتیب دیا گیا ہے، اس میں مسائل بڑی تعداد میں بیان ہوئے ہیں، یہ ۱۰۴/ صفحات پر مشتمل ہے ۱۴۱۰ھ میں ادارہ افادات

اشرفیہ باندہ سے شائع ہوئی ہے۔

۱۹- ان المساجد للہ (عربی) از: مولانا محمد اسجد ندویؔ

اس کتاب میں مؤلف نے مسجد کے حقیقی مفہوم اور مساجد کے اس وسیع تصور کو بیان کیا ہے جو اس اسلام نے معابد کے سلسلہ میں دیا ہے، خاص طور سے مساجد کی اہمیت، انسانی معاشرہ میں اس کی ضرورت، جماعت کے فوائد، ائمہ مساجد کی ذمہ داریاں، نماز و جماعت کی ترتیب میں خدائی مصلحت اور معاشرہ میں اس کے اثرات پر تفصیلی کلام کیا ہے اور قرآن وحدیث کی روشنی میں ان مباحث کو ترتیب دیا ہے، اسرار و رموز کے باب میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلیؒ کی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغۃ سے خصوصی استفادہ کیا ہے، ابتداء میں ندوۃ العلماء کے مہتمم ڈاکٹر سعید الاعظمی ندوی کا مقدمہ ہے، کل صفحات ۱۸۹/ ہیں اور ۲۰۰۰ء میں مرکز الدعوۃ والارشاد دار العلوم الاسلامیہ بستی سے شائع ہوئی ہے.

۲۰- تحفہ حفاظ مرتب: مفتی زید مظاہری ندویؔ

اس کتاب میں مرتب نے تراویح کے فضائل اور اس سے متعلق مسائل کو تفصیل کے ساتھ حضرت تھانویؒ کے افادات سے جمع کیا ہے، کل صفحات ۱۰۴/ ہیں اور ۱۴۲۰ھ ادارہ افادات اشرفیہ باندہ سے طبع ہوئی ہے۔

۲۱- احکام شبِ برأت مرتب: مفتی زید مظاہری ندویؔ

اس میں ماہ شعبان کی فضیلت اور شب برأت کے بارے میں کئے گئے اشکالات کا جواب دیا گیا ہے، اس کے علاوہ اس رات کے اعمال کو بیان کیا ہے اور اس تعلق سے مسلم معاشرہ میں جو چیزیں رائج ہیں ان بدعات و رسومات کا بھی جائزہ لیا ہے اور اخیر میں شعبان کے روزہ کے بارے میں گفتگو کی ہے، یہ کتاب بھی حضرت تھانویؒ کے افادات سے مرتب کی گئی ہے۔

۲۲- احکام ومسائل (اول)

مرتب: ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی

یہ مجموعہ معروف صاحبِ علم مولانا احمد عروج قادری (۱۹۱۳-۱۹۸۶ء) مدیر ماہنامہ زندگی کے ان سوالات وجوابات کا ہے جوانھوں نے اپنے ماہنامہ میں دیا تھا، یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے، پہلی جلد میں علوم قرآن، تشریح، احادیث، سیرت، ایمانیات، معاشی ومعاشرتی مسائل کا بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے، ابتداء میں مرتب کا مقدمہ ہے جس میں انھوں نے مولانا سید احمد عروج قادری کے حالات زندگی اوران کے فقہی ذوق وفکر کو پیش کیا ہے، یہ جلد ۴۰۷/صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۹۷ء میں مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

۲۳- احکام مسجد

از: مفتی زید مظاہری ندوی

۱۲۱/ صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ ۱۴۱۸ھ میں حضرت تھانویؒ کے افادات سے مرتب ہے جو ادارہ افادات اشرفیہ باندہ سے چھپا ہے، اس میں مسجد سے متعلق احکام ومسائل کا تفصیل کے ساتھ بیان ہے اور اتنا مواد جمع کردیا گیا ہے کہ شاید کسی اور کتاب کی طرف دیکھنے کی نوبت آئے۔

۲۴- سوال وجواب

از: مولانا طارق ندوی

یہ رسالہ ندوۃ العلماء کے اُردو ترجمان پندرہ روزہ تعمیر حیات کے ہر شمارہ میں چھپنے والا شرعی مسائل کا کالم ''سوال وجواب'' کا مجموعہ ہے، جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ اور دارالافتاء ندوۃ العلماء کے رفیق مولانا طارق ندوی عرصہ سے لکھ رہے ہیں، اس میں طہارت، اذان اور اقامت کے متعلق پیش آمدہ اور واقعاتی مسائل کا جواب آسان اور عام فہم زبان میں پیش کیا گیا ہے، مرتب نے عموماً دلائل سے احتراز کیا ہے، عوامی استفادہ کے لحاظ سے انداز سلجھا ہوا ہے، یہ ۴۴/ صفحات پر مشتمل ہے اور ۲۰۰۰ء میں لکھنؤ سے طبع ہوا ہے۔

۲۵- تجویز مجلس تحقیقات شرعیہ متعلق مسئلہ رویت ہلال

مرتب: مولانا اسحٰق سندیلوی ندویؒ

یہ مجلس تحقیقات شرعیہ کے زیر اہتمام ہونے والے فقہی سیمینار کی روداد ہے، جس میں رویت ہلال سے متعلق علماء کرام کی آراء اور اس سلسلہ میں اجتماعی غور وفکر کے بعد جو تجویز پاس ہوئی تھی وہ تحریر ہے، کل صفحات ۱۲/ ہیں اور ۱۹۷۶ء میں مجلس تحقیقاتِ شرعیہ ندوۃ العلماء سے شائع ہوئی ہے۔

۲۶- ویران مقابر اور اوقاف کے بدلتے احکام از: مولانا رئیس ندویؒ

سہ ماہی فقہی رسالہ ''بحث ونظر'' کے اکیسویں شمارہ اپریل ۹۳ء میں ایک فتویٰ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ کے قلم سے شائع ہوا تھا، جس کا عنوان تھا ''ویران مقابر اور اوقاف کے بدلتے احکام'' اس میں حضرت قاضی صاحبؒ نے فتویٰ کے علاوہ یہ بھی لکھا تھا کہ ''سعودی عرب میں مزارات کو جو مسمار کیا گیا وہ متشدد سعودیوں کا کام ہے، جس کو نہ اس زمانہ کے علماء نے پسند کیا اور نہ آج جو کچھ ہو رہا ہے اس کا ہر عمل شرعی حجت کا درجہ رکھتا ہے'' مذکورہ رسالہ اسی فتویٰ کے جواب میں ہے اور اس ضمن میں قبروں کی تعمیر، قبروں پر بیٹھنا اور قبروں کی اونچائی کے بارے میں بحث کی گئی ہے اور قبروں کی تعمیر اور اس کی اونچائی سے متعلق خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کے طریقہ کی وضاحت کی ہے، لب ولہجہ میں تلخی اور ناہمواری نمایاں ہے، کل صفحات ۸۸/ ہیں اور ۱۹۸۸ء میں مکتبہ ترجمان اہل حدیث دہلی سے چھپی ہے۔

۲۷- علم میراث از: مولانا خواجہ معین الدین اکرمی ندوی

اس کتاب میں مؤلف نے میراث کے مسائل کو آسان اور عام فہم انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے، میراث سے متعلق مسائل کی وضاحت کی ہے، حساب اور نقشہ جات کے ذریعہ

مسائل کو سمجھایا ہے، عوام وخواص دونوں کے لئے قابل استفادہ ہے، ۷۰/ صفحات پر مشتمل مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے مقدمہ کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

۲۸- اسلام میں دُعاء کا نظام مع مسائل واحکام

یہ جامعہ الرشاد اعظم گڑھ کے دونوجوان فاضل استاذ مولانا قاضی محمد حسن ندوی اور مولانا اخلاق حسین کریمی کی مشترکہ کاوش ہے، اس میں دُعاء کے اسلامی نظام کو واضح کیا گیا ہے، اور اس سے متعلق مسائل واحکام کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اس کتاب میں چند ابواب اس طرح ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع و ہمہ گیر دُعائیں، آدابِ دُعاء کی چند جھلکیاں، مختلف حالات واوقات کی مسنون دُعائیں، دُعاء کے مسائل، مسائل دُعاء وضو، مسائل دُعاء نماز، مسائل دُعاء وتر، مسائل دُعاء جنازہ، مسائل دُعاء تراویح، مسائل دُعاء عیدین، مسائل دُعاء حج اور مسائل دُعاء حج اور مسائل دُعاء قنوتِ نازلہ وغیرہ، ۱۵۷/ صفحات پر مشتمل یہ کتاب کتب خانہ نعیمیہ دیوبند میں زیر طبع ہے، ابتداء میں مولانا مجیب اللہ ندوی کا پیش لفظ اور مولانا عبداللہ صاحب (استاذ دارالعلوم دیوبند) کی تقریظ ہے۔

۲۹- جہیز ایک ناسور

یہ مولانا شمشاد ندوی (استاذ جامعۃ الہدایہ جے پور) کے ان مضامین کا مجموعہ ہے، جو آپ نے جامعہ ہدایت کے ترجمان ماہنامہ ہدایت کے لئے تحریر فرماتے تھے، اب یہ ۱۰۲/ صفحات پر مشتمل کتابی شکل میں ۲۰۰۱ء میں فرید بک ڈپو دہلی سے شائع ہوئی ہے، یہ چار ابواب پر مشتمل ہے، پہلے جہیز، مہر، تلک کے موضوع پر تجزیہ اور اعداد وشمار کے ذریعہ مسئلہ کی وضاحت کی ہے، نیز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز کی حقیقت اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہار سے جہیز کے سنت نہ ہونے کی وضاحت کی ہے، پھر فقہی اور شرعی حیثیت سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے ہندوستان کے مستند مراکز افتاء کے فتاویٰ اور اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی کے فیصلہ کو بھی ذکر کیا ہے، اس طرح یہ

کتاب عوام کے علاوہ ائمہ اور مساجد کے طلباء کے لئے بڑی مفید چیز ہے، نیز اصلاح معاشرہ کے علمبرداروں کے لئے قیمتی تحفہ بھی، اس میں حوالوں کا اہتمام اور اخیر میں مراجع کی فہرست بھی شامل ہے، ابتداء میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا مقدمہ اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا پیش لفظ بھی شامل ہے۔

۳۰- عیادت سے تعزیت تک قرآن وحدیث کی روشنی میں

یہ مولانا شاہد حسین ندوی (استاذ دار العلوم العربیہ الاسلامیہ، جودھپور) کی تصنیف ہے، اس میں انھوں نے عیادت، وصیت، موت کی گھڑی، غسل میت، تکفین میت، جنازہ اُٹھانا، نمازِ جنازہ، ایصالِ ثواب، سوگ، عدت اور تعزیت سے متعلق فقہی مسائل کو فقہ وحدیث کی مختلف کتابوں سے جمع کیا ہے، اس میں عیادت سے تعزیت تک کے موٹے موٹے مسائل آگئے ہیں، جو کہ قارئین کے لئے ایک اچھی چیز ہے، ۹۷/صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۲۰۰۱ء میں فرید بک ڈپو دہلی سے شائع ہوئی ہے، ابتداء میں مولانا عبد الکریم پاریکھ اور مولانا شفیق الرحمٰن ندوی مرحوم (سابق استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ) کی تقاریظ بھی ہیں۔

تراجم کتب :

ندوی فضلاء نے اس فن کو بھی ہمیشہ اپنے عمل سے جلاء بخشی ہے اور کثرت سے اچھی اور مستند عربی کتابوں کو اُردو میں منتقل کر کے اُردو کے دامن کو وسیع کیا ہے، ان تراجم میں دونوں طرح کی کتابیں ہیں، بعض عربی سے اُردو میں منتقل کی گئی ہیں اور بعض اُردو کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہوا ہے، اس کی وجہ سے اس موضوع کا دامن بھی وسیع تر ہو گیا ہے۔

۱- ان فضلاء نے بہت سی اہم کتابوں کا ترجمہ کیا ہے، لیکن فقہ کے موضوع پر جو کام سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے وہ الموسوعة الفقهيه کا ترجمہ ہے، اب تک اس کی چالیس جلدیں وزارۃ الشؤن الاسلامیہ کویت کے تعاون سے تیار ہوئی ہے اور خوبصورت شکل میں چھپی ہے، اس

عظیم فقہی سرمایہ کو اُردو میں منتقل کرنے کی ذمہ داری حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی نور اللہ مرقدہ نے سنبھالی تھی، چنانچہ فقہ اکیڈمی کے تحت اس کے ترجمہ کا کام تقریباً مکمل ہو چکا ہے، نظر ثانی اور کمپوزنگ کا کام جاری ہے، انشاء اللہ اُردو کا یہ عظیم فقہی انسائیکلوپیڈیا جلد ہی منظر عام پر آجائے گا، اس کتاب کے ترجمہ میں جن ندوی فضلاء کی کاوشیں شامل ہیں، ان کی فہرست حسبِ ذیل ہے:

پہلی جلد	مولانا فہیم اختر ندویؔ	۲۳۱ تا ۲۵۲
دوسری جلد	مولانا فہیم اختر ندویؔ	۳۰۳ تا ۳۲۴
تیسری جلد	مولانا صدر الحسن ندویؔ	۳۲۵ تا ۳۷۴
چوتھی جلد	مولانا صفدر ندویؔ	۳۰۵ تا ۳۲۵
چھٹی جلد	مولانا ظفر عالم ندویؔ	۵ تا ۲۰۰
آٹھویں جلد	مولانا فہیم اختر ندویؔ	مکمل جلد ۲۸۸/صفحات
بارہویں جلد	مفتی راشد حسین ندویؔ	مکمل جلد ۳۴۵/صفحات
تیرہویں جلد	مولانا شفیق الرحمٰن ندویؒ	۵ تا ۱۰۴
چودہویں جلد	مولانا اقبال احمد ندویؔ	۱۰۵ تا ۲۰۵
پندرہویں جلد	مولانا مصطفیٰ عبد القدوس ندویؔ	مکمل جلد ۳۲۱/صفحات
سولہویں جلد	مفتی راشد حسین ندویؔ	مکمل جلد ۳۵۳/صفحات
اٹھارہویں جلد	مولانا مصطفیٰ عبد القدوس ندویؔ	۲۹۱ تا ۳۵۷
انیسویں جلد	مولانا فہیم اختر ندویؔ صاحب	مکمل جلد ۳۲۱/صفحات
بیسویں جلد	مولانا مصطفیٰ عبد القدوس ندویؔ	۱۸۵ تا ۲۶۹
بائیسویں جلد	مولانا ظفر عالم ندویؔ صاحب	۵ تا ۱۰۳
بائیسویں جلد	مولانا احسان اللہ ندویؔ	۱۰۴ تا ۲۰۶۷

چوبیسویں جلد	مولانا ظفر عالم ندویؔ	۱۰۰ تا ۲۰۰
بائیسویں جلد	مولانا مصطفیٰ عبد القدوس ندویؔ	۲۰۱ تا ۳۶۹
پچیسویں جلد	مولانا صفدر علی ندویؔ	۳۶۲ تا ۳۹۹
تیسویں جلد	مولانا ظفر عالم ندویؔ صاحب	۵ تا ۱۹۷
تیسویں جلد	مولانا صفدر علی ندویؔ	۳۳۲ تا ۳۶۰
چونتیس ویں جلد	مولانا محمد فہیم اختر ندوی	۵ تا ۱۹۵
سینتیس ویں جلد	مولانا مصطفیٰ عبد القدوس ندویؔ	۵ تا ۳۱۵
انتالیس ویں جلد	مولانا فہیم اختر ندویؔ	۵ تا ۱۵۰

ان جلدوں کے تراجم کے ساتھ نظر ثانی کے کام میں جن حضرات نے ہاتھ بٹایا ہے ان میں حسب ذیل ندوی فضلاء بھی ہیں :

نویں جلد مکمل	مفتی جنید عالم ندویؔ صاحب
چودھویں جلد ۱۱۶ تا ۲۹۹	مولانا فہیم اختر ندویؔ صاحب
سولھویں جلد مکمل	مفتی جنید عالم صاحب ندویؔ
بیسویں جلد مکمل	مفتی جنید عالم صاحب ندویؔ
پچیسویں جلد مکمل	مولانا فہیم اختر ندویؔ صاحب
انیسویں جلد مکمل	مولانا فہیم اختر ندویؔ صاحب
اکتیسویں جلد	مولانا فہیم اختر ندویؔ صاحب

۲- فقہی فیصلے مترجم: محمد فہیم اختر ندویؔ

۲۷۹/ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۲۰۰۱ء میں اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی سے چھپی ہے، یہ المحمع الفقھی الاسلامی جو رابطہ عالم اسلامی کی زیر اہتمام ایک فقہی ادارہ ہے، اس کے

سیمناروں کی تجاویز پر مشتمل ہے، اس کے تحت اب تک چودہ فقہی سیمینار ہو چکے ہیں، ان تمام کا خلاصہ اور اس کی پاس کردہ قرار دادیں کا اُردو ترجمہ کیا گیا ہے، اس میں چالیس سے زائد جدید موضوعات اور عصری مسائل پر محققین علماء واصحاب فقہ وافتاء کے اجتماعی فیصلے ہیں، یہ کتاب عربی میں تھی، محققین واصحاب علم کے افادہ کے لئے اسلامک فقہ اکیڈمی نے اس کا ترجمہ شائع کیا ہے۔

۳- اسلامی حقوق وواجبات مترجم: مولانا اکبر علی ندویؒ

۵۴/ صفحات پر مشتمل یہ کتاب عربی رسالہ الحقوق کا اُردو ترجمہ ہے، جو حکومت سعودیہ کی تعلیمی کمیٹی کی جانب سے شائع ہوا تھا، مترجم موصوف نے اچھے انداز میں عربی سے شستہ وشگفتہ اُردو میں منتقل کیا ہے اس میں حقوق کی تفصیل بتائی گئی ہے، مثلاً اللہ کے حقوق، رسول اللہ کے حقوق ،والدین کے حقوق، اولاد کے حقوق، زوجیت کے حقوق، حکومت ورعایا کے حقوق، غیر مسلمین کے حقوق وغیرہ کے عنوان سے قرآن وحدیث کی روشنی میں گفتگو کی گئی ہے، اس طرح اکثر معاشرتی مسائل بھی آ گئے ہیں، جو عوام کے لئے بڑی مفید اور مسلمانوں کے دل میں دوسروں کے حقوق کی ادائے گی کا جذبہ پیدا کرنے میں بڑی معاون ہے، ۱۹۹۱ء میں اس ترجمہ کو طلبہ بھٹکل دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے شائع کیا ہے۔

۴- اوضح المسالک الی احکام المناسک (اُردو)

مترجم: مولانا مختار احمد ندویؒ

یہ کتاب شیخ عبد العزیز محمد السلیمان کی کتاب ''اوضح المسالک'' کا ترجمہ ہے، اس میں انتہائی تحقیق اور جامعیت کے ساتھ حج کے تمام ارکان ومسائل اور آداب کو سمیٹ کر عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے، کل صفحات ۲۶۴ ہیں اور ۱۴۰۲ھ میں الدار السلفیہ بمبئی سے شائع ہوئی ہے۔(۱)

(۱) جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات، ص:۲۳۶

۵- مجلۃ الاحکام (مترجم) مترجم: عبدالقدوس ہاشمی ندویؔ

یہ کتاب المجلہ یا مجلۃ الاحکام العدلیہ کا اُردو ترجمہ ہے، جس کو ترکی کے سلطان امیر المومنین عبدالعزیز (۱۲۷۷ھ-۱۲۹۳ھ) نے اپنے عہد حکمرانی میں، ماہرین قانون، فقہاء اور عہدہ داران عدلیہ کی مستقل محنت و جانفشانی سے تیار کروایا تھا۔ اس میں معاملات سے متعلق دفعہ وار قوانین ہیں ،جس میں کلیات زیادہ ہیں، یہ قوانین 1918ء تک دولتِ عثمانیہ کی تمام عدالتوں میں رائج تھے اور مصر وسوڈان، شام، حجاز، ترکی، عراق اور مشرقی اُردن کی عدالتوں میں اسی کے مطابق فیصلے ہوتے تھے، یہ ترجمہ آسان اور رواں ہے، فقہی مصطلحات کا ترجمہ کر دیا گیا ہے، نیز تفصیل طلب مقامات پر وضاحتیں بھی موجود ہیں، یہ ترجمہ ۴۳۲/صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۶۶ء میں کورٹ چیمبر محاذی سٹی کورٹ کراچی پاکستان سے شائع ہوا ہے۔

تحقیقات :

۱- فتاویٰ الامام النوویؒ (عربی)

محقق: مولانا رحمت اللہ حافظ محمد ناظم الندویؔ

اس کتاب کا پورا نام ’’المنثورات الشافی فی عیون المسائل المھمات المعروف به فتاویٰ امام النووی‘‘ ہے، یہ ساتویں صدی ہجری کے شہرہ آفاق محدث وفقیہ شافعی فقیہہ شیخ ابوزکریا محی الدین شرف النووی کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جس کو ان کے باکمال شاگرد ابن العطار نے مرتب کیا تھا، اس میں فقہی ترتیب کے مطابق کتاب الطہارۃ، عبادات، معاملات، مناکحات اور عقائد و آداب وغیرہ کے مسائل ہیں جو زندگی کے تمام گوشوں سے تعلق رکھتے ہیں، کتاب کا اُسلوب سوال و جواب کا ہے۔

اس اہم مجموعہ فتاویٰ کی تحقیق وایڈیٹنگ کا کام مولانا رحمت اللہ ندوی نے ایک قطری عالم

شیخ محی الدین الاصفر کی نگرانی میں مکمل کیا ہے، محقق موصوف نے اس متن کو کئی مخطوطات سے صحیح کیا ہے، اصطلاحات کی تشریح کی ہے، احادیث اور آیات کے حوالے لکھے ہیں، کتابوں اور شخصیات پر تعارفی نوٹ لکھا ہے، کتاب میں درج فقہی مسائل کا دیگر فقہی کتب سے موازنہ کیا ہے، امام نووی نے جن دیگر کتابوں سے اقتباس نقل کئے تھے ان کا حوالہ تلاش کیا ہے اور اصل عبارتوں سے اس کا موازنہ کیا، پھر جن مسائل میں تحقیق یا تفصیل کی ضرورت محسوس ہوئی وہاں اپنی تحقیق پیش کی ہے، بعض جگہوں پر قرآن وسنت سے مزید دلائل کا اضافہ کیا ہے اور آخر میں جدید فن تحقیق کے مطابق متعدد فہرستیں تیار کی ہیں، اس طرح بہتر تحقیق کا نمونہ ہے، اور محقق کی کاوش اور وسعت علم نے اس میں چار چاند لگا دیا ہے، اب اس کتاب کے کل صفحات ۳۶۰ ہے اور دو مختلف مکاتب ''المکتب الاسلامی بیروت'' اور ''دار الاشراق دوحہ قطر'' سے ۲۰۰۱ء میں شائع ہوئی ہے۔

۲- کتاب المرض والکفارات محقق: عبدالوکیل ریاض احمد ندویؒ

یہ نادر کتاب حافظ ابن ابی الدنیا (۸۱۲ھ) کی ہے، جو دار الکتب الظاہریہ دمشق میں مخطوطہ کی شکل میں تھی، محقق موصوف نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ اس کی تحقیق کی ہے، احادیث کے حوالوں کو تلاش کیا ہے، جن کی مقدار ۲۶۲ ہے، یہ علمی و تحقیقی کام دار السنۃ کے رئیس محمد اکرام مختار صاحب کی نگرانی میں پایہ تکمیل کو پہنچا ہے، اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ جب مرض لاحق ہو تو کیا کرنا چاہئے، کتاب ''الدار السّلفیہ بمبئی'' سے شائع ہوئی ہے۔(۱)

۳- اللمع فی اُصول الفقۃ (عربی)

تحقیق: الدکتور مصطفیٰ ابوسلیمان الندوی

یہ کتاب امام ابوشحانہ شیرازی (م:۴۷۶ھ) کی ہے، جو اُصولِ فقہ کے موضوع پر بہترین کتاب ہے، محقق موصوف نے بڑی محنت کے ساتھ اس کی تحقیق کی ہے، کتاب میں مذکورہ آیات

---

(۱) البعث الاسلامی، ص:۹۹، مارچ ۹۲ء

واحادیث کی تخریج، نصوص کی تحقیق اور ضروری مقامات پر حواشی کے علاوہ مؤلف کی شخصیت سے متعلق ایک تفصیلی مقدمہ بھی ہے، جس میں کتاب اور مؤلف دونوں کا تعارف کرایا گیا ہے، ۱۵۱/ صفحات پر مشتمل یہ کتاب دار الکلمۃ للنشر والتوزیع مصر المنصورۃ سے شائع ہوئی ہے۔

۴- اُصول الشاشی — از: الامام نظام الدین الشاشیؒ

تحقیق: محمد اکرم الندوی

یہ اُصولِ فقہ کی مشہور و معروف کتاب ہے، جو برصغیر ہند و پاک کے اکثر مدارس میں داخل نصاب ہے، اس کے مؤلف ساتویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ و اُصولی تھے، یہ کتاب اپنی تمام تر شہرتوں کے باوجود اب تک پرانے انداز میں چھپ رہی تھی، مولانا اکرم ندوی رفیق علمی اسلامک سنٹر آکسفورڈ نے اس کتاب کو نئے انداز سے مرتب کیا ہے، پیراگرافوں کی تقسیم کی ہے، اور تین مخطوطہ نسخوں کو سامنے رکھ کر اصل سے تقابل کرتے ہوئے پیچیدہ عبارتوں کی تسہیل و توضیح کی ہے، اور بعض اہم اُصولی مباحث کے ضمن میں دیگر مراجع سے عبارتوں کا اضافہ بھی کیا ہے، اور مراجع کی نشاندہی بھی کی ہے، اس کے علاوہ باب اور فصل کی تقسیم، آیات و احادیث کی تخریج اور اعلام کا تعارف بھی کرایا ہے، اس تحقیق کے بعد کتاب سے استفادہ بہت ہی آسان ہوگیا ہے، ابتداء میں مشہور محقق عالم ڈاکٹر یوسف قرضاوی کا مقدمہ اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی تعارفی تحریر بھی ہے، ۲۷۸/ صفحات پر مشتمل یہ محقق نسخہ مؤسسۃ الصحافۃ والنشر ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا ہے۔

۵- الطمانینۃ والاعتدال فی ارکان الصلاۃ

تحقیق: محمد رحمت اللہ حافظ محمد ناظم الندوی

یہ دراصل تعدیل ارکان سے متعلق دو رسالوں کا مجموعہ ہے، پہلا رسالہ "الطمانیۃ

والاعتدال فی ارکان الصلاۃ‘‘ جو ۶۶/صفحات پر مشتمل ہے، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ (۶۶۱-۷۲۸ھ) کا ہے، جب کہ دوسرا رسالہ جو’’معدل الصلاۃ‘‘ کے نام سے موسوم ہے، وہ شیخ تقی الدین برکوی (م:۹۸۱ھ) کا ہے، یہ ۷۸/صفحات پر مشتمل ہے، یہ دونوں رسالے بہت قیمتی اور اہم علمی مباحث پر مشتمل ہیں، محقق موصوف نے ان دونوں رسالوں کو ایک ساتھ تحقیق کے ساتھ ایڈٹ کیا ہے، آیات واحادیث کی تخریج اور تابعین کے اقوال کی تحقیق کی ہے، نیز رسالوں میں مذکورہ دیگر مصنفین کی عبارتوں اور ائمہ فقہ کے اقوال کی مراجعت بھی کی ہے، یہ دونوں رسالے جدید علمی انداز وتحقیق کے ساتھ مرتب ہیں، ابتداء میں مقدمہ کے علاوہ دونوں مؤلفین کی مختصر سوانح عمری اور اخیر میں آیات واحادیث کی تفصیلی فہرست بھی شامل ہے، اس طرح یہ محقق رسالہ ۲۰۰۳ء میں المکتب الاسلامی بیروت دمشق سے شائع ہوا ہے۔

۶- مختارات النوازل (عربی) تحقیق: مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندویؔ

مولانا غلام مصطفیٰ ندویؔ:

یہ صاحب ہدایہ علامہ اظہر الدین المرغینانیؒ کی کتاب ہے، جو ۲۸۸/صفحات پر مشتمل مخطوط کی شکل میں تھی، اس کتاب میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے علاوہ اصحابِ تخریج اور اصحابِ ترجیح حضرات کی آراء کو بھی نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے اور دلائل سے تعرض کئے بغیر صرف جزئیات کو نقل کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے، یہ چار جلدوں پر مشتمل ہے، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نوراللہ مرقدہ نے اس پر تحقیق کا کام کروایا ہے، جلد سوم کی تحقیق جن میں معاملات سے بحث کی گئی ہے، مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندویؔ کی ہے، جب کہ چوتھی جلد کی تحقیق کا کام مولانا غلام مصطفیٰ ندویؔ کی کاوشوں کا مرہون منت ہے۔ یہ چاروں جلدیں اسلامک فقہ اکیڈمی کے زیر اہتمام طبع ہونے والی ہے۔

مقالات ومضامین

ذرائع ابلاغ کی وسعت کی وجہ سے علم وفن ہمارے پاس مختلف شکلوں میں پہنچتا ہے، جس سے ہم مستفید ہوتے ہیں، ان ذرائع میں ایک رسائل وجرائد بھی ہیں، جس میں بیک وقت ہمیں مختلف چیزیں دستیاب ہوتی ہیں اور حسب ذوق وخواہش ہم اس سے استفادہ کرتے ہیں، ان جرائد وعلمی رسائل کی تاریخ پرانی ہے، البتہ اس زمانہ میں خالص علمی وتحقیقی جرائد ورسائل کی کثرت ہوگئی ہے اور متعدد ایسے رسائل ہیں، جن میں صرف علمی وتحقیقی مقالات ومضامین ہی چھپتے ہیں۔

ان علمی وتحقیقی رسائل وجرائد میں ندوی فضلاء کے فقہی مضامین ومقالات بکثرت چھپے ہیں ، برصغیر کا شاید ہی کوئی علمی رسالہ ہو، جس کے صفحات ابنائے ندوہ کی علمی وفقہی تحریروں سے خالی ہو، صرف ندوۃ العلماء سے شائع ہونے والے جریدے الضیاء، الندوہ، تعمیر حیات، البعث الاسلامی اور الرائد میں اس کثرت سے علمی وتحقیقی اور فقہی مضامین ومقالات شائع ہوئے ہیں کہ ان تمام کی فہرست کے لئے ہی ایک دفتر چاہئے، بلکہ ؎

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

اس لئے طوالت کے پیش نظر فقہی مضامین ومقالات کی فہرست نہیں دی جارہی ہے، ندوۃ العلماء سے شائع ہونے والے جرائد کے تمام شمارے اور دیگر علمی پرچوں کے بھی اکثر شمارے علامہ شبلی نعمانی لائبریری ندوۃ العلماء میں موجود ہیں، جن سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

مراجع ومصادر

۱- القرآن الکریم

احادیث

۲- صحیح بخاری: امام حافظ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری (۱۹۴-۲۶۱ھ)

ط: دارالسلام للنشر والتوضیح سعودی عرب، ۱۹۹۹ء

۳- المسوی فی احادیث الموطا: حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ،

ط: المطبعۃ السلفیہ مکۃ المکرمہ حجاز، محقق: عبدالفتاح ابوغدہ، ۱۳۵۱ھ

فقہ وفتاویٰ

۴- البحر الرائق: علامہ شیخ زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف بابن نجیم المصری الحنفی

ط: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان

۵- فتاویٰ تاتارخانیہ: علامہ عالم بن علاء الدین انصاری اندرپتی دہلوی (ت ۷۸۶ھ)

تحقیق: قاضی سجاد حسین ط: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی پاکستان طبع دوم ۱۹۶۹ء

۶- ہدایہ: (جلد دوم) علامہ برہان الدین مرغینانی، ط: اشرفی بک ڈپو دیوبند

۷- فتح القدیر: امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن ہمام (م: ۶۷۱ھ)

ط: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان

۸- ردالمحتار مع درمختار، محمد امین المعروف بابن عابدین شامی (م: ۱۲۵۲ھ)

ط: مکتبہ زکریا دیوبند سہارنپور، طبع اول، ۱۹۹۶ء

۹- اسلامی فقہ: مولانا مجیب اللہ ندویؒ، ط: تاج کمپنی دہلی

۱۰- ارکان اربعہ: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

ط: مجلس تحقیقات نشریات اسلامی لکھنؤ، طبع ہفتم ۱۹۹۴ء

۱۱- فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل: مولانا مجیب اللہ ندویؒ

ط: مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ نئی دہلی، ۱۹۷۷ء

۱۲- اجتماعی اجتہاد: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

ط: اسلامک فقہ اکیڈمی، نئی دہلی ۱۹۹۹ء

۱۳- اسلام کا سیاسی نظام: مولانا اسحٰق سندیلوی ندویؒ

ط: دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۵۰ء

۱۴- اجتہاد اور تبدیلی احکام: مولانا مجیب اللہ ندویؒ

ط: مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری ٹرسٹ لاہور، ۱۹۸۸ء

۱۵- اسلام کے بین الاقوامی اُصول وتصورات: مولانا مجیب اللہ ندویؒ

ط: مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری ٹرسٹ لاہور پاکستان، ۱۹۹۰ء

۱۶- فقہی مسائل: مولانا محمد طارق ندوی، ط: اسلاف اکیڈمی لکھنؤ، ۲۰۰۱ء

۱۷- مسئلہ کفاءت: مولانا مجیب اللہ ندویؒ صاحب

ط: دارالتالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ، ۱۹۸۹ء

۱۸- فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین: مولانا مجیب اللہ ندوی

ط: مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری ٹرسٹ لاہور، ۱۹۸۸ء

۱۹- القواعد الفقہیہ: مولانا ڈاکٹر علی احمد ندوی

ط: دارالقلم دمشق، طبع چہارم، ۱۹۹۸ء

۲۰- چند اہم دینی مباحث: مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

ط: الہدایہ اسلامک سینٹر، جے پور

۲۱- اجتہادی مسائل: مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی

ط: ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور پاکستان، طبع چہارم، ۱۹۹۹ء

۲۲- اسلام اور رواداری: مولانا رئیس احمد جعفری ندوی

ط: ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۹۵ء

سیرت وسوانح

ط: ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۵۵ء

۲۳- سیرت النبی ﷺ: علامہ سید سلیمان ندوی

ط: الفیصل ناشران وتاجران کتب غزنی اسٹریٹ لاہور، ۱۹۹۱ء

۲۴- صحابہ رسول اسلام کی نظر میں: مولانا نور عالم خلیل امینی

ط: ادارہ علم وادب افریقی منزل قدیم دیوبند، ۲۰۰۲ء

۲۵- حیات امام مالک: علامہ سید سلیمان ندوی، ط: دارالمصنفین، اعظم گڑھ

۲۶- سوانح قاسمی: مولانا مناظر احسن گیلانی

ط: شعبہ نشر واشاعت دارالعلوم دیوبند، یوپی

۲۷- حیات شبلی: علامہ سید سلیمان ندوی، ط: دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۹۹ء

۲۸- حیات سلیمان: مولانا شاہ معین الدین ندوی

ط: دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۸۰ء

۲۹- تذکرہ سلیمان: غلام محمد بی-اے عثمانیہ

ط: ادارہ مجلس علمی کراچی، ۱۹٦۰ء

۳۰- استاذ العلماء: مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی

ط: شیروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ، ۱۹۳۷ء

۳۱- سیرت مولانا محمد علی مونگیریؒ: سید محمد الحسنیؒ، ط: مکتبہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۱۹۶۳ء

۳۲- کاروان زندگی: سید ابوالحسن علی ندویؒ

ط: مکتبہ اسلام گوئن روڈ لکھنؤ، طبع سوم ۲۰۰۰ء

۳۳- فیوض الحرمین: حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ

ط: المطبع الاحمدی متعلق مدرسہ عزیزیہ دہلی

۳۴- الطریق الی المدینہ: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

ط: المجمع الاسلامی العلمی ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۱۹۸۷ء

۳۵- میر کارواں: مولانا عبداللہ عباس ندوی، ط: مجلس علمی ذاکر باغ دہلی ۱۹۹۹ء

۳۶- تراجم علماء اہل حدیث: ابویحی امام خان نوشہروری

ط: حمیدیہ برقی پریس دہلی، ۱۹۳۸ء

۳۷- بزم رفتگان: سید صباح الدین عبدالرحمٰنؒ، ط: دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۸۱ء

۳۸- آثارات پھلواری شریف: مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیبؒ

ط: دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، ۱۳۷۲ھ

۳۹- سوانح مفکر اسلام: مولانا بلال عبدالحی حسنی صاحب

ط: محمد الحسنی ٹرسٹ رائے بریلی، ۲۰۰۱ء

۴۰- افکار سلیمانی: مجیب اللہ ندوی صاحب

ط: دارالتالیف والترجمہ جامعہ الرشاد اعظم گڑھ، ۱۴۲۰ھ

۴۱- مطالعہ سلیمانی :

۴۲- حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ، افکار و آثار: پروفیسر سعود عالم قاسمی

ط: جامعۃ الھدایۃ جے پور، راجستھان

۴۳- ابوالحسن علی الحسنی الندوی الامام المفکر الداعیۃ الادیب

السید عبدالماجد الغوری، ط: دار ابن کثیر دمشق بیروت طبع ثانی، ۱۹۹۹ء

۴۴- مقالات مولانا عبدالسلام ندوی حیات و علمی فتوحات: محمد ہارون

ط: مولانا عبدالسلام ندوی سیمینار کمیٹی بمبئی

۴۵- پرانے چراغ: سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ، ط: مکتبہ فردوس مکارم نگر لکھنؤ، ۲۰۰۰ء

۴۶- تذکرۃ الصدیق: محمد عبیداللہ اسعدی، ط: مکتبہ حراء لکھنؤ، ۲۰۰۱ء

۴۷- علماء کی کہانی خود ان کی زبانی: قاری فیوض الرحمٰن، ط: ملتان، پاکستان

۴۸- دید و شنید: مولانا رئیس احمد جعفری ندوی

ط: رئیس احمد جعفری اکیڈمی (کراچی)، ۹۸۷ء

۴۹- یادِ رفتگاں: مولانا ماہر القادری

ط: مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۹۴ء

۵۰- میری علمی زندگی کی داستانِ عبرت: مولانا شہاب الدین ندوی

ط: فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور، ۲۰۰۳ء

تاریخ

۵۱- قیصر التواریخ

۵۲- عروج سلطنت انگلشیہ: منشی ذکاء اللہ

۵۳- ہندوستانی مسلمان، ایک تاریخی جائزہ: سید ابوالحسن علی ندویؒ

ط: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

۵۴- مسلم ممالک میں اسلامیت ومغربیت کی کشمکش: سید ابوالحسن علی ندویؒ

ط: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ، طبع چہارم، ۱۹۹۵ء

۵۵- موج کوثر: شیخ اکرام، ط: تاج کمپنی ترکمان گیٹ دہلی، ۱۹۹۱ء

۵۶- تاریخ دعوت وعزیمت: مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

ط: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ

۵۷- وفیات مشاہیر بہار: ڈاکٹر سید شاہد اقبال

ط: آستانہ حق، نیو کریم گنج، گیا (بہار)

تاریخ ندوۃ العلماء

۵۸- تاریخ ندوۃ العلماء (اول): مولانا اسحٰق جلیس ندویؒ

ط: مجلس نظامت ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۱۹۸۳ء

۵۹- تاریخ ندوۃ العلماء (دوم): مولانا شمس تبریز خان صاحب

ط: مجلس نظامت ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۱۹۸۴ء

۶۰- ندوۃ العلماء، ایک دبستان فکر: مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

ط: دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۶۱- ہندوستان کا نصابِ درس اور اس کے تغیرات: مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ

ط: مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۶۲- ہدایۃ الالباء: مولانا سید محمد علی مونگیریؒ (ناظم اول ندوۃ العلماء)

۶۳- مراسلت سنت وندوہ:

۶۴- روداد چمن: مولانا محمد الحسنیؒ

ط: دفتر نظامت دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۱۹۷۶ء

۶۵- روداد ندوۃ العلماء سال اول، ط: دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۶۶- روداد اجلاس دوم، ط: دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۶۷- سالانہ رپورٹ اجلاس سوم، ط: دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۶۸- روداد سالانہ پانچویں اجلاس، ط: دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۶۹- روداد اجلاس ناگپور۔ ۱۹۱۸ء، ط: دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۷۰- سالانہ رپورٹ اجلاس نہم، ط: دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۷۱- روداد اجلاس پنجم، ط: دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۷۲- روداد اجلاس ندوہ سیز دہم، ط: دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۷۳- روداد اجلاس ندوہ سانز دہم، ط: دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۷۴- روداد اجلاس ندوہ بستم ویکم، ط: دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۷۵- روداد اجلاس ندوہ ہشتم ودوم، ط: دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۷۶- کاروائی جلسہ انتظامی قلمی، ط: دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۷۷- مسودہ دار العلوم، ط: دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۷۸- تجویز دار العلوم، ط: دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۷۹- مسودہ نصابِ عربی، ط: انتظامی پریس کانپور

متفرقات

۸۰- حجۃ اللہ البالغہ: حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ

ط: داراحیاء العلوم بیروت محقق: الشیخ محمد شریف سکر، ۱۹۹۰ء

۸۱- تفہیمات الٰہیہ: حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ

۸۲- عقد الجید: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ط: مطبع محمدی لاہور پاکستان

۸۳- وصیت نامہ فارسی مع رسالہ دانش مندی: حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ

۸۴- مقالات شبلی ہشتم: علامہ سید سلیمان ندویؒ، ط: دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۲۰۰۰ء

۸۵- خطبات مفکر اسلام: مرتب محمد کاظم ندوی

ط: دارالعلم ڈھاکہ لکھنؤ

۸۶- شذرات سلیمانی: مرتب: ضیاء الدین اصلاحی

ط: دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۹۷ء

۸۷- دہلی اور اس کے اطراف: حکیم سید عبدالحی حسنیؒ

مرتب: صادقہ ذکی ط: اُردو اکیڈمی دہلی ۱۹۸۸ء

۸۸- مولانا سید سلیمان کی تصانیف، ایک مطالعہ: مرتب: سید صباح الدین عبدالرحمٰنؒ

ط: دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۸۸ء

۸۹- سید سلیمان ندوی کی علمی و دینی خدمات پر ایک نظر

مرتب: سید صباح الدین عبدالرحمٰنؒ، ط: دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۸۵ء

۹۰- اقبال نامہ: مرتب: شیخ عطاء اللہ

۹۱- مکتوبات سلیمانی

۹۲- خطوط سلیمانی: مرتب: ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہاں پوری

ط: ادارہ تصنیف و تحقیق کراچی پاکستان، ۱۹۹۳ء

۹۳- مشاہیر کے خطوط بنام سید سلیمان ندویؒ ط: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۱۹۹۲ء

۹۴- مقاصد شریعت: مرتب: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا ط: ایفا پبلی کیشنز نئی دہلی، ۲۰۰۴ء

۹۵- مکتوبات ماجدی: مرتب: ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی

ط: ادارہ انشاء ماجدی، کلکتہ، ۲۰۰۱ء

۹٦- اسلام اور جدید مسائل پر تحقیقی کام اور فرقانیہ اکیڈمی کی خدمات کا ایک جائزہ
مولانا سعید الرحمٰن ندوی، ط: فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور، ۱۹۹۲ء

۹۷- قرآن کا فلسفہ کائنات اور اس کی ابدی سچائیاں: مولانا شہاب الدین ندویؒ
ط: فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور، ۲۰۰۳ء

۹۸- فہرست تالیفات مولانا علی میاں ندویؒ: مرتب: طارق زبیر ندوی
ط: مکتبہ حراء مکارم نگر، لکھنؤ

۹۹- دینی مدارس اور ان کی ذمہ داریاں: مولانا مجیب اللہ ندوی
ط: دار التالیف والترجمہ اعظم گڑھ، ۲۰۰۲ء

۱۰۰- خطبہ صدارت اجلاس ہفتم جمعیۃ العلماء ہند کلکتہ، ۱۹۲٦ء

۱۰۱- جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات: محمد مستقیم سلفی
ط: ادارۃ البحوث الاسلامیہ والدعوۃ جامعہ سلفیہ بنارس، طبع دوم ۱۹۹۲ء

۱۰۲- قلمی رپورٹ: ہندوستان میں شریعت اسلامیہ کانفرنس، لکھنؤ
محفوظہ: دفتر مرکزی دار القضاء اتر پردیش، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

رسائل وجرائد

۱۰۳- Life of Lord Lawrence : Bosworth Smith

۱۰۴- India Musalmans : Walliam Hunter

۱۰۵- ماہنامہ الندوۃ، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۰٦- ماہنامہ البعث الاسلامی (عربی) دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۰۷- پندرہ روزہ تعمیر حیات، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۰۸- ماہنامہ معارف، دار المصنفین اعظم گڑھ

۱۰۹- ماہنامہ تہذیب الاخلاق، علی گڑھ

۱۱۰- ہفتہ وار صدق جدید، لکھنؤ

۱۱۲- ماہنامہ برہان، دہلی

۱۱۳- سہ ماہی بحث ونظر، دہلی

۱۱۴- مجلّہ فقہ اسلامی، اسلامی فقہ اکیڈمی، دہلی

۱۱۵- ماہنامہ البلاغ، بمبئی

۱۱۶- ماہنامہ الرشاد، جامعۃ الرشاد، اعظم گڑھ

۱۱۷- معارف سلیمان نمبر، دارالمصنفین، اعظم گڑھ

۱۱۸- ماہنامہ ریاض سلیمان نمبر (کراچی)، ۱۹۵۴ء

۱۱۹- ماہنامہ نشانِ منزل سلیمان نمبر (بھوپال) ۱۹۸۷ء

۱۲۰- تعمیر حیات مفکر اسلام نمبر، ۲۰۰۰ء

۱۲۱- البعث الاسلامی مفکر اسلام نمبر، ۲۰۰۰ء

۱۲۲- ششماہی رابطہ، دہلی، مفکر اسلام نمبر: مرتب: نذر الاسلام نظمی، ۲۰۰۰ء

۱۲۳- ماہنامہ النصیحہ مفکر اسلام نمبر: مرتب: مفتی احتشام الحق قاسمی، مفتی انعام الحق قاسمی

ط: عبداللہ ابن مسعود اکیڈمی حیدرآباد، ۲۰۰۱ء

۱۲۴- ماہنامہ رہگذر حیدرآباد ۱۹۸۸ء

۱۲۵- ماہنامہ افکار ملی دہلی، (بہار کی پچاس سالہ پیش رفت نمبر) جولائی ۲۰۰۰ء

۱۲۶- روزنامہ منصف حیدرآباد، جون ۲۰۰۴ء

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

اکابر علماء کی نظر میں ......

☆ معہد کے قیام سے قلبی مسرت ہوئی۔ (مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

☆ معہد کی تاسیس ایک انمول خدمت ہے۔ (مولانا محمد سالم قاسمی، مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند)

☆ امید ہے کہ معہد اپنے مقاصد عالیہ میں کامیاب ہوگا۔ (مولانا مرغوب الرحمٰن، مہتمم دارالعلوم دیوبند)

☆ میں اس اقدام کو بہت سراہتا ہوں۔

(مولانا محمد رابع ندوی، صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ وناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

☆ میں اس کو آج کا ایک عملی اور علمی جہاد تصور کرتا ہوں۔

(مولانا سعید الرحمٰن اعظمی، مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

☆ اس طرح افراد سازی کا بہت بڑا دقیق قدم اٹھایا گیا ہے۔

(مولانا غلام محمد وستانوی، مہتمم جامعہ اشاعت العلوم، اکل کوا مہاراشٹر)

☆ معہد میں نئے انداز اور مفید طرز پر وابستگان کو علمی میدانوں میں جوہر دکھانے کی صلاحیتوں سے مالامال کرنے کا بھرپور انتظام کیا گیا ہے۔ (مولانا محمد برہان الدین سنبھلی)

☆ معہد کے کام میں اللہ نے بڑی برکت عطا فرمائی ہے، جس پر حیرت ہوتی ہے۔

(مولانا ریاست علی بجنوری، استاذ دارالعلوم دیوبند)

☆ معہد بڑا فال نیک ہے۔ (مولانا عبید اللہ اسعدی، شیخ الحدیث جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ)

☆ المعہد اپنے مقاصد میں پوری طرح کامیاب ہے اور فضلاء مدارس عربیہ پورا فائدہ محسوس کررہے ہیں۔ (مولانا عتیق احمد بستوی، استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

☆ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کو اختصاصی شعبوں میں تربیت دینے کی مہارت حاصل ہے اور اس کا طویل تجربہ ہے۔ (مولانا نعمت اللہ اعظمی، استاذ دارالعلوم دیوبند)

☆ بڑی خوشی ہوئی کہ ایک اہم کام کا آغاز ہوگیا ہے۔

(مولانا جلال الدین عمری، ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ)